



# مقالات قادری

جلد اول  
اس

مبلغ اسلام مولانا سید سعادت علی قادری مدظلہ  
صدر جمعیت اہلسنت پاکستان

بہتنام

مفتی احمد میاں برکاتی

مکتبہ قاسمیہ برکاتی

دارالعلوم احسن البرکات شارع مفتی حنیف لیل خان

نزدہوم اسٹیڈیال حیدرآباد سندھ



# جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

58541

نام کتاب \_\_\_\_\_ مقالات قادری (جلد اول)  
 مصنف \_\_\_\_\_ علامہ سید سعادت علی قادری  
 کتابت \_\_\_\_\_ ثناء اللہ - خلیل نوری  
 تصحیح \_\_\_\_\_ ابو صمد مفتی احمد میاں برکاتی  
 صفحات \_\_\_\_\_ ۳۹۲  
 طباعت اول \_\_\_\_\_ مارچ ۱۹۸۷ء  
 طباعت دوم \_\_\_\_\_ اکتوبر ۱۹۸۷ء / صفر النظر ۱۳۰۸ھ  
 تعداد \_\_\_\_\_ گیارہ سو  
 طابع \_\_\_\_\_ ضیاء الدین پبلیکیشنز نزد شہید مسجد کھارادر کراچی  
 قیمت \_\_\_\_\_

ملنے کے پتے

سید عامر علی قادری، ۱- ڈی بلاک، فیڈرل بی ایریا، کراچی - ۳۸

- ROOMI BECHAN QADRI .

AL QADRI ISLAMIC CENTRE .

GASLAAN - 02. 2562. LJ ,

D E N H A A G . N E D E R L A N D .

TEL : 070 - 461024 / 454995

• SYED & LOCKHAT .

P.O.BOX : 48258.QUALBERT.4078.

DURBAN. (REP.OF SOUTH AFRICA)

TEL : 281200 & 313317/8.



# اس کتاب کے مضامین

۱

- ۱۰ - عید میلاد النبی منانا
- ۲۰ - رسول کی محبت
- ۳۹ - نورانی جسم
- ۸۶ - حضور علیہ السلام کے معجزات
- ۱۰۶ - امت پر رسول کے حقوق
- ۱۳۲ - بہترین عادات
- ۱۶۰ - حضور علیہ السلام کے ارشادات





۱۶۵	معلم کامل	۸
۱۸۱	سفر معراج	۹
۱۹۳	سرچشمہ اخلاق	۱۰
۲۱۵	پیدائش کا دن	۱۱
۲۳۶	یوم عاشوراء	۱۲
۲۳۹	شہادت سیدنا امام حسین	۱۳
۲۶۰	مسلم بن عقیل اور ان کے صاحبزادے	۱۴
۲۶۸	کربلا کے چند شہداء	۱۵
۲۷۶	قتلان حسین کا انجام	۱۶
۲۸۳	کرمس اور حضرت عیسیٰ	۱۷
۳۰۲	اللہ کے ولی	۱۸
۳۲۷	تمام مسلمان کافر ہیں	۱۹
۳۳۳	ملاقات کا طریقہ	۲۰
۳۵۸	تعمیر مساجد	۲۱
۳۷۳	اتحاد و اتفاق	۲۲

ناظم اشاعت

عادل میاں برکاتی

فون  
۲۵۸۰۲

سیل آفس: مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ (شارع مفتی محمد حلیل خاں) حیدرآباد



# ناشر کے قلم سے

زیر نظر کتاب کے مصنف، مبلغ اسلام حضرت مولانا سید سعادت علی قادری  
 بڑی وجہ اور علمی شخصیت کے مالک ہیں، تنظیمی امور میں بھی موضوع کا ثانی نہیں  
 مولانا محترم، ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی سید مسعود علی صاحب قادری  
 رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید اول ہیں۔ آپ کی پیدائش علی گڑھ یو پی میں ہوئی۔  
 ابتدائی علوم ہندوستان میں حاصل کئے اور کیمیل پاکستان آنے کے بعد مدرسہ انوار العلوم  
 ملتان میں فرمائی۔ اس اعتبار سے آپ کو غزالی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ  
 صاحب کاظمی مدظلہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ علوم شرعیہ سے فراغت کے بعد  
 کراچی تشریف لائے اور پھیویں صدی کے ساتویں عشرے کے وسط میں، کراچی کے  
 علماء اہلسنت کے ساتھ مل کر، جماعت اہل سنت کے نام سے مرکزی تنظیم کی  
 بنیاد ڈالی اور کراچی میں جامع مسجد قصاباں صدر کو مرکز بنا دیا۔ اس زمانہ میں جماعت  
 اہل سنت کے زیر اہتمام بہت سے رسائل و پمپلٹ چھپوا کر عوام میں مفت تقسیم  
 کروائے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد محدود وسائل کے باوجود ایک ماہنامہ ترجمان اہلسنت  
 کے نام سے جاری کیا جو کافی عرصہ جاری رہا۔

جولائی ۱۹۷۲ء میں یہ ماہنامہ باقاعدہ طور پر، پروفیسر مفتی سید شجاعت علی

قادری کی نگرانی اور مولانا جمیل احمد نعیمی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا، جو  
 کئی سال باقاعدگی سے جاری رہا۔ جماعت اہل سنت کے تحت مولانا موصوف  
 نے پورے کراچی میں عوام اہلسنت کو منظم کیا، جس کے نتیجے میں سندھ کے ملکی  
 ایکشن میں عوام اہل سنت اور علمائے اہل سنت چمک کر ابھرے۔ مولانا نے سندھ  
 کی تاریخی دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) سنی کانفرنس میں اہم کردار انجام دیا اور اس

لے ترجمان اہلسنت ماہنامہ کراچی فروری ۱۹۷۴ء۔



سلسلہ میں چند رفقہ اس کے ساتھ مل کر پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا اور عوام کو سوشلزم کے خطرے سے آگاہ کیا۔ شدہ کے ایکشن کے بعد علمائے اہلسنت کے مشورے سے مولانا سید سعادت علی قادری مبلغ اعظم کو بیرون ملک تبلیغ اسلام کے لئے جانا پڑا۔

چنانچہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو مولانا موصوف جنوبی امریکہ کے ایک علاقہ سر نیام کے مسلمانوں کی تنظیم "ٹرنیڈیڈ مسلم ایسوسی ایشن" کی دعوت پر سر نیام پہنچے۔ راستہ میں جامعہ ازہر کا دورہ بھی کیا۔

مولانا نے موصوف نے سر نیام کے دار الخلافہ "پیراماری بو" کی ایک مسجد کو تبلیغی مرکز بنایا۔ ابتدائی حالات حوصلہ شکن تھے۔ مولانا نے دو سال کی منصوبہ بندی کے تحت اس مسجد کو پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے بہت خوبصورت بنوایا۔ شروع میں نمازیوں کی تعداد جمعہ جیسے عظیم اجتماع میں صرف چالیس نفر تک ہوتی تھی۔ مگر مولانا قادری کی عظیم کوششوں نے ایسا شاندار کام کیا کہ سر نیام کے لوگ بازاروں میں کہتے تھے، کہ:

"مولانا نے بھی خوب چکر لگایا۔ کبھی تو ہم مسجد میں جاتے نہ تھے لیکن

اب روز نہ جاؤ تو لگتا ہے کہ ہم کوئی اہم کام نہیں کر پائے۔"

یوم شہادت حسین کے اجتماعات منعقد کرانے کے لئے مولانا نے ایک میلاد کیٹی قائم کی جس کے زیر اہتمام سر نیام کے لوگوں نے پہلی مرتبہ واقعات شہادت سننے۔ اسی کیٹی کے زیر اہتمام ۱۷ دسمبر میں پہلی مرتبہ ۱۲ ربیع الاول شریف پڑھ کر سر نیام میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا گیا۔ اس جشن کے موقع پر سیاسی رہنماؤں اور دیگر مذاہب کے مبلغین اور معززین شہر کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر غیر مسلم بچوں کی جانب سے مسلمانوں کو ان کے نبی کی پیدائش پر گل دستے

۱۷ ترجمان اہلسنت ایضاً اپریل ۱۹۷۱ء

۱۸ ترجمان اہل سنت ایضاً اپریل ۱۹۷۱ء



پیش کئے گئے۔

مارچ ۱۹۶۲ء میں مولانا موصوف نے مسلمانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی تشبیہ کے ساتھ جھنڈا پیش کیا، جو سرنیام میں مسلمانوں کا جھنڈا قرار پایا اور آج عالم یہ ہے کہ یہ جھنڈا سرنیام اور ہالینڈ کے ہر مسلمان کے پاس مختلف سائزوں اور اسٹیکرز کی شکل میں گاڑیوں، کاروں، مکانوں، دوکانوں، دیواروں، بجلی کے ٹیڈرز، لمپ حتیٰ کہ سپروٹ پر موجود ہے۔ نبی کے اس جھنڈے کی برکت تھی کہ ۱۵ مئی ۱۹۶۲ء کو ہی سرنیام میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ جس میں پیدل لوگوں کی بجائے، تاحد لگاہ، صرف کاریں ہی کاریں اور گاڑیاں نظر آتی تھیں۔ شہر بھر کے عیسائی، مرزائی، ہندو سکھ اور دیگر مذاہب کے مرد عورتیں بچے اس کو حیرت کی لگاہ سے دیکھتے رہے کہ مسلمان اس طرح اپنے نبی کی پیدائش پر اظہارِ مسرت کر رہے ہیں۔

مولانا سید سعادت علی قادری، ایک کامیاب منتظم اور مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ ادیب بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بھر کے کثیرالاشاعت اخبارات آپ کے مضامین کو اب بھی نمایاں طریقہ پر چھاپتے ہیں۔ کراچی کے ایک اخبار جنگ کے ایک ایڈیٹر کو خود راقم الحروف نے دیکھا کہ انہوں نے، خاص خاص مواقع پر خصوصی ایڈیشن کے لئے خود مولانا موصوف کو فون کر کے بطور فرمائش مضامین لکھوائے۔ مولانا نے اسی شوق کے تحت سرنیام میں بھی کافی تحریری کام کیا۔ اور وہاں کی مقامی ڈچ زبان میں کئی رسائل شائع کرائے۔ اور اس مقصد کے لئے ”مسلم مذہبی کمیٹی“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کے تحت قرآن کریم کا ڈچ زبان میں ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے اور اب تک کئی پارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ علمائے اہلسنت کی بعض زیادہ مفید کتب کو بھی اردو سے ڈچ میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ فی الحال جن کتابوں کو اس ترجمہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ان میں پاکستان کے مشہور عالم دین پیر طریقت و رہبر شریعت مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی علیہ الرحمۃ کی مشہور جہاں، تصنیف ”ہمارا اسلام“ بھی شامل ہے۔ مفتی صاحب موصوف



نے دہاں تک جو کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ وہ تقریباً ساٹھ ہیں، ان میں، سنی بہشتی زیور، ہماری نماز، روشنی کی طرف، حکایات رضویہ اور عقائد الاسلام نیز الصلوٰۃ (بارہ ماہ کے نوافل) بح سابل ترجمہ، چادر چار دیواری، اور نور علی نور

قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا قادری مدظلہ نے ہمارا اسلام کو جنوبی امریکہ کے مسلمان بچوں کے لئے وہاں کے مدارس میں بطور سبق رکھوایا ہے۔

مولانا موصوف کے ہاتھ پر سینکڑوں، عیسائی اور ہندو اسلام قبول کر چکے ہیں اور اتنے ہی مرزائی قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام کی طرف رجوع کر چکے ہیں۔

مولانا قادری ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ عوام کے لئے، سادہ اور سہل زبان میں لٹریچر مہیا کیا جائے، تاکہ امت مسلمہ اصلاح معاشرہ اور اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات سے عملاً فیض اٹھا سکے، اسی مقصد کے پیش نظر، آپ کے کئی مضامین شائع ہو کر مختلف مواقع پر تقسیم ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب مولانا کے مختلف مضامین کا گلدستہ ہے، جو مقالات قادری (اول) کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل اس کا پہلا ایڈیشن قبولیت عامہ حاصل کر چکا ہے۔

علاوہ انہیں آپ کے دو کتبچے ”مرض سے موت تک“ اور ”اچھا برتاؤ“ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جو نہایت ہی پسند کئے گئے۔

ان میں سے ”مرض سے موت تک“ کا ترجمہ انگریزی اور ڈچ میں ہوا اور یہ پیش ہوا (طبع ہوا) ”اچھا برتاؤ“ کا ترجمہ انگریزی میں ہوا جو نپدرہ ہزار طبع ہوا مقالات قادری جلد دوم بھی شائع ہو چکی ہے، اس میں مولانا کے گیارہ تاریخی خطبے و مقالات ہیں۔ اسی سلسلہ کی تیسری ترتیب مقالات قادری جلد سوم زیر طبع ہے اور



انشاد اللہ عنقریب قارئین تک پہنچ جائے گی۔ نیز جلد چہارم زیر قلم ہے۔ آپ کی تازہ ترین تصانیف ”تیس راتیں“ انگریزی میں بس ہزار طبع ہو گئی ہے، اور اردو میں زیر طبع ہے۔ دوسری تصانیف میں ”نام نہاد اسلامی انقلاب“ (اردو) (انگریزی) ”یوم الفرقان“ (جنگ بدر کے موضوع پر تحقیقی کتاب) (اردو) اور ”تبلیغی کتاب“ (۵۵ تبلیغی خطبات کا بہترین مجموعہ) زیر طبع ہیں۔

آج کل حضرت مولانا سید سعادت علی قادری پانسٹہ میں مقیم ہیں اور وہیں سے دنیا کے بیشتر ممالک کا دورہ فرما چکے ہیں۔ آپ کی مداحین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

### ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید سعادت علی قادری کو خدمتِ دین کے

مزید مواقع مہیا فرمائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب ”مقالات قادری“ کا نہ صرف خود مطالعہ کریں بلکہ اسے گھر گھر پہنچائیں کہ یہ بھی تبلیغِ دین کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور مزید خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

خادم العلماء:

ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی  
ہیتم و شیخ الحدیث  
دارالعلوم احسن البرکات، جید آباد



شارح معنی غلیظ غان  
نمبر ۱۱۱۱ سال ۱۹۸۵ء

۲۱ ستمبر ۱۹۸۵ء



## عید میلاد النبی منانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید میلاد النبی کہا جاتا ہے کیونکہ ہر وہ دن جس پر خدا کی کوئی نعمت بندوں کو نصیب ہو عید یعنی خوشی و مسرت کے اظہار کا دن ہے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے

اللَّهُمَّ رَبَّنَا انزِلْ عَلَيْنَا	اے رب ہمارے تو ہمارے
مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا	اوپر خوانِ نعمت نازل فرما آسمان
لأولنا وأخیرنا وایةً مِنَّا وَرِزْقًا	سے جو ہمارے لئے عید ہو ہمارے
وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝	پھلوں اور اگلوں کے لئے اور تیری
	نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو
	بہتر رزق دینے والا ہے۔

نبی اسرائیل کیلئے آسمان سے تیار شدہ کھانا (من وسلوا) اترنے کا دن عید ہو کیونکہ یہ خدا کی ایک نعمت ہے تو پھر نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن مسلمانوں کے لئے عید کیوں نہ ہو جب کہ وہ تمام نعمتوں کی جان اور سب سے بڑی نعمت ہیں اسی لئے علامہ یوسف ابن اسماعیل بنہانی، رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب جواہر البحار میں فرمایا۔

”اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے حضور علیہ السلام کے مولد کے مہینہ کی راتوں کو عید کے طور پر منایا۔“



علامہ نبھانی کے علاوہ دیگر علمائے اسلاف نے بھی میلاد النبی کے شب و روز کو عید قرار دیا ہے اور یہی عقیدہ اہلسنت و جماعت کا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام ہی خدا کی سب سے عظیم نعمت ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝  
ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

ہر وہ چیز جو کسی کو فائدہ پہنچائے نعمت ہے حضور علیہ السلام کسی نہ کسی اعتبار سے تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ یعنی خدا کی تمام مخلوق نے آپ کی بعثت پر احسان کا اظہار فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا ۝  
بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول کو پیدا فرمایا۔

**شکرِ نعمت** | یہ عظیم نعمت جس دن دنیا میں تشریف لائی اس دن کو یومِ عید جاننا اور اس دن اس نعمت کا ذکر و چرچا کرنا اور اس کے ملنے پر مسرت و خوشی کو ظاہر کرنا بلاشبہ حصول برکت و رحمت کا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے کہ نعمتیں ملنے پر بندے اس کا شکر ادا کریں قرآن کریم میں ہے۔

(۱) قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ  
فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝  
تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے خوشی کریں اور وہ ان سب کے جمع کئے ہوئے مال سے بہتر ہے۔



- (۲) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور اپنے رب کی رحمت کو ظاہر کرو۔  
 (۳) وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔  
 (۴) وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اور اگر تم شکر کرو گے تو ہم تم پر اپنی نعمت زائد کریں گے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نہ صرف خدا یہ پسند فرماتا ہے کہ نعمتیں ملنے پر بندے اس کا شکر ادا کریں اور اظہارِ مسرت کریں بلکہ خدا ان بندوں سے جو ایسا کرتے ہیں یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ جتنا تم شکر نعمت کرو گے اتنا ہی تم پر خدا کا فضل زیادہ ہوگا یہ تو عام نعمتوں کی بات ہے۔ وہ عظیم نعمت جس پر خود خدا نے اظہارِ احسان فرمایا اگر بندے اس کے ملنے پر اظہارِ مسرت کریں، اس کی پیدائش کے دن کو عید کی طرح منائیں اور اس نعمت کا چرچا و ذکر کریں تو یقیناً یہ عمل خدا کی مرضی کے حصول اور نجات پانے کا ذریعہ ہوگا۔

**ذکرِ نعمت** | خدا کی نعمتوں کا ذکر اور چرچا کرنا بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ فرمایا گیا۔

وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ اور ان کو یاد دلائیے اللہ کے دن۔

یہاں بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی قوم میں اسرائیل کو وہ خاص دن یاد دلا یا کریں جن میں انھیں فرعون کے ظلم و ستم سے نجات ملی ان پر من و سلوانازل ہو اور اسی قسم کے دوسرے دن جن میں انھیں انعامات سے نوازا گیا ہے یہ حکم دو وجہ سے دیا گیا ہے۔  
 ۱۔ اس لئے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اسکی نعمتوں کا ذکر کیا جائے



جس کے لئے موزوں ترین وقت وہی تاریخ ہے جس میں وہ نعمت ملی۔

۲۔ اس لئے کہ بندے جب خدا کی نعمتوں کا ذکر سنتے اور یاد کرتے ہیں تو وہ ان نعمتوں کی قدر بھی کرنے لگتے ہیں اور ان کا نعمتیں عطا کرنے والے خدا سے بھی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

پس جب موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ حکم ہے تو ایسا اس نعمت کا ذکر عین مرضی خدا ہو گا جس کے ذکر کو خدا نے خود بلند بھی فرمایا ہے اور اس کے ذکر کو اپنا ہی ذکر قرار دیا۔ قرآن کریم میں ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء شریف میں سیدی ابن عطار رضی اللہ عنہ سے اس طرح نفل کی ہے۔

جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِنْ ذِكْرِي ۝ اے نبی میں نے آپ کو اپنا ذکر بنایا  
فَمَنْ ذَكَرَكَ ذَكَرَنِي ۝ ہے جو آپ کو یاد کرے گا گویا مجھے یاد کرے گا۔

نبی کریم علیہ السلام نے قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کر کے امت کو دعوتِ عمل دی شکر نعمت اور نعمت سے متعلق بھی عمل

**عمل رسول**

آپ کی حیات طیبہ میں موجود ہے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

نبی کریم علیہ السلام جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہودی عاشورے (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے ہیں جب یہودیوں سے اس روزے کی وجہ معلوم کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ عاشورہ وہ



تاریخ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دلائی تو ہم اس نعمت پر شکر کرتے ہوئے یہ روزہ رکھتے ہیں اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

نحن احنُّ واولیٰ بموسىٰ  
تو ہم تمہاری بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام  
منکم فصام و امر بصیامہ  
سے زیادہ قریب ہیں تو آپ نے خود  
روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اسی حکم کے مطابق آج تک عاشورہ کے دن کا روزہ مستحب ہے کسی نے اسکو حرام نہیں کہا پس حضور علیہ السلام کے اس عمل سے ثابت ہے کہ خدا کی نعمت پر اظہار شکر و مسرت کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام خود بھی اپنی ولادت کا دن مناتے تھے جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

”نبی کریم علیہ السلام ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے جب آپ سے

اس روزے کی وجہ معلوم کی گئی تو آپ نے فرمایا:

فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ اُنزِلَ  
کہ اسی دن میں پیدا ہوا  
اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل  
علیّ۔

ہوا۔“

یہ روزہ صرف دو نعمتوں پر اظہار شکر کے لئے رکھا جاتا ہے ایک حضور علیہ السلام کی پیدائش دوسرے نزول قرآن اس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنا یوم ولادت ہر ہفتہ مناتے تھے تو کیا ہم ان کے غلام سال میں ایک مرتبہ بھی نہیں مناسکتے یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلاف نے عید میلاد النبی منانے کو باعث برکت و رحمت قرار دیا اس سلسلے میں چند معروف علماء کے عمل و



عقیدے ملاحظہ ہوں۔

فرماتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن حجر استنبی

» محافل میلاد اور اذکار جو ہمارے یہاں

بیان کئے جاتے ہیں ان میں اکثر بھلائی پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ، ذکر، صلوات و سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی مدح اور قسم کافی سنت ہے کیونکہ جو احادیث خاص و عام اذکار کے بارے میں ہیں وہ اسکو شامل ہیں۔

فرماتے ہیں:

۲۔ علامہ محی الدین

» ہمارے زمانے میں اچھی ایجادوں میں وہ

افعال ہیں جو مولد النبی کے دن کئے جاتے ہیں یعنی صدقات بھلائی کے کام فرحت و مسرت کا اظہار کیونکہ فقراء کے ساتھ احسان کرنے کے علاوہ ان تمام چیزوں کے کرنے والے کی محبت حضور علیہ السلام سے ظاہر ہوتی ہے اور اس نعمت کا شکر ادا ہوتا ہے جس کے پیدا کرنے پر خدا نے احسان جتایا۔

وَفِيهِ اِغَاظَةُ الْكُفْرَةِ  
اور اس میں کفار و منافقین کو جلانا  
وَالْمُنَافِقِينَ۔  
مقصود ہے۔

حضرت علامہ ابو شامہ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ عید میلاد النبی پر کئے جانے والے کاموں کو بہترین ایجاد قرار دیتے ہیں اور اس کے فائدے بیان کرتے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس موقع سے فقراء و مساکین کا بھلا ہوا جاتا ہے دوسرے یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کا پتہ چل جاتا ہے میرے یہ کہ اس طرح خدا کی سب سے عظیم نعمت کا شکر ادا ہوتا ہے اور چوتھے سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ عاشق عید میلاد النبی منلتے ہیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کفار و مشرکین جلتے بھنتے ہیں۔



اس آخری جملے میں حضرت علامہ نے فیصلہ فرمادیا کہ عید میلاد النبی منانا کمال ایمان و محبت کی نشانی ہے اور اس سے روکنا، اس کو حرام و ناجائز کہنا اسلام دشمنی کی علامت ہے۔ کوئی مومن کامل ولادت رحمۃ اللعالمین پر اظہار مسرت و شکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۳۔ علامہ عابدین

”صاحب معجزات صلی اللہ علیہ وسلم کے

مولد کے واقعات سننے کے لئے جمع ہونا بڑی نیکی ہے کیونکہ یہ نیکیوں اور درود شریف پر مشتمل ہے اور ان پر درود و سلام کی کثرت ان کی محبت کا سبب ہے اور یہ ان کے قرب کا سبب ہے۔“

علامہ برہان حلبی نے فرمایا:

۴۔ علامہ حلبی

”نبی کریم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے

دن میں بھلائی کرنے والوں، فرحت و مسرت کا اظہار کرنے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں کو کافی ہے کہ وہ اصحاب خیر اور فقراء و مساکین کو جمع کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کو کھانا کھلائیں اور ان پر صدقہ کریں اور اس سے بھی زائد اگر چاہیں تو ایسے اشعار پڑھوائیں جن میں نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور اچھے اخلاق کی طرف رغبت دلانا، قلوب کو بھلائیوں کی طرف برا نیگتہ کرنا اور بدعات و منکرات سے روکنا ہو۔“



حافظ الحدیث ابوالخیر علامہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

## ۵۔ علامہ شمس الدین نے فرمایا:

”ابولہب (کہ جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا) کو جہنم میں یہ بدلہ ملا کہ اس کی انگلیوں سے پانی نکلتا ہے اور ہر دو شنبہ کو اس کا عذاب کم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے حضور علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی میں ٹویبہ اپنی لونڈی کو آزاد کیا تھا تو اس مسلم موحد کا کیا حال ہوگا جو نبی کریم علیہ السلام کی ولادت پر خوشی مناتا اور حسب استطاعت خرچ کرتا ہے۔ میری جان کی قسم خداوند کریم کی طرف سے یہی جزا ہوگی کہ وہ اسکو اپنے فضل سے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا۔“

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

## ۶۔ محدث دہلوی

، ابولہب کافر تھا جب اسے میلاد کی خوشی منانے

اور اپنی باندی کے دودھ کو حضور علیہ السلام کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت و خوشی سے میلاد النبی میں خرچ کرتا ہے۔“

شاہ صاحب موصوف نے خود اپنا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں میلاد النبی کے موقع پر حضور علیہ السلام کی جائے پیدائش مکہ معظمہ میں حاضر تھا وہاں لوگ آپ کی ولادت و ہجرات کا تذکرہ کر رہے تھے میں نے اس محفل میں انوار و برکات نازل ہوتے ہوئے دیکھے جب میں نے ان انوار میں غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ انوار ان فرشتوں کے ہیں جو ان ہی فعل میں شرکت کرتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ یہ فرشتوں اور انوار کے نور



سے معمور و منور تھی۔

۷۔ شاہ ولی اللہ | شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کا معمول انہی کے الفاظ میں بیان فرمایا۔

”میں میلاد شریف کے ایام میں ولادت باسعادت کی خوشی میں کھانا تیار کرتا تھا۔ ایک سال بھنے جنوں کے علاوہ کچھ میسر نہ ہوا تو میں نے وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور دیکھا کہ وہی چنے آپ کے سامنے موجود ہیں اور آپ بے حد خوش نظر آ رہے ہیں۔“

۸۔ مولانا عبدالحئی | ابو الحسنات مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”حقیقت میں میلاد شریف نبی کریم علیہ السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں موجود تھا اگرچہ یہ نام نہ تھا فن حدیث کے ماہرین پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مجالس وعظ اور تعلیم علم میں فضائل نبویہ اور حالات احمدیہ کا ذکر کرتے تھے۔“

خلاصہ اقوال | یہ چند علمائے کرام کے اقوال و عقائد نقل کئے گئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی پیدائش کے دن

پراگھار مسرت و شکر کرتا اور ان کے کمالات و معجزات بیان کرنا نہ تو حرام ہے اور نہ کوئی بری رسم۔ اس کے برعکس یہ ایک ایسی عظیم نیکی ہے جس میں نبی کریم علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی بھی ہے اور بزرگوں کے طریقے پر عمل بھی جس کے بدلے دنیا میں عافیت و طمانیت نصیب ہوتی



ہے اور آخرت میں ذریعہ نجات ہے جو یہ نیکی کرتے ہیں وہ اپنے کمال ایمان کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور جو اس کو منع کرتے ہیں وہ کفار و منافقین کا طریقہ اختیار کر کے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔

**گزارش** | پس مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن و حدیث پر غور کریں اور نبی کریم علیہ السلام سے وہی محبت و الفت پیدا کریں اور آپ کا اسی طرح احترام کریں جس طرح قرآن و حدیث نے بتایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بلاشبہ صرف اور صرف یہی حکم ملتا ہے کہ اس دن کو نہایت اہم سمجھنا اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے گزارنا چاہیے۔ اس دن نئے کپڑے پہننا۔ مکانات کو سجانا، چراغاں کرنا، محافل میلاد منعقد کرنا تبرک و تحائف تقسیم کرنا۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دینا۔ جلوس نکالنا اور وہ تمام کام جن سے محبت و الفت کا ثبوت فراہم ہو نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب و برکت ہیں لہذا میں مسلمانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ان اعمال کو اختیار کریں۔ اللہ ہمارے نیکیوں کو قبول فرمائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت کی عظیم نعمت عطا فرمائے۔ آمین!



## رسول کی محبت

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَمْوَالٌ كَسَبْتُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥

(پ - التوبہ آیت نمبر ۲۴)

قرآن کریم کے دسویں پارہ سورہ توبہ کی یہ چوبیسویں آیت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول سے کیسی محبت ہونا چاہیے آیت کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصہ آیت | اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو یہ بتادیں کہ اگر انہیں ماں باپ، اولاد، بھائی، بیویاں، رشتہ دار، جمع کی ہوئی دولت، حفاظت سے رکھا ہوا مال، تجارت اور پسندیدہ مکان اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسند میں تو انہیں اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایسے لوگ تو ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مسکینوں کو کامیاب و کامران نہیں کرتا۔

مقبوضہ رشتہ | اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھ لینے کے بعد مسلمان کا رشتہ خدا سے اتنا مقبوض ہو جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کے لئے وہ ہر چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور اسلام کی حفاظت



و تبلیغ کے لئے ہر چیز قربان کر دینے کو تیار رہتا ہے۔ یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت یا لالچ اس کو خدا اور رسول سے جدا نہیں کر سکتا۔

اسلام نے ماں باپ کا ادب و احترام اور ان کی خدمت و اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اگر ماں باپ گمراہ ہو جائیں اور اولاد کو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت سے روکنا چاہیں تو مسلمان کا کمال یہ ہے کہ ماں باپ کو پھوڑ دے لیکن اللہ اور اس کے رسول کو نہ چھوڑے۔

اولاد سے محبت کرنا جائز اور اپنی قوت کے مطابق اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنا واجب ہے لیکن اگر اولاد نیک نہ ہو، نماز نہ پڑھے، شریعت کی پابندی نہ کرے تو مسلمان ماں باپ کا کمال یہ ہے کہ ایسی اولاد کو جس قدر سزا سخت دینا پڑے وہ سزا دیں اور اگر اس سے تعلق بھی ختم کرنا پڑے تو خدا اور اس کے رسول سے تعلق باقی رکھیں اور بری اولاد سے تعلق ختم کر دیں یعنی اولاد کی محبت کو خدا اور اس کے رسول کی محبت پر قربان کر دیا جائے۔

بھائیوں، بیوی اور تمام خاندان والوں سے رشتہ مضبوط کرنے، ان کی مدد کرنے اور ان سے ملنے جلنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ایک مسلمان بھائی یا شوہر یا رشتہ دار کا کمال یہ ہے کہ اگر اس کا بھائی یا اس کی بیوی یا اس کا رشتہ دار گمراہ ہو جائے دین کو چھوڑ دے یا شریعت کی پابندی نہ کرے۔ اور کسی نصیحت پر بھی عمل کرنے کو تیار نہ ہو تو اس کو سزا دی جائے اور اگر سزا کافی نہ ہو تو اس سے رشتہ ختم کر دیا جائے لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اطاعت میں فرق نہیں آنا چاہئے۔

مسلمان کے پاس جمع کی ہوئی دولت ہو تجارت کا مال ہو شاندار اور خوبصورت مکان ہو اور دین کے لئے اسلام کی حفاظت و تبلیغ کے لئے، غریبوں کی مدد کے لئے



مبجوں، مددسوں اور یتیم خانوں کی تعمیر کے لئے دولت کی ضرورت پیش آجائے تو مسلمان کا کمال یہ ہے کہ دل کھول کر حصہ لے۔ اور اپنی دولت ختم کر دے۔ دولت و مال کی محبت اتنی نہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر اس کو خرچ نہ کر سکے۔

جن مسلمانوں نے اپنے دل میں دنیا کی ہر چیز سے زائد ذریعہ کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا کر لی وہ تو یقیناً کامیاب و کامران ہوں گے۔ لیکن جن میں یہ کمال پیدا نہیں ہوا ان پر کسی وقت کسی صورت میں بھی خدا کا عذاب آسکتا ہے۔ اور نہ تو وہ دنیا میں کامیابی کا راستہ پاسکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں ان کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوگی۔

قرآن کریم نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ صرف خدا سے محبت اور اس کا حکم ماننا نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ درحقیقت خدا سے محبت کرنے والا وہی ہے جو خدا کے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے اور ان کی پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قل ان كنتم تحبون الله  
فاتبعوني يحببكم الله

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ  
لوگوں کو تباہ دیجئے کہ تم اگر اللہ سے  
محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ  
تم سے محبت کرے گا۔

یعنی نجات کی امید پر خدا سے محبت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی پیروی کرے جس نے آپ کو خوش کر لیا اللہ اس سے راضی اور خوش ہو جائے گا۔ اور جو حضور علیہ السلام کو خوش نہ کر سکا اسے خدا کی رضا کی امید نہیں کھنچائیے نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-

لا یومن احدکم حتی یشکون  
تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا

58541



احب الیر من ولده ووالده  
 جب تک کہ میں اسے اس کے بیٹے، باپ  
 والناس اجمعین۔ اور تمام لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

یعنی کامل مومن ہونے کے لئے نبی کریم علیہ السلام سے محبت دنیا کی ہر چیز  
 سے زائد ہونا فروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی ظاہر  
 ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا  
 کہ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں اسی وقت آپ نے فرمایا عمر  
 نہیں خدا کی قسم

حتى اكون احب اليك من  
 یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے  
 نفسك۔ زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

یعنی اے عمر جب تک تم مجھ سے اپنی جان سے زیادہ محبت نہ کرنے لگو  
 اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ  
 عنہ نے عرض کیا قسم خدا کی یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے  
 ہیں۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کر دیا کہ مسلمان کا کمال یہ ہے کہ جب  
 اسے اپنے ایمان کی خرابی یا کمزوری کا پتہ چلے تو اسے ضد نہیں کرنا چاہئے بلکہ  
 اس خرابی اور کمزوری کو دور کر کے فوراً اپنا ایمان مضبوط کر لینا چاہئے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: —

احبوا الله لما يغذوكم من نعمته و  
 اللہ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ  
 احبوني لحب الله و احبوا اهل بيتي  
 تمہیں طرح طرح کی نعمتیں دیتا  
 ہے اور مجھ سے اللہ کی محبت کی وجہ  
 لحي —

سے محبت کرو اور میرے اہل بیت سے



میری محبت کی وجہ سے محبت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام سے ہر شخص کو محبت کرنا چاہئے۔ اگر وہ اللہ پر ایمان رکھتا اور اس سے محبت کرتا ہے کیونکہ اللہ خود آپ سے محبت کرتا ہے جو شخص خدا سے محبت کا دعویٰ کرے اور نبی کریم علیہ السلام سے اس کو محبت نہ ہو وہ بالکل اس شخص کی طرح مومن نہیں جو صرف حضور علیہ السلام سے محبت کرے اور خدا کا انکار کرے یعنی مومن کامل بننے کے لئے جس طرح خدا کو ماننا ضروری ہے اسی طرح حضور علیہ السلام سے محبت پیدا کرنا بھی ضروری ہے پھر جسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہوگی وہ رسول کے گھر والوں سے، رسول کی پیروی کرنے والوں سے، صحابہ سے، رسول کی باتیں کرنے والے عالموں سے غرضیکہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس سے رسول کو محبت ہے اور ہر اس چیز کو پسند کرے گا جس کو رسول نے پسند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ آپ کے ایک اشارے پر اپنا دل، اولاد اور جان تک قربان کر دینے کو تیار رہتے تھے اور ہر اس چیز کو جان سے زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے جو حضور علیہ السلام کو پسند ہوتی تھی۔

**لوکی سے محبت**  
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک دعوت میں شریک تھا میں نے دیکھا کہ آپ شور بے میں سے لوکی کے ٹکڑے تلاش کر کے کھا رہے ہیں اسی دن سے مجھے لوکی کی اتنی پسند ہو گئی کہ میں کبھی لوکی کے بغیر کھانا نہیں کھاتا۔  
شیخ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضور علیہ السلام کو لوکی پسند تھی اور اسی وقت دوسرا شخص کہے کہ مجھے لوکی پسند نہیں تو ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔ یہ بات اگرچہ خالص لوکی کے لئے رکھی گئی ہے لیکن یہ حکم عام ہے کہ مسلمان کے ایمان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اگر اس کو کسی چیز کے متعلق پتہ چل جائے



کہ یہ حضور علیہ السلام کو پسند تھی یا کسی چیز کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہو جائے تو وہ چیز اس کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری معلوم ہونے لگے۔ لہذا ایسا مسلمان جو حضور کی پسندیدہ چیز یا ایسی چیز کو جس کی نسبت حضور کی طرف ہے پسند نہ کرے مثلاً کوئی مسلمان کہے مجھے مدینہ پسند نہیں میرا حضرت ابو بکر سے کوئی تعلق نہیں، مجھے مسواک اچھی نہیں لگتی تو ایسے مسلمان کے متعلق سوچا جائے گا کہ وہ مسلمان ہے بھی یا نہیں کیونکہ مسلمان تو کسی ایسی چیز کو، ایسی جگہ کو یا ایسے انسان کو برا نہیں کہہ سکتا کہ جس کو حضور علیہ السلام نے پسند کیا ہو یا اس کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہو گیا ہو۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر محبت کا ایسا ہی کمال پیدا کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ادا

## ثبوت محبت

دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل تھا۔ ہر مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جتنی محبت کامل ہوگی، اتنا ہی ایمان کامل ہوگا اور محبت صرف زبانی دعویٰ کا نام نہیں بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لئے چند ذریعے ہیں جب تک ان ذریعوں کو حاصل نہ کیا جائے محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔

۱۔ سب سے پہلا اور بنیادی ذریعہ اطاعت ہے کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب کا ہر حکم مانتا ہے کوئی ایسا شخص محب ہو ہی نہیں سکتا جو محبوب کے حکم کی تعمیل نہ کرے اور ہر طرح اس کی بات نہ مانے تو جس نے بھی حضور علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کیا اس کو ضرور آپ کی اطاعت بھی کرنا پڑے گی۔ یعنی صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہمیں نبی کریم صلیہ السلام سے محبت ہے یہ دعویٰ اسی وقت سچا ثابت ہو سکتا ہے جب دعویٰ کرنے والا ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچے کہ اس کام کو میرے پیارے محبوب صلی اللہ



علیہ وسلم نے کس طرح کیا تھا اور پھر اسی طرح وہ کام کرے جس طرح حضور علیہ السلام نے کیا تھا۔ عبادت، تجارت، احباب و اعزاسے تعلقات، بندوں کے حق اور ان کو ادا کرنے کا طریقہ، سونے، چلنے، بات کرنے غرضیکہ ہر چیز میں حضور نبی کریم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا نام ہی محبت ہے۔

۲. محبت کو بڑھانے کا ایک ذریعہ محبوب کو راضی کرنا بھی ہے اگر محبوب عمر یا مقام میں بڑا ہے تو اس کو راضی کرنے کا طریقہ اس کی بات ماننا یا اس کو ہڈیے اور تحفے پیش کرنا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام کے تمام امتی آپ سے چھوٹے ہیں لہذا ہر امتی آپ کی بات مان کر آپ کے طریقوں پر عمل کر کے اور آپ کے دربار میں درود و سلام کے تحفے پیش کر کے اپنے رشتہ محبت کو مضبوط کر سکتا ہے اور ہر خوشی یا غمی کے موقع پر آپ کا ذکر کر کے اور آپ کی پیدائش کے دن خوشی منا کر اس رشتہ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ تو امتیوں کی طرف سے رشتہ محبت کو زائد کرنے اور ظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔ لیکن خدائے وحدہ لا شریک نے بھی حضور علیہ السلام سے اپنی محبت کو اس طرح ظاہر کیا کہ قرآن کریم میں مختلف انداز اور پیارے طریقوں سے آپ کا ذکر فرمایا، کبھی آپ کو نبی کہہ کر پکارا، کبھی یسین یا ایہا المرسل، یا ایہا المرسل کہہ کر پکارا کہیں آپ کو نور کہا، مبشر، نذیر اور رحمۃ اللعالمین کہا بہر حال اچھے اچھے ناموں سے پکار کر اور آپ کے ادنیٰ مرتبے کو بیان کر کے خدائے بندوں پر یہ ظاہر کیا کہ جب خدا خود اپنے نبی سے اتنی محبت کرتا ہے تو بندوں کو بھی محبت کرنا چاہیے۔ پھر حضور علیہ السلام نے خود اعلان فرمایا۔

أنا حبيب الله  
میں اللہ کا محبوب ہوں

اس اعلان کا منشا یہی ہے کہ جب میں اللہ کا محبوب ہوں جو مجھے  
بھیننے اور پیدا کرنے والا ہے تو انسانوں کو بھی مجھ سے محبت کرنا چاہیے پھر اللہ



تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے اپنی محبت کو ثابت کرنے کے لئے اعلان فرمایا۔  
 ولسوف یعطیک ربک فترضی اور لائے نبی تمہارا رب تمہیں پر وہ  
 چیز دے گا جس سے تم راضی ہو جاؤ گے  
 اس اعلان کا بھی منشا یہ ہے کہ خدا جو حضور علیہ السلام کا حقیقت میں  
 مالک و معبود ہے لیکن محبت کا حق ادا کرنے کے لئے اس نے حضور سے وعدہ دیا  
 لیا کہ اے محبوب مجھے تم سے محبت ہے لہذا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ہر طرت راضی  
 کروں گا، یہاں تک کہ تم جو بھی مانگو گے تمہیں دوں گا۔ تو جب خدا نے محبت کا  
 حق ادا کیا تو بندوں کو، اُمّتیوں کو بھی محبت کا حق ادا کرنا چاہئے۔ اور حضرت  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے ان کا ذکر کر کے ان کے دین کو پھیلانے، ان کے نام  
 پر اپنی دولت خرچ کر کے اور ان کی پیدائش کی خوشی منانے کو راضی کرنا چاہئے  
 جس نے انہیں راضی کر لیا۔ اس نے واقعی محبت کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ محبت کرنے  
 والا اپنے محبوب کو راضی ہی کیا کرتا ہے۔ اور پھر جس نے خدا کے محبوب کو راضی کر لیا  
 اس نے خدا کو راضی کر لیا۔

۱۔ محبت کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ  
**علامات محبت** علامتیں اور نشانیوں بھی ہوتی ہیں ان نشانیوں

میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

حبُّ الشَّیْءِ یَعْنی ویصم کسی سے محبت کرنا اندھا اور گونگا  
 کر دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو کسی سے سچی محبت ہوتی ہے تو وہ اپنی آنکھوں  
 سے اپنے محبوب کا کوئی عیب نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ اپنی زبان پر اس کے کسی عیب کا  
 ذکر لا سکتا ہے۔ سچی محبت ہوتی ہے تو وہ اپنے محبوب کو بے عیب دیکھتا ہے اور زبان



سے ہر طرح تعریف ہی کرتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق ہر مسلمان کے ایمان کا یہ تقاضا اور حضور علیہ السلام سے محبت کی یہ نشانی ہے۔ کہ وہ اپنے دہم دگمان میں بھی یہ بات نہ لائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی قسم کی کوئی خامی یا کوئی عیب ہو سکتا ہے بلکہ مسلمان کا تو یہ ایمان ہونا چاہیے کہ بے عیب خدائے اپنے محبوب کو بے عیب پیدا کیا ہے کیونکہ جب خالق کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبت حضور علیہ السلام سے ہے تو وہ اپنے محبوب کو عیب والا پیدا کرنا کس طرف پسند فرما سکتا ہے اس نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی عیب رکھا لیکن اپنے محبوب کو اپنی قدرت سے بے عیب پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا۔

خُلِقْتَ مَبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ  
یعنی اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا خدائے آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق پیدا کر دیا۔

حضور نبی کریم علیہ السلام میں نہ سیرت کے اعتبار سے کوئی عیب تھا اور نہ صورت کے اعتبار سے، آپ کی سیرت کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

اس خلق عظیم یعنی بے عیب اخلاق و عادات کی وجہ سے آپ کی سیرت طیبہ کو قیامت تک آنے والے انسانوں

## کامل سیرت

کے لئے اُسوۂ حسنہ یعنی ایسا بہترین نمونہ قرار دیا گیا کہ جو کوئی اس مقدس سیرت کے مطابق اپنی سیرت کو ڈھال لے اور وہی پیاری عادتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو اس کو بھی انسانیت کا کمال نصیب ہو جائے گا اور یہ سیرت اتنی کامل ہے کہ زندگی کے ہر حصہ کو بہتر بنانے کے لئے اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے



مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی دنیا سے بالکل علیحدہ رہ کر گزار دی یہاں تک کہ رہنے کے لئے مکان تک نہ بنایا تو اب جو دنیا کو چھوڑنا چاہے اس کے لئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی نمونہ ہو سکتی ہے لیکن ایک تاجر، قاضی یا بادشاہ ان کی زندگی سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی سلطنت اور حکومت میں گزری تو ایک بادشاہ تو ان کی زندگی کو اپنے لئے مثال بنا سکتا ہے۔ لیکن کوئی غریب و فقیر ان کی زندگی کو اپنے لئے کیسے نمونہ بنا سکتا ہے۔ یہ صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کمال ہے کہ حاکم، محکوم، بادشاہ رعایا، غریب، امیر ہر قسم کا آدمی آپ کی زندگی کے حالات سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے بہر حال نبی کریم علیہ السلام کی سیرت مبارکہ ہر عیب سے پاک اور ہر قسم کے انسان کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

اور آپ کی صورت یعنی ظاہری جسم پر غور کیا جائے

## حسین صورت

تو وہ نہ صرف بے عیب ہے بلکہ اس کا حسن و جمال

تمام کائنات کے حسن و جمال کا ذریعہ ہے اسی لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضور علیہ السلام کو معجزات اور نبوت کے دوسرے بی شمار دلائل نہ بھی دینے جاتے اور آپ پر وحی الہی کا اثر ظاہر نہ ہوتا تو آپ کا چہرہ مبارک ہی آپ کی نبوت کے ثبوت کے لئے کافی تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور عالیہ اسلام مدینہ شریف لائے تو لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے جا رہے تھے جب میں پہنچا تو میں نے آپ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین کر لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے حضور علیہ السلام سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہ دیکھا ایسا معلوم ہونا تھا کہ صورت آپ کے چہرہ میں



چل رہا ہے۔

حضرت براہ ابن عازب رضی اللہ عنہ نے سیرت و صورت کے کمال کو اس

طرح بیان فرمایا کہ

كان رسول الله أحسن الناس حضور عليه السلام صورت و سیرت

وجهاً واحسنهم خلقاً دونوں کے اعتبار سے سب سے زائد

حسین و جمیل تھے۔

بہر حال کوئی مسلمان حضور نبی کریم علیہ السلام میں نہ صرف محبت کی وجہ

سے بلکہ حقیقت سے بھی مجبور ہو کر کوئی عیب نہیں نکال سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا

ہے تو وہ صرف دعویٰ محبت ہی میں جھوٹا نہیں بلکہ اس کا یہ عمل تو کافروں سے

بھی بدتر ہے کہ کافر اگرچہ نبی کریم علیہ السلام کے جانی دشمن تھے اور خون کے پیاسے

تھے لیکن آپ کی صورت یا سیرت میں نہ کوئی عیب نکالتے تھے اور نہ ہی آپ پر

کوئی الزام لگاتے تھے بلکہ آپ کی اچھی عادتوں، خوبیوں اور حسن و جمال کو مانتے تھے

۲۔ سچی محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ محبت کرنے

کرنے والا اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنے اور

تکلیف اٹھانے کے لئے تیار رہے ہر مسلمان جو نبی کریم علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ

کرتا ہے اس کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کو راضی کرنے کیلئے ہر مصیبت

کو برداشت کرے اور اپنے محبوب کا نام اونچا کرے اور ان کی باتوں کو پھیلانے خود

ان پر عمل کرے اور دوسروں کو ان پر عمل کی دعوت دے جیسا کہ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم نے کر کے دکھایا۔ صحابہ نے صرف آپ کی سچی محبت ہی کی وجہ سے اہل د

عیال اور دین کو چھوڑا اور مکے سے مدینے ہجرت کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے

اسی محبت کی وجہ سے سنت ایں کھائیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صرف



اسی محبت کی وجہ سے اپنی تمام دولت قربان کر دی اس محبت کی وجہ سے ہی صحابہ نے غزوات میں اپنی گردنیں کٹوائیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد ہمارے تمام بزرگوں نے محبت کی یہ رسم ادا کی۔ خدا ہمیں بھی اس رسم کو ادا کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

۳۔ محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت کو اس جملے میں بھی بیان کیا گیا ہے "مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا كَثُرَتْ ذِكْرُهُ" جس نے کسی چیز سے محبت کی اس نے اس کا ذکر زائد کیا۔ یعنی محبوب کا ذکر اور چہرچا محبت کرنے والوں کی زبان پر ہر وقت رہتا ہے۔ ہر سچا محب یہی چاہتا ہے کہ اس کی زبان پر اس کے محبوب کا نام ہو اور اس کے کان محبوب کی خوبیاں اور کمالات سنتے رہیں! اسی لئے نبی کریم علیہ السلام کا محبوب حقیقی خدائے وحدہ لا شریک بھی آپ کا ذکر سنا اور ذکر کرنا پسند فرماتا ہے اور اس نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کی زبان پر اس کے محبوب کا ذکر رہے بلکہ کوئی اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ خدا کے نام کے ساتھ رسول کا نام نہ لے یعنی

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ .

نہ کہے اسی لئے قرآن کریم میں اذان میں، نماز میں، ذکر محبوب بھی موجود ہے اور یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ محبوب خدا کے ذکر کو کوئی مٹا نہیں سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ  
اے پیارے ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا  
اللہ نے اپنے محبوب کا چہرچا اور ذکر اتنا بلند کیا کہ سب سے دنیا تک ہر گوشے سے وہ اپنے محبوب کا ذکر سنتا ہے اور قیامت میں ہر سچی چیز سے گواہی دے گی اور وہ اپنے محبوب کا ذکر سننا پسند فرماتا ہے اسی طرح خود بھی ان کا ذکر فرماتا ہے



قرآن کریم میں ہے:-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر

درود بھیجتے ہیں۔

یعنی اللہ خود بھی اپنے پیارے نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی محبوب کا ذکر کرتے رہتے ہیں تو خدا یہی چاہتا بھی ہے کہ جو کوئی اس کے محبوب سے محبت کا دعویٰ کرے اس کی محبت کی علامت یہ ہے کہ جب بھی اس کے کانوں میں محبوب کی آواز آئے وہ خوش ہو جائے۔ جب محبوب علیہ السلام کا نام لے زبان سے صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور تعظیم و محبت ظاہر کرنے کے لئے ہاتھ کے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے جب کوئی پریشانی یا غم ہو تو محبوب کا ذکر محفل میلاد کر کے سکون حاصل کرے اور جب کوئی خوش نصیب ہو تو بھی اس ہی کا چرچا کر کے شکر ادا کرے۔ محبوب کا ذکر کرنے والوں کی عزت اور ان کا احترام کرے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام کے صحابہ نے محبت کی

اس علامت کو بھی پورے کمال کے ساتھ اپنے

## ذکر محبوب اور صحابہ

اندر پیدا کیا تھا اور ان کا یہ حال تھا کہ ہر وقت ان کی زبانوں پر ذکر محبوب ہوتا تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے شکل محبوب ہوتی تھی۔ ان کے دہم دگمان میں صرف خیال محبوب ہوا کرتا تھا جب بھی چند صحابہ ایک جگہ جمع ہوا کرتے تھے وہ صرف نبی کریم علیہ السلام کا ذکر اور چرچا کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی پریشانی کے وقت آپ کے ذکر پاک سے سکون حاصل کرتے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے قصیدے لکھا کرتے تھے۔ جن میں محبوب کے کمالات اور ان کے حسن و جمال کا ذکر ہوتا تھا۔ جب وہ اپنے قصیدے صحابہ کو پڑھ کر سناتے تھے تو صحابہ ان کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے بلکہ حضور نبی کریم علیہ



السلام خود ان سے محبت فرماتے تھے۔ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا  
 ذکرو الانبیاء من العبادۃ و ذکر  
 انبیاء کا ذکر عبادت ہے اور نیکوں کا  
 الصالحین کفارة“  
 ذکر گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

جب تمام نبیوں کا ذکر عبادت ہے تو نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا ذکر بھی عبادت ہے جس کا ثواب دوسرے نبیوں کے ذکر سے بہت زیادہ ہے اور یہ  
 ذکر جتنا زیادہ کیا جائے گا اتنا ہی اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام  
 مسلمانوں کو نبی کریم علیہ السلام کا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی پوری پوری  
 برکتیں بھی عطا فرمائے

۴۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کی ہر چیز  
 کو پسند بھی کرتا ہے ہر سچا محب اپنے محبوب کے گلی کو پیچھے جھے اس کے کپڑوں سے یعنی  
 ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جس سے محبوب کی نسبت ہو جائے۔ اسی لئے اللہ  
 تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام کی جان کی قسم ارشاد فرمائی، آپ کی سیاہ زلفوں اور  
 آپ کے نورانی چہرہ کی قسم ارشاد فرمائی، مکہ معظمہ کی بھی قسم ارشاد فرمائی اور یہ  
 بھی واضح کر دیا کہ مکہ کو یہ عظمت صرف اس لئے نصیب ہوئی کہ پیارے محبوب  
 علیہ السلام اس میں پیدا ہوئے۔

صحابہ کرام نے محبت کی اس علامت کو اس طرح ظاہر کیا کہ وہ حضور علیہ  
 السلام کی ہر چیز کو مقدس اور پیاری یقین کرتے تھے اور اس کو حاصل کرنے کی  
 کوشش کرتے تھے۔ جب آپ ناخن ترشواتے تھے تو صحابہ ان کو حاصل کرنے کی کوشش  
 کرتے تھے۔ جب آپ بال کٹواتے تھے تو ایک ایک بال صحابہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے  
 اور اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے نبی کریم علیہ السلام کے دھنوکے یا دوسرے  
 ہاتھوں میں لے کر صحابہ اپنے جسم پر ملا کرتے تھے۔ آپ کے منہ کا لعاب اور ناک کی رطوبت



تک یہ سچی محبت کرنے والے اپنے چہروں پر ملا کرتے تھے ان کا یہ ایمان تھا کہ جسم کے جس حصے پر یہ برکت والی چیزیں لگ جائیں گی وہ جہنم کی آگ میں نہیں ڈالا جائے گا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی کہ ان کو حضور علیہ السلام کے کرتے میں دفن کیا جائے۔ اور حضور کے ناخن اس میں رکھ دیئے جائیں تاکہ خدا کے دربار میں یہ چیزیں اس بات کی علامت بنیں کہ معاویہ حضور علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو بھی حضور علیہ السلام سے اپنی محبت ظاہر کرنے کے لئے محبت کی یہ علامت اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ ہر مسلمان کے دل میں آپ کے تبرکات دیکھنے کا جذبہ اور مدینہ طیبہ حاضری کی تڑپ ہونا چاہئے اور ہر اس چیز سے محبت ہونا چاہئے کہ جس کا تعلق کسی بھی طرح حضور نبی کریم علیہ السلام سے ہو۔ مثلاً حضور علیہ السلام کے مزار مبارک کا نقشہ، آپ کی نعلین مبارک کا نقشہ، مسلمانوں کا وہ جھنڈا جس پر کلمہ طیبہ کے نیچے حضور کے مزار کا نقشہ بنا ہوا ہے یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن کو محبت والے اپنے گھروں میں لگائیں اور ان کا احترام کریں اس طرح ربیع الاول کی بارہ تاریخ جو حضور علیہ السلام کی پیدائش کی تاریخ ہے ہر مسلمان کے نزدیک سال کے تمام دنوں سے زائد پیاری ہونا چاہئے اور محبت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ اس کو مسلمان اپنی سب سے بڑی خوشی کا دن یعنی عید کا دن جانیں اور عید ہی کی طرح منائیں کیونکہ مسلمان کلمے حضور علیہ السلام کی پیدائش سے بڑی خوشی اور نعمت کوئی نہیں ہو سکتی لہذا مسلمانوں کو ولادت کی شب میں اپنے گھروں پر روشنی کر کے اپنی محبت ظاہر کرنا چاہئے اُس دن عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا ایک دوسرے کو اس بات کی مبارک باد دینا کہ خدا نے ہمیں حضور کا امتی بنایا۔ ان تمام کاموں سے محبت کا ثبوت ملتا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ علامت بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔



صلہ رحمت

نبی کریم علیہ السلام سے محبت کی اہمیت اور اس کے طریقوں کو سمجھنے کے بعد یہ بھی جاننا چاہئے کہ اس محبت کا صلہ کیا ہے

تو اس کے لئے قرآن کریم کی چند آیات پر غور کر لینا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

۱۔ (ترجمہ) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ملنے تو اُسے ان کا

ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل فرمایا یعنی انبیاء اور

صدیق اور شہداء اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی

ہیں۔ (پ ۵۔ النصار)

۲۔ (ترجمہ) وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے

اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا بڑا درجہ ہے

اور وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں خوشی سنااتا ہے

اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انہیں

دائمی نعمت نصیب ہے ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ بے شک

اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے (پ ۱۰۔ التوبہ)

۳۔ (ترجمہ) جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور

ہم اسے اچھی زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ضرور انہیں اس کا

بدلہ دیں گے جو ان کے سب سے بہتر کام کے لائق ہو (پ ۱۴ النحل)

۴۔ (ترجمہ) ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ہمیشہ

ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے

راضی ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ (پ ۱۰۔ الانعام)

۵۔ (ترجمہ) اور سب سے اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے

ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور ان کے لئے باغ



تیار ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں

رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے (پا۔ التوبہ)

۶ (ترجمہ) اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو

تو میرے فرماں بردار بن جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان

ہے۔ (پا۔ آل عمران)

قرآن کریم میں اسی قسم کے مضمون کی متعدد آیات اور بھی موجود ہیں۔

لیکن اگر ان آیات پر ہی غور کر لیا جائے تو یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہو

سکتی ہے کہ محبت کرنے والوں کو کتنی بڑی کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے

ان آیتوں میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی ہیں جن کا محبت کرنے والوں

میں موجود ہونا ثبوت محبت کے لئے ضروری ہے اور جو محبت کی

نشانیوں ہیں۔ گویا جس مسلمان میں یہ چیزیں موجود ہیں وہ واقعی رسول سے

محبت کے دعوے میں سچا ہے اور اس عظیم کامیابی و کامرانی کا مستحق ہے جس

کا ان آیات میں ذکر ہے۔

## خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ نجات اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور

عزت و عظمت کے حصول کے لئے صرف کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا دعویٰ ہی

کافی نہیں بلکہ اس کا ذریعہ اس رسول مکرم علیہ السلام سے محبت ہے جس کے

وسیلہ سے یہ کلمہ نصیب ہوا اور محبت رسول کا ثبوت فراہم کرنے اور اس

کا بہترین صلہ حاصل کرنے کے لئے رسول کی عطا کردہ شریعت کی پابندی کرنا



اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز کو قربان کر دینا اور رسول سے منسوب ہر چیز کو پسند کرنا اور اس کا احترام کرنا ضروری ہے اور کمالِ محبت یہ ہے کہ محبت کا مقصود صلہٴ محبت نہ رہے بلکہ وصلِ محبوب ہو جیسا کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی نے کہا کہ جب ایک موقع پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے خوش ہو کر ان سے ارشاد فرمایا "سل" کچھ مانگو تو حضرت ربیعہ نے عرض کیا :-

أَسْأَلُكَ مِرَافِقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ      اے اللہ کے رسول جنت میں آپ کا  
یا رسول اللہ      ساتھ مانگتا ہوں

انہوں نے نہ دولت مانگی اور نہ جنت بلکہ جس طرح وہ دنیا میں حضور علیہ السلام کی رفاقت کو سب سے بڑی نعمت جانتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے آخرت میں بھی اسی نعمت کی خواہش ظاہر کی کہ پس اگر ہمیں بھی رسول سے محبت کے بدلے اس دنیا میں دربار رسول مدینہ طیبہ کی حاضری اور قبرِ حشر میں زیارتِ رسول مل جائے تو بس یہی کافی ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے اگر کوئی شخص صرف دولت کمانا رہے، کھانا پیتا رہے اور اپنے اہل و عیال داعزاد اجباب میں مست رہے تو اس کے دل میں کبھی حب رسول پیدا ہی نہیں ہوتا اور اس طرح وہ دنیا و آخرت کی کامیابی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حب رسول پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان محفلوں میں شرکت کی جائے جہاں اللہ اور اس کے رسول اور نیک لوگوں کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے حضرات کے پاس کچھ دیر کے لئے حاضری دی جائے جو دین کی پابندی اور دین کی خدمت کرتے ہیں کہ اچھے لوگوں کی صحبت ہی مسلمان میں دین سے محبت کا ذریعہ ہے۔ موجودہ دور میں نوجوان نسل کی دین سے لاتعلقی اور بے راہ روی کا اصل



سبب یہی ہے کہ ان نوجوانوں کو جو بیس گھنٹے میں ایک گھنٹہ کے لئے بھی مذہبی ماحول نہیں ملتا اور نہ ہی مذہبی باتیں سننے کا کوئی موقع ہاتھ آتا ہے۔ اس کے برعکس ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ عامہ کی آوازیں اور تحریریں ان کے ارد گرد موجود رہتی ہیں جو تیزی سے انکو دور کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نوجوان کو سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص تک بمشکل یاد ہوگی۔ اسے حضور علیہ السلام، صحابہ کرام اور دیگر بزرگوں کے حالات شاید ہی کچھ معلوم ہوں اس کے برعکس اس کو بے شمار گانے، فلمی مکالمے اور فن کاروں کے حالات زندگی ازبر ہوں گے۔ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس صورتحال کا جائزہ لینا اور اپنی نسل کو بے دین ہونے سے بچانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اللہ ہر مسلمان کو حضور علیہ السلام کی محبت اور قیامت میں آپ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

آمین!





# نورانی جسم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا  
إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا

اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل  
آئی اور ہم نے تمہارے پاس روشن نور اتارا۔

(پ۔ نساء ۲۴ آیت نمبر)

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب نبی کریم علیہ السلام  
کو اخلاق اور جسمانی دونوں اعتبار سے بے عیب اور بے مثل پیدا فرمایا یعنی آپ کی  
تمام عادتیں اور جسم کا ہر حصہ عیب سے پاک تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت اور  
صورت کے اعتبار سے نہ آپ سے پہلے کسی کو آپ جیسا پیدا فرمایا اور نہ قیامت  
تک کوئی آپ جیسا ہوگا۔ جیسا کہ کمال الدین الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمَنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ      اللہ نے محمد جیسا کسی کو پیدا نہیں کیا  
أَبَدًا وَعَلِمِي أَنَّهُ لَا يَخْلُقُ -      اور مجھے یقین ہے کہ پیدا نہیں کرے گا۔

حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک قصیدہ حضور علیہ السلام

کو سناتے ہوئے اس میں عرض کیا۔

خُلِقْتَ مَبْرَأًا مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ      اے پیارے محبوب آپ کو ہر عیب سے  
كَانَتْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ      پاک پیدا کیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے



کہ آپ کو آپ ہی کی مرضی کے مطابق پیدا  
کیا گیا ہے۔

یہاں اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بے عیب جسم کے  
حصوں اور انکی برکتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو جان کر مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا  
ہے اور نبی کریم علیہ السلام سے محبت پیدا ہوتی ہے جو ایمان کے کمال کا ذریعہ  
ہے۔

**بال :-** نبی کریم علیہ السلام کے سر کے بال نہ بہت گھونگرے والے تھے  
اور نہ بہت سیدھے تھے۔ داڑھی کے بال بہت گھنے تھے سر اور داڑھی کے  
بال بہت کالے تھے عمر کے آخری حصے میں قریباً بیس بال سفید ہو گئے تھے۔  
حضرت انس ابن مالک نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے حج سے فارغ  
ہو کر اپنے بال کٹوائے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر دیئے اور فرمایا  
”أَقْسِمُ بَيْنَ النَّاسِ“ اے طلحہ ان بالوں کو لوگوں میں باٹ دو۔  
دوسری حدیث میں ہے جس کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی نے  
بیان کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بال بنواتے تھے تو صحابہ آپ کے  
چاروں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

فَمَا يُرِيدُ وَنَّ أَنْ تَقَعَ  
شَعْرَةً إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ  
اور وہ یہی چاہتے تھے کہ آپ کا ہر  
بال کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہی گرے۔

حضور علیہ السلام کا اپنے بالوں کو تقسیم کرنا اور صحابہ کا بالوں کو لینے کی  
کوشش کرنا۔ ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بال عام انسانوں جیسے  
بال نہ تھے بلکہ یہ اس لائق تھے کہ ان کی عزت و احترام کیا جائے اور ان کی برکتوں  
کو حاصل کیا جائے جس کا اندازہ حضور علیہ السلام کے اس اشارے سے بھی



ہوتا ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

سمعتُ رسولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وهو اخینُ شَعْرَةَ  
 یقولُ مَنْ اذی شَعْرَةَ مَنْ  
 شَعْرَی فالجنةُ علیہ حرامٌ۔  
 نبی کریم علیہ السلام سے میں نے سنا  
 آپ اپنا ایک بال ہاتھ میں لئے  
 ہوئے فرما رہے تھے جس نے میرے  
 بالوں میں سے ایک بال کو بھی تکلیف

دی اسپر جنت حرام ہے۔

بال کو تکلیف دینے کا مطلب یہ ہے کہ بال کی بے ادبی کی اسکو عام  
 انسانوں جیسا ایک بیکار بال سمجھا تو ایسے شخص کے لئے جنت حرام ہو گئی  
 کیونکہ اس نے بال کی بے ادبی کر کے حقیقت میں حضور علیہ السلام کی بے ادبی  
 اور توہین کی اور آپ کی توہین کرنے والا کافر ہے جس کے لئے جنت یقیناً حرام۔  
 ذرا اندازہ لگائیے کہ نبی کریم علیہ السلام کے ایک بال کی توہین کتنا بڑا جرم ہے  
 جس سے ایمان ہی رخصت ہو گیا۔ اسی لئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے  
 فرمایا۔

لا تَکونُ عندی شَعْرَةٌ  
 مِنْهُ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَ  
 مَا فِیْهَا۔  
 میرے پاس نبی کریم علیہ السلام کے  
 بالوں میں سے ایک بال کا ہونا پوری  
 دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ پیارا

ہے۔

صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے بالوں کا جو احترام کرتے تھے اور ان کو  
 جب قدر برکت والا سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت ثابت  
 بنانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس حضور  
 علیہ السلام کا ایک بال تھا۔ آپ نے فرمایا جب میں مر جاؤں تو اس بال کو



میری زبان کے نیچے رکھ دینا تاکہ اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے مجھ پر خاص فضل فرمائے۔

اسی طرح حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی کہ حضور علیہ السلام کے بال اور ناخن میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔  
نبی کریم علیہ السلام کے بالوں کی برکت اور فائدہ معلوم کرنے کے لئے اس واقعہ کو بھی غور سے سنیئے۔

حضرت عثمان ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کا ایک بال چاندی کی ایک نلکی میں رکھا ہوا تھا جب کوئی بیمار ہوتا اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو خبر ہو جاتی تھی تو وہ اس بال کو پانی میں ڈال کر ہلا دیتی تھیں اور پانی بیمار کو پلا دیتی تھیں جسکی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتا تھا۔

حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات سے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی ساری بہادری اور فتح و کامرانی کا ذریعہ حضور علیہ السلام کا مبارک بال ہی تھا جو ان کی ٹوپی میں سلا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جنگ یرموک میں آپ ایک مشہور بہادر نسطور کا مقابلہ کر رہے تھے کہ سر پر سے ٹوپی گر پڑی آپ نے جان کی پرولکے بغیر فوراً ٹوپی کو اٹھایا اور پھر مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ نسطور کو قتل کر ڈالا بعد میں آپ کے ساتھیوں نے آپ سے پوچھا کہ ایسے خطرناک موقع پر آپ کو ٹوپی کی فکر کیوں ہوئی۔ آپ نے فرمایا: اس ٹوپی میں میرے آقا حضور نبی کریم علیہ السلام کا برکت والا بال ہے جو حقیقت میں میری فتح کا ذریعہ ہے۔ میں اپنی جان سے زائد حفاظت اس مقدس بال کی کرتا ہوں۔

بہر حال ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو بھی خدانے ایسا



مقدس اور برکت والا بنا یا کہ ان سے بیماروں کو شفا اور مجاہدوں کو فتح اور کامرانی نصیب ہوتی ہے اور ان کا ادب و احترام مغفرت کا ذریعہ ہے۔ آپ کے یہ برکت والے بال اب بھی دنیا میں بہت سے لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ اور محبت والے مسلمان بڑی محبت سے ان بالوں کی زیارت کرتے اور ان کے برکت حاصل کرتے ہیں۔

**چہرہ الانور:**۔ نبی کریم علیہ السلام کا چہرہ بڑا ہی نورانی اور پیارا تھا جو کہ گول اور گوشت سے بھرا ہوا چمکدار تھا۔ اس نورانی چہرے کی تعریف عاشقوں نے کیسے کی ہے ذرا غور سے سنئے اور پیار سے محبوب علیہ السلام کی خوبصورتی کا اندازہ لگائیے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو لوگ اپنا کاروبار چھوڑ چھوڑ کر آپ کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے میں بھی آیا اور میں نے آپ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ:-

وَجَّهًا لَيْسَ بوجه الكذاب یہ چہرہ چھوٹے کا نہیں ہے (یعنی میں نے صرف چہرہ دیکھ کر آپ کے نبی ہونے کا یقین کر لیا)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم أحسن الناس وجهًا وأحسنهم خلقًا  
نبی کریم علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔

حضرت المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام سب سے زائد خوبصورت اور اچھے رنگ والے تھے۔ جس کسی نے آپ کی تعریف کی آپ کو چاند جیسا کہا۔ آپ کے چہرے پر جب پسینہ آتا تھا تو پسینہ کی بوند موتی



کی طرح معلوم ہوتی تھی۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

اِذَا سَتَرَ اسْتَنَارَ وَجْهَهُ  
 حَتَّى كَانَتْ قِطْعَةً مِنَ الْقَمَرِ۔  
 جب نبی کریم علیہ السلام خوش ہوتے  
 تھے تو آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم  
 ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ  
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ۔  
 میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 زیادہ خوبصورت کسی کو نہ دیکھا ایسا  
 معلوم ہوتا تھا کہ سورج آپ کے  
 چہرے میں چل رہا ہے (یعنی پتھر  
 بہت ہی چمکدار تھا)

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

يَلَاءُ لَوْ وَجْهَهُ تَلَاؤُ الْقَمَرِ  
 لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔  
 آپ کا چہرہ چودھویں رات کے  
 چہرے کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام  
 کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا تو آپ نے فرمایا،

لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ  
 نَهَيْتُ بَلْكَ حَضْرَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنَّ وَجْهَهُ بَارِكُ  
 سورج اور چاند کی طرح چمکدار تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِذَا هَرَّ اللَّوْنُ كَانَ عَرَقُهُ  
 حضور علیہ السلام کا رنگ سفید روشن  
 تھا چہرے پر پسینے کی بوند موتی کی طرح



اللَّوْءُ لَوْدٌ - نظر آتی تھی۔

حضرت ربیع بنت معوذ صحابیہ نے فرمایا۔

لَوْرَأَيْتَهُ سَرَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً  
اگر تم چہرے کو دیکھتے تو ایسا معلوم ہوتا  
جیسے چمکتا ہوا سورج۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن میں  
رات کو کچھ سی رہی تھی کہ ایک دم میرے ہاتھ سے سوئی گر پڑی میں نے بہت تلاش  
کی لیکن چراغ کی کم روشنی سے نظر نہ آئی۔

فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّنَتِ الْإِبْرَةَ بِشَاعٍ  
کہ اسی وقت حضور علیہ السلام تشریف  
لے آئے تو آپ کے چہرے کی چمک  
سے میں نے سوئی اٹھالی۔

یہ تمہیں محبت والے صحابہ کی باتیں جو انہوں نے اپنے پیارے محبوب  
صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تعریف میں کیں۔ واقعی سچا محب (محبت کرنے والا)  
وہی ہے جو طرح طرح لہنے محبوب کی تعریف ہی کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعریف  
تو خود اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے اور ان سے محبت و تعریف ایمان کے لئے ضروری ہے  
تو وہ لوگ سچے مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں جو نبی کریم علیہ السلام کی تعریف کرنے کے  
بجائے ان کے اندر عیب نکالنے کی کوشش کریں۔ بہر حال حضور علیہ السلام کا چہرہ  
مبارک چمکدار اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پورا حسن  
اور خوبصورتی ظاہر نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کا اتنا حسن ظاہر کیا کہ جسکو  
لوگوں کی آنکھیں دیکھ سکیں۔ اگر آپ کی پوری خوبصورتی ظاہر ہو جاتی تو آپ کے  
چہرے پر نظر ڈالنا بھی مشکل ہو جاتا۔ جیسا کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

لَمْ يُظْهَرْ لَنَا مِمَّا حَسِنَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالْوَجْهِ حَسَنًا



علیہ وسلم لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ تَمَامُ حَسَنِهِ وَجَمَالِ سَمِّهِ بِظَاهِرٍ نَهَى كَيْفَا كَيْفَا آفَ كَيْفَا كَيْفَا  
لَمَا أَطَاقَتْ أَعْيُنُنَا سُرُوبَتَهُ صَلَّى اللَّهُ خَوْلُ بَصُورَتِي ظَاهِرًا كَرَدِي جَانِي تُوهُمَارِي أَنْكَبِي  
علیہ وسلم۔ آپ کو دیکھ بھی نہ سکتی تھیں۔

آنکھیں :- ہمارے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں  
بڑی تھیں جن میں پیدائشی سرمہ لگا ہوا تھا۔ آنکھوں کی سپیدی میں ہار یک ڈوسے  
کی طرح کچھ سرخی تھی جو آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ یہ  
آنکھیں ظاہر اعتبار سے بہت خوبصورت تھیں اور قوت و طاقت کے اعتبار سے  
بھی ایسا کمال رکھتی تھیں جو آج تک کسی آنکھ کو نصیب نہیں اور نہ نصیب ہو سکتا  
ہے۔ ذرا یہ حدیثیں غور سے سنئے اور پھر نبی کریم علیہ السلام کی خوبصورت آنکھوں  
کے کمال کا اندازہ لگائیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَى مَا وَرَائِي فِي مِثْلِ مَا أُنَظَرُ فِيهِ  
کَمَا أَنْظُرُ إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ۔  
میں جیسا اپنے سامنے دیکھتا ہوں ایسا  
ہی اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ حَضُورَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاتٍ كَيْفَا كَيْفَا  
وَسَلَّمَ يَرَى فِي اللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ فِي مِثْلِ مَا أُنَظَرُ فِيهِ  
کَمَا يَرَى فِي النَّهَارِ فِي الصُّبُوحِ۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے  
میں بھی ایسا ہی دیکھا کرتے تھے جیسا  
کہ دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے  
فرمایا کہ اللہ نے میرے لئے دنیا کے سارے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ تو میں دنیا  
اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے سب کو لیے دیکھ رہا ہوں۔

كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفَى هَذِهِ۔ جیسے میں اپنے اس ہاتھ کی تھیلی کو



دیکھتا ہوں۔

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے  
کہ قیامت کے دن میری تمہاری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے اور  
لَا نَظَرَ إِلَيْهِ وَأَنَا فِي الْبَيْتِ فِيهَا حَوْضٌ كَوْثَرٌ كَوَدَيْكِهِ  
مقامی ہذا۔ رہا ہوں۔

ان تمام حدیثوں سے نبی کریم علیہ السلام کی خوبصورت آنکھوں کی قوت  
کا اندازہ ہوا کہ آپ جس طرح آگے دیکھتے تھے اسی طرح آپ کو سچے بھی نظر آتا  
تھا۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دنیا کی ہر چیز اور قیامت تک ہونے والے تمام حالات  
کو دیکھا یہاں تک کہ دنیا ہی سے بیٹھے بیٹھے حوضِ کوثر اور جنت اور دوزخ تک کو  
دیکھ لیا ان تمام باتوں سے زیادہ یہ کہ ان آنکھوں کو خدا نے وہ قوت عطا فرمائی تھی  
جس سے نبی کریم علیہ السلام نے خدا تک کو دیکھا جیسا قرآنِ کریم اور احادیث سے ثابت  
ہے اور یہ قوت والی آنکھیں اب بھی اپنی قبر مبارک سے ہمارے حال کو دیکھتی ہیں  
اور آپ جب ہمیں گناہ کرتے دیکھتے ہیں تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور جب نیک  
کام کرتے دیکھتے ہیں تو آپ خوش ہوتے ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کی آنکھوں کے  
کمال کا اندازہ لگانے کے لئے یہ واقعہ بھی سنئے۔

شہ میں جنگ موتہ ہوئی جس میں مسلمانوں کی کامیابی اور جنگ کا تمام  
حال سننے کے لئے حضرت لعلیٰ ابن منبہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت  
میں حاضر ہوئے ابھی لعلیٰ حضور علیہ السلام کو کچھ بتانا ہی چاہتے تھے کہ آپ نے فرمایا  
"لعلیٰ بیٹھو۔ جنگ کا حال تم بتاؤ گے یا میں تمہیں بتاؤں۔" حضرت لعلیٰ کو  
تجرب ہوا کہ حضور نے مدینے میں بیٹھے بیٹھے جنگ کا تمام حال کیسے دیکھا۔ لیکن  
ابن کیا یا رسول اللہ آپ ہی بتائے حضور علیہ السلام نے جنگ کا تمام حال بیان کیا



حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم خدا کی میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی ایک بات صحیح بیان کر دی۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے جنگ موتہ کا تمام حال مدینے ہی میں بیٹھ کر صحابہ کو سنایا اور جنگ میں جب کچھ مسلمان شہید ہوئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے گویا آپ اپنی آنکھوں سے ان کو شہید ہوتا دیکھ رہے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا اب میں شہید ہونے والوں کو جنت میں برابر برابر دیکھ رہا ہوں آپ کی ان تمام حدیثوں کو سن لینے کے بعد ہر مسلمان کا یہی ایمان ہونا چاہیے کہ نبی کریم علیہ السلام کی آنکھوں کو خدا نے جو طاقت کا ایک عظیم جوہر عطا فرمایا تھا وہ نہ کسی کو ملا ہے نہ ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا والوں کی آنکھوں کی قوت حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی طاقت کا ایک معمولی حصہ ملا ہے۔

کائنات :- نبی کریم علیہ السلام کے کان بھی بہت خوبصورت تھے اور ان کے سننے کی قوت بھی آنکھوں کے دیکھنے کی قوت کی طرح بے مثل تھی جس کا اندازہ لگانے کے لئے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا،

إِنِّي أَمْرًا مَّا لَا تَرَوْنَ وَاسْمَعُ  
مَّا لَا تَسْمَعُونَ۔  
جو تم نہیں دیکھتے میں دیکھتا ہوں۔  
اور تم نہیں سنتے میں سنتا ہوں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا:

يَا أَيُّهَا أَيُّوبُ أَسْمِعْ مَا أَسْمَعُ  
اے ابوایوب کیا تم سنتے ہو جو میں



اصوات اليهود في قبورهم - سنتا ہوں میں ان یہودیوں کی آواز

سنتا ہوں جنکو قبروں میں عذاب  
ہو رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا  
کہ ہم نبی کریم علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے ہم نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے اپنا  
سر اٹھایا اور کہا وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ  
یہ آپ کس کے سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا،

مَرْبِي جَعْفَرُ ابْنِ ابْنِ طَالِبٍ فِي  
ابھی جعفر ابن ابوطالب فرشتوں کی  
مَلَائِكَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ -  
جماعت کے ساتھ گزرے اور انھوں  
نے مجھے سلام کیا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا  
کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھے نہ پہنچتی ہو۔  
چلے وہ کہیں ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جب آپ دنیا سے تشریف  
لے جائیں گے تب بھی آپ درود پڑھنے والوں کی آوازیں سنیں گے تو آپ نے فرمایا،  
وَبِعَدْوِ فَاقِي إِنْ أَلَّهِ حَرَمٌ  
اور وفات کے بعد بھی (میں سنوں گا)  
عَلَى الْأَرْضِ إِنْ تَأَكَلُ أَحْبَادُ الْأَنْبِيَاءِ  
کیونکہ خدا نے زمین پر حرام کر دیا ہے  
کہ وہ نبی کا جسم کھائے۔

ان حدیثوں سے نبی کریم علیہ السلام کے کانوں کا یہ کمال ظاہر ہوا کہ  
آپ عام انسانوں کی طرح صرف قریب کی آوازیں ہی نہیں سنتے تھے بلکہ جس طرف  
آپ کی توجہ ہوتی تھی اور کوئی آواز آتی تھی تو آپ اس کو سن لیتے تھے یہاں  
تک کہ قبر کے مردوں کی آواز اور فرشتوں کی آوازیں بھی آپ سنا کرتے تھے



## دانت اور منہ

نبی کریم علیہ السلام کے ہونٹ بہت خوبصورت اور ہلکے سرخ تھے۔ دانت صاف اور چمکدار تھے۔ آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی جب آپ ہنستے تھے تو دیواریں تک چمک جاتی تھیں۔ دانت اگرچہ چمکدار اور صاف تھے تھے لیکن آپ پھر بھی انکی صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہر نماز سے پہلے مسواک ضرور کیا کرتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو بھی مسواک کرنے کا حکم دیا۔ دانتوں کی خوبصورتی اور ان کے چمکدار ہونے کا اندازہ ان حدیثوں سے لگائیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم أفواج الثنيتين إذا تكلم مرءى

كالنور يخرج من بين ثناياه

حضور علیہ السلام کے اگلے دانت کھلے ہوئے تھے۔ جب آپ بات کرتے تو آپ کے دانتوں سے نور نکلتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم

إذا ضحك يتلألأ في الجُدِّ من

کہ جب نبی کریم علیہ السلام ہنسا کرتے تھے تو دیواریں چمکنے لگتی تھیں۔

نبی کریم علیہ السلام کا منہ حقیقت میں خدا کے احکام لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ تھا اس منہ سے نکلی ہوئی ہر بات اللہ کا حکم ہی ہوتی تھی جیسا کہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

وما ينطق عن الهوى ان هو

إلا وحيٌ يوحى

نبی کریم علیہ السلام کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ وہ خدا کا حکم ہی بیان کرتے ہیں۔



خود نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جسکو حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج قسم خدا کی اس منہ سے جو کچھ نکلتا ہے مند الا حق۔ حق ہی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس مبارک منہ سے نکلی ہوئی ہر بات اثر رکھتی تھی آپ کے منہ سے نکلے ہوئے لفظوں نے انسانوں کی تقدیروں کو بدل دیا جسکو حنتی کہا وہ حنتی ہو گیا جس کے لئے جو دعا کی وہ اس کو مل گیا عمر کے مسلمان ہونے کی دعا اس منہ سے نکلی تو وہ مسلمان ہو گئے اس مقدس منہ کا نکلا ہوا ہتھوک تک برکت والا تھا جس کا اندازہ لگانے کیلئے ان حدیثوں پر غور کیجئے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام حذیبیہ میں (ایک جگہ کا نام) ایک کنوئیں کے پاس ٹھہرے اس وقت آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے سب نے اس کنوئیں کا پانی استعمال کیا یہاں تک کہ پانی بالکل ختم ہو گیا صحابہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اگر پانی کی تکلیف بیان کی۔

فاتاھا فجلس علی شہیرھا  
ثم دعا باناء فتوضاء  
ثم مضض و دعا ثم صب  
فیھا ثم قال دعوا ساعة  
فارو و انفسهم و رکابهم  
حتى ارتحلوا۔

تو آپ کنوئیں کے پاس تشریف لائے  
اور اس کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر ایک  
برتن میں پانی منگا کر وضو کیا اور اسی میں  
کلی کی اور دعا کی پھر اسکو کنوئیں میں ڈال دیا  
اور فرمایا تھوڑی دیر اس کو چھوڑ دو تھوڑی  
دیر کے بعد تمام صحابہ نے پانی خود بھی  
استعمال کیا اور اپنی سوار لیوں کو بھی پلایا۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چودہ سو صحابہ اس جگہ



تقریباً بیس دن ٹھہرے لیکن دوبارہ کنوئیں کے پانی میں کمی نہیں آئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام ایک مرتبہ قبا (ایک جگہ کا نام ہے) میں تشریف لائے یہاں ایک کنواں تھا جس سے کھیتوں کو پانی دیا جاتا تھا لیکن روزانہ کھوڑی دیر میں اس کا پانی ختم ہو جاتا تھا نبی کریم علیہ السلام نے ایک بالٹی میں پانی منگا کر اس میں کھلی کر دی اور اس پانی کو کنوئیں میں ڈلوادیا جس کے بعد کنوئیں سے برابر کھیتوں کو پانی دیا جاتا رہا لیکن وہ کبھی خشک نہیں ہوا۔

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے پاس ایک بالٹی میں ایک کنوئیں کا پانی لایا گیا آپ نے اس میں سے کچھ پانی پیا اور بالٹی میں کھلی بھی کر دی اور فرمایا یہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا جائے پانی کنوئیں میں پڑنے سے۔  
ففاخ مثل را مٹھا المسك كنوئیں کے پانی سے مشک کی کسی خوشبو آنے لگی۔

حضرت عتبہ ابن فرقد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میرے جسم پر دانے نکل آئے میں نے نبی کریم علیہ السلام کو بتایا آپ نے فرمایا جسم کھولو میں نے کپڑے اتار دیئے تو آپ نے اپنا کھوک میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا اس دن سے میری بیماری بھی ختم ہو گئی اور میرے جسم میں خوشبو آنے لگی۔ حضرت عتبہ ابن فرقد رضی اللہ عنہ کے جسم سے اس قدر خوشبو آیا کرتی تھی کہ لوگ ان سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ کو کنسی خوشبو لگاتے ہیں جو ہمیں نہیں ملتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ السلام کی دعوت کی جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس دعوت کے لئے گئے تو آپ نے تمام صحابہ سے کہا آج تمہارے بھائی جابر کے یہاں دعوت ہے۔ حضرت جابر پریشان ہو گئے کیونکہ ان کے یہاں کھانا اتنا نہ تھا کہ سب صحابہ کے لئے کافی ہوتا وہ تو صرف



حضور علیہ السلام کی دعوت کرنا چاہتے تھے حضرت جابر نے آگراپی بیوی سے کہا کہ اب کیا ہو گا حضور تو تمام صحابہ کے ساتھ آرہے ہیں بیوی نے کہا: "کیا تم نے سب صحابہ کو دعوت دی ہے یا حضور نے؟" حضرت جابر نے کہا کہ میں نے تو صرف حضور کو دعوت دی تھی لیکن آپ نے تمام صحابہ کو خبر کر دی۔ بیوی نے کہا: "پھر فکر کرنے کی ضرورت نہیں اللہ کے رسول خود اپنے مہانوں کا انتظام کر لینگے" نبی کریم علیہ السلام تمام صحابہ کو لے کر حضرت جابر کے گھر پہنچ گئے آپ نے حضرت جابر سے فرمایا: "روٹی کے لئے جو آتا ہے وہ ہمارے سامنے لاؤ اور ہانڈی بھی لاؤ حضرت جابر آتا اور ہانڈی لائے تو حضور علیہ السلام نے اس میں اپنا حقوک ڈال دیا اور کھانے میں برکت کی دعا کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم خدا کی وہ حقور اساکھانا ایک ہزار صحابہ نے کھایا اور سب کھانا اسی طرح باقی رہا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے کھایا ہی نہیں ہے۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے والد حضرت فدیك رضی اللہ عنہ کی آنکھوں

سے بالکل نظر نہیں آتا تھا نبی کریم علیہ السلام نے انکی آنکھوں میں اپنا حقوک لگا دیا۔

فابصر فرائیمة یدخل  
توانہیں نظر آنے لگا یہاں تک کہ وہ  
الخیط فی الابرة وهو ابن  
اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال  
ثمانین۔ لیا کرتے تھے۔

حضرت ملاعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میرے پیٹ میں سخت درد رہا

کرتا تھا میں نے کسی کو حضور کی خدمت میں بھیجا کہ وہ آپ سے جا کر میری تکلیف بیان کرے اور دعا کے لئے کہے جب حضور علیہ السلام کے پاس وہ آدمی پہنچا تو آپ نے مٹی کے ڈھیلے پر حقوک کرا سکو دیا اور فرمایا۔

وفیہا ثم استقاها ایاة فعل فبراء  
اس ڈھیلے کو پانی میں گھول کر پلا دو حضرت

ملاعب نے ایسا ہی کیا تو انکے پیٹ کا درد ختم ہو گیا۔



حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوہ خیبر کے دن حضرت  
 علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی حضور علیہ السلام نے ان کو بلایا۔  
 فبصق رسول اللہ صلی اللہ  
 اور آپ نے ان کی آنکھوں پر اپنا کھوک  
 علیہ وسلم فی عینہ ودعاه  
 لگایا تو حضرت علی کی آنکھیں ایسی اچھی  
 ہو گئیں جیسے لمبی کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔  
 وجع۔  
 (حالانکہ ان کی یہ بیماری پیدائشی تھی)

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میری آنکھ میں  
 ایسا تیر لگا کہ وہ پھوٹ گئی جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔  
 فبصق رسول اللہ صلی اللہ  
 تو آپ نے میری آنکھ میں اپنا کھوک  
 علیہ وسلم ودعالی فما آذانی  
 لگایا اور دعا فرمائی تو مجھے بالکل تکلیف  
 منہا شیء۔  
 نہ ہوئی اور آنکھ ٹھیک ہو گئی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوہ ذی قرد میں حضرت  
 ابوقتاہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک تیر لگا بنی کریم علیہ السلام نے ان کو بلا کر زخم  
 پر فوراً اپنا کھوک لگا دیا۔

قال فما ضرب علی ولا قاح  
 حضرت ابوقتاہ رضی اللہ عنہ نے کہا  
 کہ اسی وقت زخم کا درد بھی ختم ہو گیا اور  
 زخم اچھا ہو گیا۔

جنگ بدر میں ابو جہل نے حضرت معوذ بن عضرار رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ  
 ڈالا تو وہ اپنا ہاتھ لٹکانے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے آپ نے  
 ہاتھ کو ملایا اور اس پر کھوک دیا وہ اسی وقت ایسا ٹھیک ہو گیا جیسے کہ ٹوٹا ہی نہیں تھا۔  
 ان تمام واقعات سے بالکل واضح ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا کھوک ایسا



تریق تھا کہ ہر بیماری کو ختم کر دیتا تھا جبکہ کہا جاتا ہے کہ بیماریوں کے پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ انسان کا کھوک ہوتا ہے لیکن یہ کھوک کسی عام انسان کا نہ تھا بلکہ اللہ کے اس پیارے نبی کا تھا جس کو خدا نے ہر اعتبار سے بے مثال پیدا فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس بے مثال نبی کا امتی بنایا۔

زبان۔ ہر انسان کی زبان کا کمال یہ ہے کہ اس سے جو لفظ بھی نکلے وہ اتنا صاف ہو کہ ہر کوئی سمجھ لے اور اس سے سننے والے کا فائدہ ہو زبان سے ایسا کوئی لفظ نہیں نکلنا چاہیے جس سے کسی کو بھی تکلیف پہنچے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کو زبان بھی کمال والی ہی عطا فرمائی تھی آپ کی باتیں بڑی پیاری اور صاف ہوتی تھیں کبھی آپ کی زبان سے کوئی تکلیف دینے والا لفظ نہیں نکلا اس کے علاوہ آپ کی زبان کو یہ کمال بھی حاصل تھا کہ آپ اگرچہ عرب کے رہنے والے تھے لیکن عربی کے علاوہ ہر زبان میں بت کر لیا کرتے تھے۔ آپ سے جس زبان میں بات کی جاتی تھی اسی زبان میں آپ اسکا جواب دیتے تھے اور ہر زبان کو ایسا بولتے تھے کہ سننے والا سمجھتا تھا کہ یہ اپنی ہی زبان میں بات کر رہے ہیں علامہ شہاب الدین خنجاہی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت کچھ لوگ آئے انہوں نے اپنی بولی میں صحابہ سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں کسی صحابی نے ان کی بات کو نہ سمجھا حضور علیہ السلام وہاں بیٹھے تھے آپ نے سنا تو انہی کی بولی میں فرمایا۔ "آگے آؤ" وہ لوگ آپ کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک اپنی زبان میں ہی حضور سے باتیں کرتے رہے اور آپ بھی انہی کی بولی بولتے رہے آخر کار ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ نبی کریم علیہ السلام کی زبان کا ہی کمال تھا کہ لوگ آپ کی باتیں سن کر اسلام قبول کر لیتے اور آپ کے نبی ہونیکا یقین کر لیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری



رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے جب حضور اکرم کے نبی ہونے کا چرچا سنا تو وہ آپ کو دیکھنے کے لئے مکے گئے وہاں سے اپس مدینے آکر آپ نے بتایا کہ لوگ تو اس شخص کو جادوگر، بخومی اور شاعر کہتے ہیں لیکن میں نے اس کی باتیں سنیں اور اسکی زبان سے اندازہ لگایا کہ

والله انه لصادق وانهم  
لکاذبون۔  
خدا کی قسم وہ (نبوت کے دعویٰ میں)  
سچا ہے اور لوگ جھوٹے ہیں۔

یہ سن کر حضرت ابو ذر غفاریؓ خود مدینے سے مکے تشریف لائے اور حضور علیہ السلام کی باتیں سن کر مسلمان ہو گئے جب مدینے واپس پہنچے تو ان کے بھائی انیس اور انکی ماں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص ضناد مکے میں آیا اور اسے نبی کریم علیہ السلام سے ملنا چاہا لیکن کافروں نے اسکو کہا کہ تم اس سے مل کر کیا کر گے وہ تو ایک دیوانہ شخص ہے اس پر جنوں وغیرہ کا اثر معلوم ہوتا ہے ضناد نے کہا مجھے اس کے پاس لے چلو میں ایسے بیماروں کا علاج کر دیتا ہوں لوگ اس کو آپ کے پاس لیکر پہنچے تو نبی کریم علیہ السلام نے اس سے بات شروع کرنے سے پہلے وہ خطبہ پڑھا جو اکثر عالم و عوام سے پہلے پڑھتے ہیں وہ خطبہ سن کر حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے جادوگروں، بخومیوں اور شاعروں سب ہی کی باتیں سنی ہیں لیکن۔

فہا سمعتُ مثلَ هؤلاءِ  
الکلماتِ ولقد بلغن  
قاموس البحر فہلم یدک  
ابایک علی الاسلام  
فبا یعدہ  
میں نے ایسا کلام کسی کا نہ سنا یہ تو  
علم کا سمندر معلوم ہوتا ہے (اسی وقت  
ضناد نے حضور علیہ السلام سے کہا) اپنا  
ہاتھ لائیے کہ میں مسلمان ہو جاؤں اور  
کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔



نبی کریم علیہ السلام کی مبارک زبان کو یہ کمال حاصل تھا جو بات بھی اس زبان سے نکلتی تھی وہ پوری ہو کر رہتی تھی۔

حضرت ابراہیم ابن حارث نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذی قرد کے موقع پر پانی کے ایک چشمے کے پاس ٹھہرے۔

فقيل لہ اسمہ بیسان  
وماءٌ ؤ ملح فقال بل هو  
نعمانٌ وماءٌ ؤ طيبٌ  
قطاب۔

صحابہ نے حضور علیہ السلام کو بتایا  
کہ اس چشمے کا نام بیان ہے اور اس  
کا پانی نمکین ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ  
اسکا نام نعمان ہے اور اسکا پانی میٹھا  
ہے (جب صحابہ نے پانی پیا) تو وہ میٹھا  
تھا۔

حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حکم ابن عاص  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر طرح طرح سے منہ بگاڑا کرتا تھا۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم کن کذا لک فلم یزل  
یختلج۔

ایک دن آپ نے فرمایا ایسا ہی ہو جا  
اسکا منہ ٹیرھا ہو گیا اور ہر وقت ایسا  
ہی رہتا تھا اسی حال میں مرا۔

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص نبی کریم علیہ السلام  
کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم کل بمینک فقال  
لا استطیع قال لا استطعت  
ما منعه الا الکبر قال فما

تو حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا  
دائیں ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا میرا  
دایاں ہاتھ بیکار ہے میں اس سے نہیں  
کھا سکتا آپ نے فرمایا تو آج سے بیکار



رفعہا الی فیہ۔

ہی ہو گیا۔ اس شخص نے تو غرور کی وجہ سے

یہ بات کی تھی لیکن حضور کی زبان سے نکلی

ہوئی بات پوری ہوئی اور اسکا ہاتھ بیکار

ہو گیا کہ منہ تک نہ جانے پاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص وحی لکھتا تھا کہ بد نصیبی سے

مرتد ہو گیا۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان

تو حضور نے فرمایا بیشک اس کو زمین

الارض لا تقبلنا۔

قبول نہیں کریگی۔

جب یہ شخص مر گیا اور اسکو دفن کیا گیا تو کئی مرتبہ کوشش کر نیکی باوجود اس کی

لاش زمین کے اندر سے باہر آگئی آخر کار بغیر دفن کئے ہوئے زمین پر ہی چھوڑنا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کسی شخص نے پوچھا یا رسول کیا حج ہر

سال فرض ہے۔

قال ولو قلت نعم لوجبت

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر میں

کہدوں ہاں تو ہر سال فرض ہو جائیگا۔

ان تمام واقعات سے حضور علیہ السلام کی زبان کا اثر بھی معلوم ہوا اور یہ بھی

پتہ چلا کہ حقیقت میں شریعت زبان رسالت اب علیہ السلام سے نکلی ہوئی باتوں ہی کا

نام ہے جس کو آپ نے جائز کر دیا وہی جائز ہو گیا اور جس کو آپ نے حرام کر دیا وہ

حرام ہو گیا اس پیاری زبان کے کمال کا ایک واقعہ اور سن لیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک سفر میں ہم نبی کریم علیہ السلام

کیساتھ تھے چلتے ہوئے آپ نے اپنے نواسوں حسن و حسین کے رونے کی آواز سنی

پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ دونوں کیوں روتے ہیں آپ نے



عرض کیا دونوں پیاسے ہیں لیکن پانی نہیں آپ نے صحابہ سے پوچھا کسی کے پاس پانی ہے۔ سب نے جواب دیا پانی بالکل ختم ہو گیا۔ نبی کریم علیہ السلام نے پہلے ٹھوڑی دیر اپنی زبان حسن کو چوسائی اور پھر حسین کو چوسائی زبان مبارک سے ایسا رس نکلا کہ دونوں بچوں کی پیاس بچھ گئی اور خاموش ہو گئے۔

یہ تھا نبی کریم علیہ السلام کی زبان مبارک کا حال۔ سچ ہے خدا نے جو زبان اپنے پیارے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی وہ نہ کسی کو ملی اور نہ ملے گی۔

گردن، کاندھے | نبی کریم علیہ السلام کے جسم مبارک کے یہ حصے بھی نہایت خوبصورت

تھے گردن کے متعلق فرمایا گیا کَانَ عُنُقًا اِبْرِيقُ فِضْتَةٍ، آپ کی گردن اتنی اونچی اور چمکدار تھی کہ چاندی کی صراحی معلوم ہوتی تھی، کاندھوں کے متعلق فرمایا گیا۔  
اِنَّهُ كَانَ اِذَا جَلَسَ يَكُونُ كَتْفِهِ اَعْلٰی مِنْ جَمِیْعِ الْمَجَالِسِ۔

کہ جب آپ لوگوں میں بیٹھے ہوئے ہوتے تو آپ کا کاندھا سب سے اونچا ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے کاندھے جب ننگے ہو جاتے تھے۔ فَكَانَ مَسْبِيكَةً فَضْلَةً تو ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے چاندی کے ڈھلے ہوئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فتح کے دن نبی کریم علیہ السلام نے مجھے اپنے کاندھوں پر چڑھا کر کعبہ میں رکھے ہوئے بت نکالنے کا حکم دیا جب میں آپ کے کاندھوں پر چڑھا تو میری یہ حالت ہو گئی کہ ایسا معلوم ہونے لگا۔  
اِنِّی لَوَسْتُتُ بِنَلَّتْ اَفْقَ السَّمَاۗءِ کہ اگر میں چاہتا تو آپ مجھے آسمان تک پہنچا سکتے تھے۔



پیٹھ | نبی کریم علیہ السلام کی پیٹھ کے متعلق حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا  
 کہ ایک دن رات کے وقت حضور علیہ السلام کی پیٹھ پر میری نظر پڑی آپ کی  
 پیٹھ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس پر نبوت کی مہر بنی ہوئی تھی جس کا پتہ ان حدیثوں  
 سے چلتا ہے۔

حضرت وہب ابن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی  
 کے دائیں ہاتھ پر نبوت کی مہر ہوتی تھی۔

الا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فان  
 شامة النبوت كانت بین کتفیه۔  
 مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 دونوں کانڈھوں کے پیچ میں نبوت  
 کی مہر تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

کان خاتم النبوة علی ظہر النبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم مثل البندقة من لحم مکتوب  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر  
 نبوت کی مہر گوشت کے ٹکرے کی طرح  
 تھی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔  
 فیہا باللحم محمد رسول اللہ۔

حضور علیہ السلام کی پیٹھ پر نبوت کی مہر کو حضرت محرش کعبی وہب ابن منبہ  
 اور عبداللہ ابن عمر کے علاوہ حضرت سلمان فارسی حضرت جابر ابن سمرہ حضرت  
 سائبین ابن یزید حضرت عباد ابن عمرو کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام رضوان  
 اللہ علیہم نے دیکھا تھا۔

ہاتھ | نبی کریم علیہ السلام کے ہاتھ اور بازو گوشت  
 سے بھرے ہوئے تھے۔ بغلیں بہت صاف  
 اور خوشبودار تھیں جن کا رنگ سفید تھا بغلوں میں بال  
 بالکل نہیں تھے ہاتھ نرم اور اتنے خوشبودار تھے کہ آپ جس سے ہاتھ ملاتے تھے



اس کے ہاتھوں میں بھی خوشبو آجاتی تھی اس سلسلے میں کچھ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
اذا سجد یرى بیاض ابیطیہ  
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب  
سجدہ کرتے تھے تو آپ کی بغلوں کی  
سفیدی نظر آیا کرتی تھی۔

حضرت نبی حریش رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام

نے مجھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

فسال علی من عرق ابیطیہ مثل  
ریح المسک۔  
تو مجھ پر آپ کی بغلوں کا پسینہ لگا جس  
کی خوشبو مشک سے زائد تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مَا مَسَّتْ دِيَابَجَةً وَلَا حَرِيرًا أَلَيْنَ  
مَنْ كَفَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَا شَمَّتْ مَسْكَ وَلَا عَنَبْرَةَ أَطِيبَ  
مَنْ رَأَتْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لشم و  
دبیاج سے بھی زائد نرم تھے اور آپ  
کی خوشبو مشک وغیر کی خوشبو سے  
زائد تھی۔

حضرت حمیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام نماز

سے فارغ ہوئے تو لوگ محبت سے آپ کے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ملنے لگے۔

فَاخَذَتْ بِيَدِهِ فَوَضَعَتْهَا عَلَى  
وَجْهِهِ فَاذَا هِيَ أَبْرَدُ مِنَ الشَّلَجِ  
وَاطِيبٌ رَائِحَةٌ مِنَ الْمَسْكِ۔  
تو میں نے بھی حضور علیہ السلام کا ہاتھ  
پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا تو آپ کا ہاتھ  
برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے  
زیادہ خوشبودار تھا۔

بہر حال ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی ظاہری حالت تو



یہ تھی کہ وہ بالکل نرم، ٹھنڈے اور خوشبو دار تھے اب ان مقدس ہاتھوں کو جو خاص قوت و طاقت اور کمال عطا فرمایا تھا اس کو بھی سینے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ  
 اوتیت بمفائیم خزائن الارض زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں  
 فوضعت فی یدی۔ میرے ہاتھوں میں دیدی گئیں۔

یعنی اس دنیا کے تمام خزانے نبی کریم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں میں ہیں جس کو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں یہ ہاتھ اتنے سخی ہیں کہ اس دربار سے کوئی بھکاری خالی نہیں جاتا اب ان ہاتھوں کی قوت کا بھی اندازہ لگائیے۔  
 حضرت جبیل ابن زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا میری گھوڑی جس پر میں سوار تھا بہت کمزور تھی اسلئے بہت آہستہ چل رہی تھی اور میں بہت پیچھے رہ گیا تھا حضور علیہ السلام نے جب مجھے بہت پیچھے دیکھا تو آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری گھوڑی بہت کمزور ہے آہستہ چلتی ہے آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اس کو آپ نے گھوڑی پر مارا اور دعا کی۔

حضرت جبیل فرماتے ہیں اس وقت سے میری گھوڑی اتنی تیز ہو گئی کہ میں اس کی لگام نہیں بھام سکتا تھا اور سب سے آگے رہتا تھا اور اسکے اتنے بچے پیدا ہوئے کہ مجھے انکی قیمت بارہ ہزار ملی۔ (یعنی گھوڑی کی کمزوری بھی ختم ہو گئی اور

فلقد رأیتنی ما املك رأسها  
 ان تقدم الناس ولقد بعث  
 من بطنها باثني عشر النأ۔



اسکی اولاد میں بھی برکت ہوئی۔

حضرت (ایک جگہ کا نام ہے) کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے جن میں اشعث ابن قیس بھی تھا یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے دل میں ایک بات چھپا رکھی ہے بتائیے وہ کیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا دل کی بات بتا دینا تو کوئی کمال نہیں وہ تو بخوجی بھی بتا دیتے ہیں تو وہ لوگ کہنے لگے کہ پھر ہم آپ کو کیسے پہچانیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ نے زمین پر سے کچھ کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا دیکھو میری نبوت کی یہ بھی گواہی دیتے ہیں۔

فسبح المحضی فی یدہ قالوا نشہد  
کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں اللہ کی  
پاکی بیان کرنا شروع کر دی جس کو دیکھ

کر ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم گواہی دیتے  
ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت ابو العلاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک مرتبہ حضرت قتادہ ابن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر دیا۔

فکان لوجہہ بریقٌ حتیٰ کان  
جس سے ان کے چہرے میں چمک پیدا  
یُنظر فی وجہہا کما یُنظر فی  
ہو گئی یہاں تک کہ ان کے چہرے میں ہر  
چیز ایسی نظر آتی تھی جیسے شیشے میں۔  
فی المرآة۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بنی کریم علیہ السلام نے یمن کا گورنر بنا

کر وہاں جانے کا حکم دیا تو میں نے عرض کیا یا رسول مجھے تو بالکل تجربہ نہیں میں مقدموں  
کا فیصلہ کیسے کروں گا تو آپ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا اور دعا کی۔

اللہم اهد قلبہ وثبت لسانہ  
اللہ اس کے دل کو سیدھا رکھا اور اس  
قال فوالذی فلق الحبۃ فما شکلت  
کی زبان کو حق پر قائم رکھ حضرت علی



فی قضاء بین الاثنین۔

نے فرمایا قسم خدا کی اس کے بعد مجھے

کبھی فیصلہ کرنے میں ذرہ برابر بھی

غلطی کا شبہ نہیں ہوا۔

حضرت ابو زید عمرو بن اقطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے میرے سر اور داڑھی پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔

اللہم جملہ قال فبلغ بضعا و

اے اللہ اس کو خوبصورت بنا حضرت

مائة سنة و ما فی لحیتہ بیاض

ابو زید کی عمر سو سال سے زائد ہو گئی

ولقد کان منبسط الوجه و لم

لیکن انکی داڑھی کا کوئی بال سفید نہیں

ینقبض و جہتہ حتی مات۔

ہوا اور مرتے وقت تک ان کا چہرہ

صاف اور روشن جو انوں جیسا تھا۔

حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن کریم یاد کرنا چاہتا ہوں لیکن

مجھے یاد نہیں ہوتا آپ نے فرمایا تمہارے ساتھ ایک شیطان ہے جس کو "خنزب"

کہتے ہیں ذرا میرے قریب آؤ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے

پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے کانڈھوں تک پہنچی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

أخرج یا شیطان من صدر عثمان

اے شیطان عثمان کے سینے سے

فما سمعت بعد ذالک شیئا الا

نکل جا۔ اس کے بعد جو چیز بھی سنتا

حفظتہ۔

ہوں مجھے یاد ہو جاتی ہے۔

حضرت ہلب بن یزید حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

وہ گنجے تھے۔

فمسح النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تو



رَأْسَهُ فَنَبَتَتْ شَعْرَهُ فَسَمِيَتْ  
انکے سر پر بال نکل آئے اسی وجہ سے  
المَهْلَبُ۔ انکا نام ہلب رکھا گیا۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک دن نبی کریم  
علیہ السلام کے سامنے بیان کیا کہ آپ بچے تھے تو ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ  
چاند سے کھیل رہے ہیں وَتَشِيرُ إِلَيْهِ بِأَصْبَعِهِ فَمِثْ أَشْرَتَ إِلَيْهِ مَالٌ۔  
تو جس طرف آپ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے چاند اسی طرف جھک  
جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے  
فرمایا کہ میں نے نماز کی حالت میں جنت کو دیکھا اور اس کے کچھ پھولوں کو ہاتھ میں  
لے لیا۔

وَلَوْ أَخَذْتُمْ لَا كَلِمَةَ مِنْهَا مَا  
اور اگر میں اس کو توڑ لیتا تو تم قیامت  
بقبب الدنيا۔ تک اس کو کھاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں پانی ختم ہو  
گیا تو آپ نے ایک برتن میں بچا ہوا اٹھوڑا سا پانی لیا اور اس برتن میں اپنا ہاتھ  
رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہنے لگا۔

فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَبِيلَ لَانِسٍ كَمَا  
اور سب لوگوں نے وضو کیا حضرت  
كُنْتُمْ قَالَ ثَلَاثًا۔ انس سے پوچھا کیا کتنے لوگ تھے  
آپ نے فرمایا تین سو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیبیہ میں پانی ختم ہو گیا صرف  
ایک چھوٹے سے برتن میں حضور علیہ السلام کے پاس تھا لوگوں کو وضو کرنے اور  
پینے کیلئے پانی کی سخت تکلیف ہوئی جب حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ نے



اس برتن میں جو آپ کے پاس تھا اپنا ہاتھ رکھ دیا اسی وقت آپ کی انگلیوں سے پانی بہنے لگا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

فشرنبا وتوضأنا قیل لجابر  
 تو ہم سب نے پیا اور وضو کیا حضرت  
 کم کنتم قال لوکن مائۃ  
 جابر سے پوچھا گیا کہ تم کتنے لوگ تھے  
 الف تکفانا کنا خمس عشرة  
 آپ نے فرمایا اگر ایک ہزار بھی ہوتے تو پانی  
 مائۃ۔  
 سب کو کافی ہوتا ویسے اس وقت ہم  
 پندرہ سو تھے۔

حضرت ابی بن جہل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر داد تھا جو سخت بیماری ہے جس سے ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا تو ایک دن حضور علیہ السلام نے ان کو بلا کر انکے چہرے پر ہاتھ پھیر دیا۔

فلم یمس من ذالک الیوم و  
 تو شام ہونے سے پہلے ان کے چہرے پر  
 منها اثر۔  
 اس بیماری کا نشان باقی نہ رہا۔

حضرت فضالہ ان عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کعبہ میں حضور علیہ السلام طواف کر رہے تھے میں اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا میں نے سوچا یہ موقع ان پر حملہ کرنے کا اچھا ہے میں حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ میرے قریب آئے اور پوچھا اے فضالہ تم دل میں کیا خیال کر رہے ہو میں نے کہا کچھ نہیں میں بھی اللہ کا ذکر کر رہا تھا یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا اے فضالہ اللہ سے توبہ کرو اور پھر اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی برکت سے میرے دل کے تمام برے خیالات نکل گئے۔

واللہ ما رفع یدہ عن صدری  
 اور قسم خدا کی حضور کا ہاتھ ہٹنے سے  
 حتی ما من خلق اللہ شیئ  
 پہلے میرے دل کی یہ حالت



احب الیٰ منہ۔  
ہو گئی کہ دنیا کی ہر چیز سے زائد مجھے  
حضور علیہ السلام سے محبت ہو گئی۔

حضرت قیس ابن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام  
حضرت ابو بکر کیساتھ ہجرت فرما کر مکے سے مدینہ جا رہے تھے راستے میں ایک جگہ  
ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا آپ نے اس سے دودھ مانگا چرواہے نے کہا میرے  
پاس دودھ نہیں ہے کیونکہ میری کوئی بکری اس وقت دودھ نہیں دیتی آپ  
نے فرمایا ایک بکری ہیں دیدو خود دودھ دوہ لینگے چرواہے نے ایک چھوٹی، دبلی  
سی بکری اس وقت کھڑی کر دی آپ نے اس کے ہتھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا، دعا کی  
اور دودھ دوہنا شروع کر دیا اور پہلے آپ نے حضرت ابو بکر کو دودھ پلایا پھر  
چرواہے کو پلایا اور پھر خود پیا۔ چرواہا یہ معاملہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور کہنے لگا  
آپ کون ہیں خدا کی قسم میں نے آپ جیسے کمال والا آدمی کسی کو نہیں دیکھا آپ  
نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں۔

قال فاشهد انک نبی اللہ و  
ان ما جئت بہ حق وانہ  
لا یفعل ما فعلت الانبی۔  
چرواہا بولا میں گواہی دیتا ہوں کہ  
آپ اللہ کے نبی ہیں اور جو کچھ آپ نے  
کراتے ہیں حق ہے کیونکہ آپ نے اس  
وقت جو کیا وہ کام نبی کے سوا کوئی  
نہیں کر سکتا۔

نبی کریم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں کی برکت اور قوت کو ظاہر کرنے  
کے لئے ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں ان تمام واقعات سے یہ بات ثابت  
ہے کہ اللہ نے آپ کو ایسے ہاتھ دیئے تھے جنکی برکت سے چہرے چمکدار ہو جاتے  
تھے اور دل ایمان کے نور روشن ہو جاتے تھے ان ہاتھوں سے پانی کے چشمے



جاری ہوئے بیماروں کو شفا نصیب ہوئی کمزوروں کو قوت ملی حقیقت میں حضور  
 علیہ السلام کے مبارک ہاتھ خدا کی قوت کا نمونہ تھے اسی لئے تو ان لوگوں کے  
 لئے جنہوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی فرمایا گیا۔ ید اللہ فوق اید یہم،  
 — کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اور جن کفریوں کو حضور علیہ السلام  
 نے پھینکا اور کافراں سے اندھے ہو گئے ان کفریوں کے لئے فرمایا گیا ”وَمَا  
 رَمیتَ اذ رمیتَ و لکن اللہ رمی“ — اور جب اے بنی  
 تم نے کفریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں لیکن اللہ نے پھینکیں تھیں۔ ان ہاتھوں کی برکتیں  
 جن لوگوں کو نصیب ہوئیں واقعی وہ بڑے قسمت والے تھے لیکن ہم گنہگار مسلمان  
 بھی حضور علیہ السلام سے محبت پیدا کر کے اور انکی سنت پر عمل کر کے ان برکتوں سے  
 حصہ لے سکتے ہیں۔

سینہ اور دل | نبی کریم علیہ السلام کا سینہ اور  
 پیٹ برابر تھا سینہ ابھرا ہوا اور چوڑا تھا۔

جس کے بیچ میں بالوں کی ایک باریک لائن تھی جو ناف تک تھی سینے کے اوپر  
 دونوں طرف بال نہ تھے کہا جاتا ہے کہ بڑے سینے والا بڑے دل والا ہوتا ہے  
 اور اسی لئے ایسا شخص بہت علم اور ہمت والا ہوتا ہے لیکن خدا نے اپنے پیارے  
 محبوب کے خوبصورت سینے میں جو دل رکھا تھا اس کے علم و حکمت اور ہمت کو  
 خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا فرمایا۔

المنشرح لك صدرک اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ

منہیں کھول دیا تھا۔ ”منشرح

صدر یعنی سینے کو کھول دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سینہ علم کا خزانہ ہو گیا۔



حضور علیہ السلام کے مبارک سینہ کی اس خوبی کا یہ اثر تھا کہ تمام دنیا آپ کے نزدیک معمولی چیز تھی اور آپ کی ہمت اتنی بلند اور اونچی تھی کہ کسی سہارے کا خیال کئے بغیر اپنی نبوت کا اعلان کیا اور ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی کے باوجود اپنا کام کرتے رہے بہر حال شرح صدر بنی کریم علیہ السلام کے سینے کی خوبی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو ہر قسم کے علم کے لئے کھول دیا تھا اور یہ مبارک سینہ علم کا خزانہ تھا اس بات کا اندازہ ان حدیثوں سے ہوتا ہے۔

حضرت عبدالرحمن ابن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں کانڈھوں کے درمیان رکھا جسکی ٹھنڈ مجھے اپنی دونوں چھاتیوں میں معلوم ہوئی۔  
 فعلمت ما فی السموات وما فی الارض۔  
 تو مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دنیا کی پیدائش سے لیکر جنتوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی خبریں دیں (یعنی پچھلے زمانے کا حال بھی بتایا اور قیامت تک ہونیوالی سب باتیں بیان کر دیں لیکن حفظ ذالک من حفظہم ونسیانہ من نسیئہ۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ اسی قسم کی حدیثیں حضرت عمر و ابن اخطب، حضرت خذیفہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے بھی بیان کیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
 فواللہ لا تسئلوا فی عن شیئ خدا کی قسم تم مجھے جس چیز کے متعلق بھی



آلَا خَبِرْتُمْ بِه مَادِمْتُ      سوال کرو گے میں تمہیں یہاں کھڑے کھڑے  
فی مقامی هذا۔      ہی بتادوں گا۔

قرآن کریم کی آیات اور حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کا شرح صدر اس طرح فرمایا کہ آپ کو پھپھی اور  
انگلی باتوں اور تمام چھپی ہوئی چیزوں کا علم عطا فرمایا یہاں تک کہ نبی کریم علیہ السلام سے  
کوئی چیز چھپی نہ رہی اسی لئے مسلمان یہ یقین کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
”عالم الغیب“ تھے یعنی ان کو ان تمام باتوں کا پتہ تھا جو کسی انسان کو معلوم نہیں  
مسلمانوں کے اس عقیدے کو بزرگوں کے لفظوں میں عذور سے سنئے۔

امام شرف بصری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں لکھتے ہیں۔

فَانَّ مِنْ جَوْدِكَ الدُّنْيَا وَصَرَّرَ      یا رسول اللہ بیشک دنیا اور آخرت (کی  
نَهَا وَمِنْ عِلْمِكَ عِلْمَ اللُّوْحِ      کامیابی) آپ کی بخشش سے ہی ہے اور  
وَ الْقَلَمِ۔      آپ کے (وسیع) علموں کا ایک حصہ لوح  
وقلم کا علم ہے۔

یعنی وہ تختی اور وہ قلم جس پر خدا کے یہاں انسانوں کے قسمت کے فیصلے  
لکھے ہوئے ہیں اور کوئی انسان انکو نہیں جان سکتا اور پڑھ سکتا لیکن اللہ کے فضل  
سے نبی کریم علیہ السلام کو اسکا بھی علم تھا۔

علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات احمدیہ میں فرمایا کہ حضور  
علیہ السلام کا علم تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے علم سے زائد ہے کیونکہ اللہ  
تعالیٰ نے آپ کو تمام جہان کا علم عطا فرمایا۔

فَعَلِمَ عِلْمَ الْاُولٰئِنِ وَالْاٰخِرِيْنَ      اور اگلے پھیلوں کی باتیں اور جو کچھ ہو  
وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔      چکا ہے یا ہونی والا ہے سب کچھ



سکھا دیا۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وقد آتت الأخبار والتفقت  
معانيها على اطلاع صلى  
الله عليه وسلم على الغيب۔  
بیشک متواتر حدیثوں اور ان کے معنی  
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم غیب کی (چھپی ہوئی) باتیں  
جانتے تھے۔

علامہ صاوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کہ جس بات پر ایمان لانا ضروری ہے  
وہ یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم علیہ السلام کو دنیا سے جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام  
چھپی ہوئی باتیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت میں ہونیوالی ہیں۔"

حضرت مجد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فارسی کی کتاب مکتوبات شریف

میں فرمایا۔

ہر علم غیب کہ مخصوص باوست  
سبحانہ خاص رسل را اطلاع  
جو چھپی ہوئی باتیں اللہ کے لئے خاص  
ہیں اللہ وہ اپنے خاص رسولوں کو  
بتا دیتا ہے۔

بہر حال نبی کریم علیہ السلام کا سینہ اتنے عظیم علم کا خزانہ تھا کہ دنیا  
کے تمام علم اس میں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو اپنے زبردست  
علم کا نمونہ بنایا اور دنیا کو یہ دکھایا کہ جس انسان نے اس دنیا میں آکر کچھ نہیں  
پڑھا لکھا اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو ایسا علم عطا فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز اور  
قیامت تک کا حال اس کی نظروں کے سامنے آگیا تو ایسے علم والے کو جس خدا  
نے پیدا کیا اور اسے یہ علم عطا فرمایا اس خدا کے علم کا کیا حال ہوگا بس تمہیں  
یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ وہ خدا اپنے علم سے ہمارے ہر حال کو جانتا ہے اور



جو کچھ ہمارے حال کے مطابق بہتر ہوتا ہے وہ ہمیں عطا فرما دیتا ہے۔

**پیٹ** | جسم کے دوسرے حصوں کی طرح  
نبی کریم علیہ السلام کا پیٹ بھی عام

انسانوں جیسا نہ تھا۔ پیٹ انسان کے کھانے پینے کی جگہ ہوتی ہے اگر پیٹ کو پوری طرح نہ بھرا جائے تو انسان کا پورا جسم بیکار ہو جاتا ہے لیکن نبی کریم علیہ السلام کا پیٹ کئی کئی دن خالی رہتا تھا پھر بھی آپ کو نہ کوئی تکلیف ہوتی تھی اور نہ ہی آپ کمزور ہوتے تھے۔

نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے پیارے نبی اگر تم چاہو تو میں مکے کی پھتریلی زمین کو تمہارے لئے سونا بنا دوں میں نے عرض کیا اے میرے رب میں یہ چاہتا ہوں۔

اشبع يوماً و اجوع يوماً کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھانا ملے اور  
ایک دن بھوکا رہوں۔

مطلب یہ کہ نبی کریم علیہ السلام خود بھی اپنے پیٹ کو بھرا رکھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ جب پیٹ زائد بھر جاتا ہے تو انسان خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام امت کو یہی سکھانے کے لئے اکثر بھوکے ہی رہتے تھے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ما شبع رسول الله صلى الله عليه وسلم من خبز الشعير  
نبی کریم علیہ السلام نے جو کہ روٹی سے  
بھی دو دن برابر پیٹ نہیں بھرا یہاں  
تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے  
یومین متتابعین حتی قبض۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہی فرمایا۔

والله ما شبع من خبز ولحم  
خدا کی قسم آپ نے کبھی ایک دن میں



مرتین فی یوم - دو وقت رونا اور گوشت سے پیٹ

نہیں بھرا۔

بہر حال نبی کریم علیہ السلام کا مبارک پیٹ دنیا کے کھانے نہ ملنے کی وجہ سے کسی تکلیف کا سبب نہیں بنتا تھا لیکن یہ بھی حضور علیہ السلام ہی کا کمال تھا کہ آپ کا پیٹ دنیا کی غذاؤں سے خالی رہتا تھا لیکن خدا کی طرف سے اس کو ایسی غذا نصیب ہوتی تھی کہ آپ کئی کئی دن برابر بغیر کھائے پیئے رہتے تھے اور کسی کام میں کوئی فرق تک نہ آنے پاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے بغیر افطار کے برابر روزے رکھنے کو منع فرمایا تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو اس طرح روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا

وَ اَیْکُمْ مِثْلِی اِنِّی اَبِیتُ یَطْعَمَنِی  
 کَمَیْنِ سَے مِیرِی طَرَحِ کَوْنِ هَے مِیْنِ  
 رَیْ وِ یَسْقِیْنِی - رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے  
 کھلاتا پلاتا ہے۔

بہر انسان کے پیٹ سے جو کچھ نکلتا ہے وہ بدبو دار ہوتا ہے لیکن اللہ کے نبی کے پیٹ سے جو کچھ نکلتا تھا اس کا حال سینے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن میں نے نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب آپ پاخانے جاتے ہیں تو کسی مرتبہ آپ کے بعد میں پاخانہ گئی لیکن میں نے وہاں کچھ نہیں پیدرہن مشک کی سی خوشبو آتی ہے تو آپ نے فرمایا۔

یا عائشہ ما علمت ان الارض  
 تبتلع ما یخرج من الانبیاء  
 اے عائشہ تمہیں کیا پتہ نہیں کہ نبیوں  
 کے پیٹ سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو  
 زمین نکل جاتی ہے اور اس میں سے  
 فلا یرى منه شیء -



کچھ نظر نہیں آتا۔

امام قاضی عیاض اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم علیہ السلام پاخانہ و پیشاب کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو۔

انْشَقَّتِ الْاَرْضُ فَاتْبَلَعَتْ غَائِطًا  
وبولہ وناحت لذلک راحۃ  
زین پھٹ کر آپ کا پاخانہ و پیشاب  
نکل جاتی تھی اور اس جگہ سے مشک  
کی سی خوشبو آنے لگتی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر عزیزی میں لکھا۔

وہیچ کس اثر فضلۃ الیثاں را  
بروئے زین ندیدہ زمین می  
اور کسی نے آپ کے پاخانہ و پیشاب  
کا اثر زمین پر نہیں دیکھا۔ کیوں کہ  
زین پھٹ جاتی تھی اور وہ اس میں  
چھپ جاتا تھا اور اس جگہ مشک  
کی سی خوشبو آنے لگتی تھی۔

بہر حال جس خدا نے مکھی کے پیٹ میں شہد جیسی میٹھی اور لذیذ چیز پیدا  
فرمائی اسی خدا نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ سے  
نکلے ہوئے پیشاب و پاخانہ کو خوشبودار بنایا اور لوگوں کی نظروں سے چھپائے  
رکھا اسی خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ایسے کمال و عظمت والے نبی کی امت میں  
پیدا فرمایا۔

پیر اور جسم کے دوسرے حصے | نبی کریم علیہ السلام کے پیروں اور جسم  
کے دوسرے حصوں کا حال

بھی سینے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد  
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ کئے



مختوناً مسروراً۔  
ہوئے اور ناف کاٹے ہوئے پیدا

ہوئے تھے۔

یعنی لڑکے کی ختنہ پیدا ہونے کے بعد کرائی جاتی ہیں لیکن نبی کریم  
علیہ السلام قدرتی طور پر ختنہ کئے ہوئے تھے اسی طرح بچہ کے پیدا ہونے کے  
بعد اسکی ناف (جس کو نال بھی کہتے ہیں) کاٹی جاتی ہے لیکن حضور علیہ السلام کی  
ناف بھی قدرتی کٹی ہوئی تھی۔

آپ کے جسم کا چھپا ہوا حصہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا بچپن میں بھی سبھی آپ  
کا یہ حصہ نہیں کھلتا تھا یہاں تک کہ آپ کی بیوی اور مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ  
صدیقہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کبھی آپ کے جسم کے چھپے ہوئے  
حصہ کو نہ دیکھا اور نہ کبھی آپ نے میرے چھپے ہوئے حصہ کو دیکھا۔

نبی کریم علیہ السلام کی مردانہ قوت کا یہ حال تھا کہ حضرت صفوان ابن  
سلیم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

اعطيت قوة اربعين رجلاً  
من اهل الجنة۔  
کہ مجھے چالیس جنتی مردوں کی مردانہ  
طاقت دی گئی۔

اور جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہے اس  
طرح حضور علیہ السلام کی مردانہ قوت چار سو مردوں کے برابر تھی لیکن اس کے  
باوجود آپ کے اندر نفس کی وہ خواہش بالکل نہ تھی جو عام انسانوں میں ہوتی  
ہے۔ ہر نبی ایسی نفسانی خواہش سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی  
اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ما احتلم نبی قط وانما الاحتلام  
من الشيطان۔  
کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ  
احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔



اور نبی پر شیطان کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے پھپھے ہوئے حصّہ کی عظمت ہ پتہ آپ کے

اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

لا یغسلنی الا انت فانہ لا

یری عورتی الا طمست عینا ہ

کیونکہ میرے پردے کی جگہ پر جس کی

بھی نظر پڑیگی وہ اندھا ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام کی رانیں، پنڈلیاں اور پیر بھی بہت خوبصورت تھے۔

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان فی ساقی رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم حموشۃ -

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں

بہت نازک تھیں۔

حضرت عبداللہ ابن بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم احسن البشر قدماً -

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم

مبارک سب سے زیادہ حسین تھے۔

ان مقدس پاؤں کے کمالات کا بھی اندازہ لگائیے۔ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تیز چلنے میں آپ سے زیادہ تیز چلنے والا کسی

کو نہ دیکھا جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔

کانما الارض تطوی لہ انا

لنجدھد الفسنا وانہ لغیر

مکثرث -

کہ زمین آپ کے لئے لپٹی جا رہی ہے

اور ہم آپ کے برابر تیز چلنے کی کوشش

کیا کرتے تھے اور آپ بغیر کسی تکلیف

کے چلتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پتھروں پر چلا کرتے تھے تو پتھر نرم ہو



جاتے تھے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔  
 انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا  
 کہ جب حضور علیہ السلام پتھروں  
 پر چلتے تو آپ کے پیروں کے نشان  
 پتھروں پر لگ جاتے تھے۔  
 فیہ۔

حضرت علامہ شہاب الدین مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ جب  
 نبی کریم علیہ السلام ننگے پیر پتھروں پر چلتے تھے تو پتھر نرم ہو جاتے تھے اور ان  
 پر آپ کے قدموں کے نشان بن جاتے تھے انہی پتھروں کو صحابہ کرام نے  
 حفاظت سے رکھا جو اب تک دنیا میں بہت سی جگہ موجود ہیں خاص طور پر  
 بیت المقدس اور مصر وغیرہ میں بہت ہیں۔

یہ مبارک پتھر پاکستان میں بھی بعض بزرگوں کے پاس موجود ہیں میلاد  
 شریف وغیرہ کی محفل میں ان کو نکالا جاتا ہے لوگ ان کی زیارت کرتے ہیں اور  
 محبت والے مسلمان ان کو تعظیم کی وجہ سے چومتے ہیں۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کی برکتوں کا اندازہ لگانے  
 کے لئے اور چند واقعات سنئے۔ حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ عنہ نے  
 فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام اپنے چچا ابو طالب کیسے ذی المجاز  
 میں تھے جو ایک جگہ کا نام ہے اور مکے سے تین میل کے فاصلے پر ہے یہاں  
 ابو طالب کو پیاس لگی انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ پانی  
 نہیں ہے اور پیاس لگ رہی ہے یہ سنکر

تنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 وَضَرَبَ بِقَدَمِهِ الْأَرْضَ فَخَرَجَ  
 حضور علیہ السلام سواری سے اترے  
 اور زمین پر پیر مارا جس سے پانی نکل  
 آیا تو آپ نے فرمایا اے چچا پانی پی  
 الماء فقال اشرب۔



لو، ابو طالب نے بیان کیا کہ میں نے خوب  
پانی پیا اس کے بعد آپ نے پانی  
نکلنے کی جگہ پر اپنا پیر رکھ دیا تو پانی  
بالکل بند ہو گیا۔

حضور علیہ السلام ایک دن احد پہاڑ پر کھڑے ہوئے تھے کہ وہ پہاڑ  
کا پینے لگا تو اس پر پیر مارا اور فرمایا  
اُ بنت فاما علیک نبی و صدیق و شہیدان۔  
کھڑ جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک  
صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضور علیہ السلام نے صدیق حضرت ابو بکر کو کہا اور حضرت عمر اور  
عثمان کو جو اس وقت پہاڑ پر آپ کے ساتھ تھے شہید کہا کیونکہ حضور علیہ السلام  
کہ یہ علم تھا کہ یہ دونوں شہید ہونگے اور ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ  
عنه ۳۵ میں شہید ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنه ۳۵ میں شہید ہوئے۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام کی  
خدمت میں ایک شخص اپنی اوٹنی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ میری یہ اوٹنی بہت  
ست ہے اور آہستہ چلتی ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے اوٹنی کے اپنا پیر مارا۔  
قال ابو ہریرۃ والذی نفسی بیدہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے  
لقد رأیتھا سبق القائد۔ کہا خدا کی قسم وہ اوٹنی ایسی تیز ہو  
گئی کہ سب سے آگے رہنے لگی۔

حضرت عبداللہ ابن ابی طلحہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام  
سعد ابن عبادہ کے گدھے پر سوار ہوئے جو بہت سست تھا اور آہستہ  
چلتا تھا۔



فَرَدَهَا هَمَلًا جَا لَا يَسَايِرُ۔  
 توجب آپ نے اسکو واپس کیا تو ایسا  
 تیز ہو گیا کہ کوئی گدھا اسکا مقابلہ نہیں  
 کر سکتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت علی  
 رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے نبی کریم علیہ السلام تشریف لائے پہلے آپ نے ان  
 کے لئے دعا کی

ثم ضرب برجله فما اشتكى  
 ذالك الوجع بعد۔  
 پھر حضور علیہ السلام نے ان کے  
 اپنا پیر مارا جس کی برکت سے وہ  
 اسی وقت ٹھیک ہو گئے اور اس  
 کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوئے۔

یہ بھٹے نبی کریم علیہ السلام کے مقدس پیر جن کی برکت سے پتھر نرم  
 پڑ گئے۔ زمین سے پانی جاری ہو گیا، ملتے ہوئے پہاڑ ٹھہر گئے، سست  
 سواریوں میں تیزی آگئی اور بیماروں کو شفا نصیب ہو گئی۔ انہی پیروں کی  
 سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ خدا کے عرش پر پہنچے اور ان کی وجہ سے  
 مکہ و مدینہ کی زمین بھی برکت والی ہو گئی اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ صحابہ کرام  
 رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم علیہ السلام کے برکت والے پیروں کا کس قدر  
 احترام کیا کرتے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم کچھ لوگ مل کر نبی کریم  
 علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے محبت و احترام کی وجہ سے  
 نتقبل ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مرجلہ ہم نے حضور  
 علیہ السلام کے ہاتھ اور پیر چومے۔



حضرت وازع ابن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے فاخذنا بیدیہ ورجلیہ ننتقلہا — تو ہم نے نبی کریم علیہ السلام کے ہاتھ اور پاؤں کو چوما۔

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے محبت و احترام کی وجہ سے نبی کریم علیہ السلام کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اسی لئے علما نے کہا کہ ماں باپ استاد پیر بزرگوں اور نیک عالموں کے ہاتھ یا پیر چو منا جائز ہے جیسا کہ صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی عزت کرتے اور ہاتھ پیر چوما کرتے تھے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مرأیت علیاً یقبل ید العباس میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ رجلیہ۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پیر چوما کرتے تھے۔

حضرت ابن جده ان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت نے ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے حضور علیہ السلام سے اپنا ہاتھ ملا یا ہے۔ قال نعم۔ فقَبَلَهَا تُو حضرت انس نے کہا ”ہاں“ تو حضرت ثابت نے فوراً ان کا ہاتھ چوم لیا۔

جسم نبی کریم علیہ السلام جسم مبارک کے علیحدہ علیحدہ حصوں۔

کا بیان ہو چکا اب پورے جسم کے متعلق بھی کچھ ایمان تازہ کرنیوالی باتیں سن لیجئے۔ آپ کا قد نہ لمبا تھا نہ چھوٹا بلکہ درمیان قسم کے قد سے کچھ زائد تھا لیکن یہ لمال تھا کہ جب آپ محفل میں ہوتے تھے یا لوگوں کیساتھ مل کر



چلتے تھے تو سب سے اونچے معلوم ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم      کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لم یلبس نہیں  
بالذہب طویلاً وفوق الربعۃ اذا      تھے مگر جب لوگوں کیساتھ ہوتے تو  
جامع القوم غمزہم۔      سب سے اونچے ہوتے تھے۔

امام ابن سبع رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

انہ اذا جلس یكون کتفہ اعلیٰ من      جب آپ لوگوں میں بیٹھتے تو آپ  
جمیع الجالسین۔      کا کندھا سب سے اونچا ہوتا تھا۔

آپ کے مبارک جسم پر ایک خاص قسم کی شان ظاہر ہوتی تھی اسی لئے  
آپ کو دیکھ کر جانور بھی سجدہ کرتے تھے اور آپ کا حکم مانتے تھے۔ حضرت بریدہ  
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم علیہ السلام سے آکر عرض کی کہ  
اے اللہ کے رسول میرے پاس ایک اونٹ ہے جو سخت حملہ کرتا ہے کسی  
کی طاقت نہیں کہ اسکی ناک میں رسی ڈال سکے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
اٹھے اور ہم بھی آپ کیساتھ اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر دروازہ کھولا  
فلما رآہ الجمل جاء الیہ فسجد      جب اونٹ نے آپ کو دیکھا  
لہ و وضع حیرانہ۔      تو آپ کی طرف آیا اور سجدہ کیا

اور اپنی گردن زمین پر رکھی۔

نبی کریم علیہ السلام نے اس کے سر کو پکڑ کر اپنا ہاتھ پھیرا اور رسی منگا کر  
اس کی ناک میں ڈالی اور اسکو مالک کے ہاتھ میں دیدیا۔ حضرت ابو بکر  
عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ پہچان گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔  
قال انہ لیس من شیء الا یعرف      تو آپ نے فرمایا بیشک ہر چیز جانتی



انی رسول اللہ غیر کفراً الجن ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوئے  
والانس۔ کافر جنوں اور انسانوں کے۔

نبی کریم علیہ السلام کے مقدس جسم کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ اس کا  
سایہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ آپ کا جسم نورانی تھا ہر چیز کو اس جسم سے روشنی  
ملتی تھی اور روشنی کرنیوالے کا سایہ نہیں ہوتا جیسے چاند اور سورج اپنی روشنی  
پھیلاتے ہیں اور ان کا سایہ نہیں ہوتا۔

حضرت ذکوان تابعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ دھوپ  
یکن یرى لئلا ظل فی شمس ولا قمر۔ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لم یکن للبنی صلی اللہ علیہ  
وسلم ظل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور جب آپ سورج  
یا چاند کی روشنی میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کی روشنی ان دونوں سے زائد  
ہوتی تھی۔

علامہ امام احمد بن قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

لم یکن لہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ  
فی شمس ولا قمر۔ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

و نہ بود ہراں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ  
دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں۔  
و نہ در قمر۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔



اور اصلی اللہ علیہ وسلم سایہ  
 نبود۔ در عالم شہادت سایہ ہر شخص  
 از شخص لطیف تر است چون لطیف  
 ترے ازوے صلی اللہ علیہ وسلم  
 در عالم نباشد اور را سایہ چہ صورت  
 دارد۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ  
 تھا کیونکہ اس دنیا میں ہر چیز کا سایہ  
 اس سے زیادہ لطیف (ہلکا) ہوتا ہے  
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 زیادہ اس دنیا میں کوئی چیز لطیف  
 نہیں لہذا اس کا سایہ کس طرح ہو سکتا ہے

نبی کریم علیہ السلام کے مقدس جسم کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ کسی قسم کی  
 خوشبو لگائے بغیر اس مبارک جسم سے خوشبو آتی تھی۔ یہاں تک کہ جسم سے نکلا  
 ہوا پسینہ بھی اتنا خوشبودار ہوتا تھا کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔  
 حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ما شمتت عنبراً قط ولا مسکاً ولا  
 شیئاً اطیب من ریح رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں نے عنبر، مشک اور کسی خوشبو کو  
 حضور علیہ السلام کی خوشبو سے زائد  
 خوشبودار نہیں پایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے مجھے اپنی  
 سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا تو میں آپ کی نبوت کی مہر کو منہ میں لیا۔  
 فكان ینم علی مسکاً۔  
 تو مشک کی سی خوشبو پھیلنے لگی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

كان عرقه في وجهه مثل  
 اللؤلؤء اطیب من المسک

کہ نبی کریم علیہ السلام کو پسینہ آتا تھا۔  
 تو پسینے کے قطرے چہرے سے موتیوں  
 کی طرح گرتے تھے اور مشک سے  
 زیادہ خوشبودار ہوتے تھے۔



حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریمؐ کبھی کبھی دوپہر کو ہمارے گھر  
آکر آرام فرماتے تھے جب آپ سو جاتے تو آپ کو پسینہ آتا تھا میری والدہ  
آپ کے پسینے کی بوندوں کو شیشی میں جمع کر لیتی تھیں ایک مرتبہ نبی کریمؐ علیہ السلام  
نے انکو ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کرتی ہو۔

قالت هذا عرقك نجعلہ فی  
طینا وھومن اطیب الطیب  
تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ  
یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اس کو اپنی  
خوشبو میں ملا لینگے کیونکہ اسکی خوشبو

سب سے زائد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی  
خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میری بیٹی کی شادی ہے  
لیکن میرے پاس بیٹی کے لگانے کیلئے خوشبو نہیں ہے آپ کچھ عطر دیدیجئے حضور  
علیہ السلام نے فرمایا کل ایک شیشی لیکر آنا ہم تمہیں خوشبو دیدینگے۔ دوسرے  
دن وہ شخص شیشی لے کر آیا تو حضور علیہ السلام نے اپنے پسینے کے چند قطرے  
شیشی میں ڈال دیئے اور کہا یہ اپنی بیٹی کو دیدو اور کہو کہ اس کو لگا لیا کرے۔

فكانت اذا تطیبت بہا یشم  
اہل المدینۃ سراء ۛ حتی ذالک  
الطیب فسموا بیت المطیبین  
تو جب وہ لڑکی آپ کا پسینہ ملتی تھی  
تو اسکے گھر سے تمام مدینے والوں کو  
خوشبو کی مہک آتی تھی اسلئے لوگوں  
نے اس گھر کا نام بیت المطیبین یعنی  
خوشبو والوں کا گھر رکھ دیا تھا۔

حضرت جابر و انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریمؐ علیہ السلام جب  
کسی راستے سے گزرتے تھے تو وہ راستہ آپکی خوشبو سے مہک جاتا تھا۔



وقالوا ستر رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الطريق۔  
اور لوگ کہنے لگتے تھے کہ اس راستے سے حضور علیہ السلام گزرے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد جب میں نے آپ کو غسل دیا تو۔

سَطَعَتْ مِنْهُ رِيحٌ طَيِّبَةٌ لَمْ يَجِدْ مِثْلَهَا قَطُّ  
تو آپ سے ایسی پاکیزہ خوشبو پھیلی کہ ہم نے اس جیسی خوشبو کبھی نہیں پائی۔

نبی کریم علیہ السلام کے مبارک جسم کی یہ خوشبو ان کے دنیا سے ظاہری طور پر چلے جائیکے بعد بھی آج تک مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں مہکتی ہے۔ جس کا احساس حضور علیہ السلام سے عشق و محبت رکھنے والوں کو ہوتا ہے حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وشبلی کہ یکے از علماء مصاحب و جدان است می گوید کہ تربت مدینہ رانفحة خاص است کہ در هیچ مشک و عنبر نیست۔  
کہ حضرت علامہ شبلی جو حضور علیہ السلام سے محبت رکھنے والے عالم تھے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو مشک میں نہیں ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

لطیب رسول الله طاب نسيمها  
فما المسك والكافور والصندل  
الرطب  
کہ حضور علیہ السلام کی خوشبو سے مدینے کی ہوا ایسی خوشبو دار ہو گئی کہ مشک کافور اور تازہ صندل کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔



یہ تھا میرے تمام مسلمانوں اور کائنات کا آقا، بے عیب ذاتِ رحمتہ  
 للعلمین احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک اور اسکے  
 حصوں کا حال۔ جس کو سننے کے بعد ہر شخص یہی کہے گا کہ خدا نے آپ کو ہر  
 طرح بے نظیر و بے مثال پیدا فرمایا اور حق تو یہ ہے کہ آپ خدا کی قدرت  
 کا آئینہ اور نمونہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الناس قد جا کم برہاتٌ  
 من ربکم وانزلنا الیکم نوراً  
 اے لوگوں بیشک تمہارے پاس  
 تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی اور  
 ہم نے تمہارے پاس روشن نور اتارا۔  
 مبینا۔

یعنی نبی کریم علیہ السلام خدا کی قدرت اور کمالات کی دلیل ہیں جس نے  
 ان کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ جو ان کو پا گیا وہ خدا کو پا گیا جو ان کا  
 ہو گیا وہ خدا کا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب نبی کریم علیہ السلام کے  
 مقام کو پہچاننے کی عقل سلیم عطا فرمائے اور ہر مسلمان کو ان کی سچی محبت  
 اور عشق عطا فرمائے۔



## حضور علیہ السلام کے معجزات

کوئی ایسا کمال جو عام انسانوں میں نہ پایا جاسکے اور نبی اسکا مظاہرہ صرف اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے کرے معجزہ کہلاتا ہے۔ یہ لفظ نبی ہی کے لئے خاص ہے کسی دوسرے کے کمال کو معجزہ نہیں کہا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے نبیوں کو مبعوث فرمایا اور انکو ایسے کمالات بھی عطا فرمائے جن کو وہ بوقت ضرورت ظاہر کر کے اپنی امت پر اپنی نبوت کو ثابت کرتے رہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا کمال جادو عطا فرمایا جسکا مقابلہ ان کی امت کے بڑے بڑے جادوگر نہ کر سکے وہ صرف اپنے عصا (لاٹھی) سے اسکا مظاہرہ کرتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ قوت عطا فرمائی کہ وہ لوہے کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے ہاتھ سے پگھلا لیتے یا موڑ لیتے تھے حضرت صالح علیہ السلام کو عجیب و غریب اوٹنی عطا فرمائی جو پتھر سے پیدا ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے کھانا نازل فرمایا اور ایسا علم عطا فرمایا کہ لوگوں کو ان کے راز بتا دیتے تھے اور ایسی شفا عطا فرمائی کہ اپنے ہاتھ سے کوڑھی، برھی اور نابیناؤں کو اچھا کر دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں قیام فرمایا لیکن بال تک نہ جلا اسی قسم کے بیشمار معجزات ہیں جو تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے۔



معجزات النبی | لیکن نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جس طرح دوسرے کمالات بشمار ہیں اسی طرح

آپ کے معجزات بھی بشمار ہیں جتنے معجزات پچھلے نبیوں کو دیئے گئے وہ سب حضور علیہ السلام کو ملے اور ان کے علاوہ اتنے معجزات آپ کو ملے کہ انکا شمار کرنا اور بیان کرنا ممکن نہیں پچھلے نبیوں کو جو معجزے دیئے گئے تھے وہ وقتی اور حسی تھے یعنی اسی وقت کیلئے تھے اور انہی لوگوں نے دیکھے جو اسوقت موجود تھے لیکن نبی کریم علیہ السلام کے معجزات بعض تو وقتی اور حسی تھے اور کچھ ایسے ہیں جو آج تک ہیں اور قیامت تک رہیں گے اور ان سے آج بھی آپ کی نبوت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت علامہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ بردہ

شریف میں فرماتے ہیں۔

دَامَتْ لَدُنَا فَاقَاتُ كُلِّ مُعْجَزَةٍ  
مِنَ النَّبِيِّينَ إِذْ جَاءَتْ  
وَلَمْ تَدْمِ -  
ہیں ہمارے پاس آج تک وہ آیتیں  
باقی اور انبیاء کے سب معجزے  
کا لعدم ہو گئے۔

قرآن کریم | حضور علیہ السلام جو کتاب لے کر آئے وہ بھی آپ کا ایک معجزہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ۔ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو

ان پر پڑھی جاتی ہے (سورہ عنکبوت)

جس قوم میں قرآن کریم نازل ہوا وہ اپنی زبان پر ناز کرنے والی ایسی

قوم تھی جو اپنے علاوہ دوسروں کو عجبی (گونگا) کہتی تھی کون نہیں جانتا کہ اہل



عرب اپنی نشرو نظم کے ذریعے سرد جذبات کو گرم کر دیتے تھے بخیلوں سے دولت کی بارش کراتے، عیب داروں کو بے عیب ثابت کر دیتے اور گنہگاروں کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیتے تھے لیکن جب نبی کریم علیہ السلام نے انکو قرآن پڑھ کر سنایا تو ان کی زبانیں بند اور عقلیں دنگ ہو گئیں انہوں نے قرآن کو کلام الہی ماننے سے انکار کیا اور حضور علیہ السلام پر الزام لگایا کہ یہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر سناتے ہیں لیکن جب ان کو چیلنج کیا گیا کہ تم بھی ایسا ہی کلام پیش کر دو تو ان کا بس نہ چل سکا اور وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جتنے مضامین اور علوم کو سمویا گیا ہے وہ بھی کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔

یعنی اگر کوئی دلیل نبوت چاہتا ہے تو حضور علیہ السلام کا سب سے عظیم معجزہ تو قرآن کریم ہی ہے اسی پر غور کر لیا جائے تو پھر کسی دور سے معجزے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی یہ کتاب جن وجوہ سے معجزہ ہے انکا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں جتنے علوم اور مضامین کو سمویا گیا ہے اس سے بھی اسکا معجزہ ہونا ظاہر ہے کسی بھی مصنف کے لئے دنیا بھر کے مضامین کو ایک کتاب میں جمع کر لینا ناممکن ہے اگر کوئی چند مضامین کو جمع کرنے کی کوشش کرتا بھی ہے تو کوئی مضمون بہت اچھا اور کوئی نامکمل ہوتا ہے لیکن قرآن کریم پر غور کیجئے اس میں واقعات بھی ہیں نصیحتیں بھی، حلال و حرام کا ذکر بھی ہے تو وعدہ و وعید بھی، ڈر بھی ہے خوشخبری بھی، اخلاق حسنہ کی ترغیب بھی ہے اور برائیوں سے بچنے کی تاکید بھی لیکن مجال نہیں کہ کہیں بھی فصاحت و



بلاغت اور انداز بیان کا کوئی فرق ہو سکے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ :- کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ کسی اور کا کلام ہوتا سوائے اللہ کے تو اس میں بہت فرق پاتے (سورۃ نساء)

یعنی سوائے خدا کے کوئی ایسا کلام پیش کرنے پر قادر نہیں اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کسی اور سے سیکھا ہوتا تو اس کے مضامین سے ہی پتہ چل جاتا بس یہی ان کی نبوت کی دلیل کے لئے کافی ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی عبارت میں جو حلاوت و شیرینی ہے وہ کسی انسان کے

کلام میں نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ اسکو کتنی ہی بار پڑھا جائے طبیعت نہیں الٹاتی ایک نمازی ہر رکعت میں الحمد شریف پڑھتا ہے لیکن کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس سورت کو پڑھنے کو اب دل نہیں چاہتا اس مقدس کلام کو کتنا ہی سنو کتنا ہی پڑھو ہر مرتبہ ایک نیا مزہ آتا ہے اس عظیم خوبی کا اعتراف کفار کو بھی تھا۔

ولید ابن عتبہ نے ایک موقع پر کہا: ”اللہ کی قسم اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کے کلام کی جرط مضبوط ہے اور اسکی فرع پھل ہے“

عتبہ ابن ربیعہ نے حضور علیہ السلام سے سورۃ حم سجدہ کی چند ابتدائی آیات سنیں تو کہا: ”قسم خدا کی میں نے ایسا کلام سنا کہ اسکی مثل کبھی نہیں سنا اللہ کی قسم وہ شعر نہیں، نہ جادو ہے نہ کہاوت ہے“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت انیس نے قرآن کریم سن کر فرمایا: ”خدا کی قسم میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے اسکا کلام کاہنوں کا سا نہیں اللہ کی قسم میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کیساتھ



مقابلہ کیا میں یا اور کوئی اس کلام کو شعر نہیں کہہ سکتا۔

اس قسم کے بیشتر واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی عبارت اور اسکی حلاوت نے غیروں کو بھی متاثر کیا اور انہوں نے اعتراف کیا کہ اس عبارت کا مقابلہ دنیا کا کوئی شاعر یا کاہن نہیں کر سکتا۔

۳۔ قرآن کریم اس اعتبار سے بھی معجزہ ہے کہ اس میں ایسی پوشیدہ باتیں موجود ہیں جن کا بیان صرف اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے کوئی انسان اپنی تصنیف میں اس طرح غیب کی باتیں بیان نہیں کر سکتا قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات بھی موجود ہیں جبکہ گزشتہ کتابوں اور قرآن کریم کے نزول کے درمیان بہت طویل مدت موجود ہے اور جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا اس وقت کوئی آسمانی کتاب اپنی اصل حالت میں موجود نہ رہی تھی لیکن قرآن کریم نے ان تمام واقعات کو بالکل صحیح بیان کیا جیسے حضرت آدم و حوا، حضرت نوح اور ان کے طوفان کے واقعات حضرت ابراہیم و حضرت سارہ کا قصہ، حضرت اسحاق و حضرت لوط کے حالات حضرت مریم اور ان سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات اس قدر اصل حالات میں بیان کئے گئے کہ انکا علم یہود و نصاریٰ کے علماء کو بھی کم ہی تھا۔ ماضی کے واقعات و حالات کے علاوہ قرآن کریم نے لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی بیان فرمایا اور مستقبل میں پیش آنیوالے بیشتر واقعات کے متعلق پیشگوئیاں بھی کیں جن میں سے کچھ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی پوری ہوئیں اور کچھ اپنے وقت پر پوری ہو رہی ہیں۔

۴۔ قرآن کریم کا اپنی اصل حالت میں قیامت تک موجود رہنا بھی ایک معجزہ ہے دنیا میں نہ جانے کیسی کیسی اہم کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان کی کس قدر



اشاعت ہوئی لیکن کچھ مدت بیت جانے پر وہ کتابیں کم ہو گئیں حتیٰ کہ پچھلی آسمانی کتابیں بھی اپنی اصل حالت میں نہ رہیں آج جو قوم بھی کسی پچھلی کتاب کو مانتی ہے اسے خود یہ یقین نہیں کہ یہ وہی اصل کتاب ہے جس کو اسکا بنی لے کر آیا تھا لیکن الحمد للہ قرآن پڑھنے والوں کو یہ یقین کامل ہے کہ یہ وہی قرآن ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس لے کر آئے اور اس یقین کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ قرآن کی حفاظت امت ہی نے نہیں کی بلکہ اسکا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا  
لَدَلَّ لِحِفْظُونِ۔  
بیشک ہم نے ہی قرآن کو اتارا اور ہم  
ہی اس کے محافظ ہیں (سورہ حجر)

جب قرآن کریم کو نازل فرمانے والا خود ہی اسکا محافظ ہے تو آج سو برس گزر جانے کے بعد بھی اسکے اصل ہونے میں کس طرح شبہہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ گمان ہو سکتا ہے کہ قیامت تک کسی وقت بھی قرآن کریم میں کسی قسم کا رد و بدل یا تخریف ہو سکتی ہے اللہ نے اس کی حفاظت انسانوں سے بھی خوب کرانی ہر دور میں اس کی اشاعت اور اس کی تلواد کا اہتمام ہوتا رہا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہر دور میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے سینوں میں اسکو محفوظ رکھا اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔

بہر حال قرآن کریم حضور علیہ السلام کا ایک عظیم معجزہ ہے جو آج تک جاری اور باقی ہے آج بھی اگر امت مسلمہ سے کوئی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت طلب کرے تو قرآن کریم کو بطور دلیل پورے اعتماد کیساتھ پیش کیا جاسکتا ہے اور ایک دیانت دار متلاشی حق کے لئے اس دلیل پر غور کرنے کے بعد اسلام کو قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔



**معراج شریف** | نبی کریم علیہ السلام کا اپنے جسم مبارک کیساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کی امامت فرمانا وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے جانا، جنت کی سیر کرنا، دوزخ کا معائنہ فرمانا، ہر آسمان پر نبیوں سے ملاقات کرنا، مقام قرب خاص پر پہنچ کر خدا کو بلا حجاب دیکھنا اور اسی رات اتنے وقت میں واپس تشریف لے آنا کہ بستر کی حرارت بھی ختم نہ ہونے پائی تھی اس تمام واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے اور اسکی تفصیلات خود حضور علیہ السلام نے بیان فرمائیں اور جن کفار کے سامنے آپ نے اس عظیم واقعہ کو بیان فرمایا ان کی منہ مانگی دلیلوں سے اسکو ثابت بھی کیا مثلاً آپ نے مسجد اقصیٰ کا پورا نقشہ بتایا، راستہ میں قافلوں سے ملاقات کا واقعہ بیان کیا اور مکہ میں انکے داخل ہونے کا وقت تک بتایا۔

ظاہر ہے یہ تمام باتیں کسی عام انسان کے بس کی نہیں یہ صرف حضور علیہ السلام ہی کا عظیم معجزہ ہے جو آپ کی نبوت و عظمت کو تسلیم کر لینے کے لئے کافی ہے اس معجزے کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ یا اس کے مثل کوئی واقعہ حضور علیہ السلام سے پہلے کسی نبی کیساتھ پیش نہ آیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا حجاب رب کے دیدار کی آرزو کی تو ایک تجلی کی تاب نہ لاسکے آپ پر زیہوشی طاری ہو گئی اور وہ پہاڑ جس پر رب نے تجلی فرمائی خاکستر ہو کر رہ گیا واقعہ معراج کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا۔

۱۔ ترجمہ :- پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے کھوڑے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسکو چند عجائبات اور نشانیاں دکھائیں بیشک اللہ ہی سننے والا دیکھنے



والا ہے (سورۃ بنی اسرائیل)

۲- ترجمہ :- پھر وہ قریب ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو کچھ بھی وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ (سورۃ النجم)

۳- ترجمہ :- آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بیشک اس نے اپنے رب کی بہت سی نشانیاں دیکھیں (سورۃ النجم)

ان آیات سے حضور السلام کا عظیم معجزہ معراج واضح ہے جس کو اہل ایمان بلا تردد و حیرت تسلیم کرتے ہیں اگرچہ اس معجزے سے متعلق مسلمانوں کے ذہنوں میں شک و شبہات پیدا کر نیکے کیلئے بید کوشش کی گئیں لیکن یہ کوششیں ناکام رہیں مسلمانوں نے کبھی حضور علیہ السلام کے فضائل اور دلائل نبوت کے سلسلہ میں نہ کسی شک و شبہہ کو اپنے ذہنوں میں جگہ دی ہے اور نہ قیامت تک ایسی گمراہی کو قبول کیا جاسکے گا۔

**چاند پھٹنا** | چاند کا دو ٹکڑے ہونا قیامت کے قریب ہونے کی ایک نشانی اور حضور علیہ السلام کا ایک معجزہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ :- پس قریب ہوگی قیامت اور پھٹ گیا چاند اور وہ (کفار) دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو ٹال دیتے ہیں یہ تو جادو ہے جو چلا آرہا ہے (سورۃ قمر)  
قرآن کریم کی اس آیت میں قرب قیامت کا ذکر بھی ہے اور چاند پھٹ جانے کا بھی یعنی چاند پھٹ جانا قیامت قریب ہونے کی ایک نشانی ہے جو نبی کریم علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور آپ کا معجزہ قرار پائی اس واقعہ کا ذکر بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔



کفار مکہ نبی کریم علیہ السلام کو جادوگر خیال کرتے تھے انہوں نے یہ جان کر کہ جادو کا اثر آسمان پر نہیں ہوتا حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ اگر واقعی جادوگر نہیں اللہ کے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیے آپ نے خدا کی قدرت سے ایک شب بھرے مجمع کے سامنے انگلی کے اشارے سے چودھویں کے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے۔ اس طرح کہ چاند کا ایک ٹکڑا مکہ کی ایک پہاڑی کی طرف اور دوسرا دوسری پہاڑی کی طرف چلا گیا اور پھر دونوں اپنی جگہ آ کر ایک دوسرے سے مل گئے۔

حضرت علی، حضرت ابن سعود، حضرت خلیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے خود اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا اور اس کو بیان کیا لیکن کفار مکہ جو حضور علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر تلے ہوئے تھے اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے اور انہوں نے اس کو ایک بڑا جادوسی قرار دیا یہ تو حضور علیہ السلام کا صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو تباہ نہ کیا ورنہ سنت الہی یہ ہے کہ اگر نبی امت کا مطلوبہ معجزہ پیش کر دے اور پھر بھی قوم ایمان نہ لائے تو اس قوم کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔

اس معجزے کو صرف اہل مکہ نے ہی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں نے دیکھا جسکی نظریں اس وقت چاند پر پڑیں چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور کفار قریش نے دیکھے لیکن انہوں نے اس کو جادو قرار دیا پھر خود ہی فیصلہ کیا کہ صبح جو مسافر آئینگے ان سے پوچھا جائے گا دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں چنانچہ مسافر آئے اور کافروں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے چاند کو دو ٹکڑے دیکھا۔



سورج لوٹانا | میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر غروب ہوتے ہوئے سورج کو لوٹا کر بھی اپنے معجزے

کا مظاہرہ فرمایا جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ایک مرتبہ صہبیا میں نبی کریم علیہ السلام پر وحی نازل ہو رہی تھی آپ

اس وقت آرام فرما رہے تھے اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی عنہ کی گود

میں تھا پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہ پڑھی یہاں تک کہ آفتاب

غروب ہو گیا اور حضور علیہ السلام نے نماز عصر پڑھ لی تھی آپ نے حضرت

علی سے پوچھا کیا تم نے نماز عصر پڑھ لی انہوں نے عرض کیا "نہیں یا رسول

اللہ" اس پر آپ نے فرمایا اللہ تو جانتا ہے کہ علی تیرا ہی اور تیرے نبی کی اطاعت

میں مصروف تھا تو اس کے لئے آفتاب کو واپس فرما دے۔ حضرت اسماء

فرماتی ہیں حضور کا یہ دعا کرنا تھا میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا تھا پھر

میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد سورج نکل آیا اور اسکی روشنی پہاڑوں

اور زمین پر پھیل گئی اور حضرت علی نے نماز عصر ادا کی۔

مردے زندہ کرنا | حضور علیہ السلام کا ایک معجزہ مردوں کو زندہ

کرنا بھی ہے جس کے متعدد واقعات موجود

ہیں یہاں صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس کو حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ

نے حضرت کعب ابن مالک کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت جابر

ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے انہوں نے حضور علیہ

السلام کے چہرہ مبارک سے سخت بھوک کے آثار محسوس کئے فوراً گھر واپس

لوٹے اور بیوی سے کہا کہ تم کھانے کا انتظام کرو میں نبی کریم علیہ السلام کو بلا کر

لاتا ہوں حضرت جابر نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور بیوی نے آٹا پیسا گوشت



اور روٹی تیار ہوا تو حضرت جابر حضور کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنے گھر چل کر کھانا تناول فرمانے کی درخواست پیش کی نبی کریم علیہ السلام نے وہاں موجود تمام صحابہ کو دعوت دیدی جو سب ہی بھوکے تھے آپ پوری جماعت کیساتھ حضرت جابر کے گھر پہنچے اور صحابہ کی ایک ایک جماعت کو خود کھانا کھلاتے رہے اور آپ نے سب سے فرمایا کہ گوشت کی ہڈی نہ توڑی جائے سب کے بعد حضور علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا اور تمام ہڈیاں جمع فرما کر ان پر اپنا ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا اچانک ایک بکری کان بھاڑتی اٹھی حضرت جابر فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا لو جابر اپنی بکری لے جاؤ۔ میں یہ بکری اپنی بیوی کے پاس لے کر آیا اس نے پوچھا یہ بکری تو ہم نے ذبح کر دی تھی اب کہاں سے آئی میں نے سارا ماجرا سنایا جس کو سن کر میری بیوی نے کہا: "میں گواہی دیتی ہوں قسم خدا کی وہ اللہ کے نبی ہیں۔"

مردوں کا زندہ ہونا تو حضور علیہ السلام کے واسطے اور وسیلے سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک نوجوان انصاری کا انتقال ہو گیا جن کی ماں بہت بوڑھی اور اندھی تھی جب اسکو اپنے بیٹے کی موت کی خبر ہوئی تو اس نے اس طرح دعا مانگی: "یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی کہ تو ہر مشکل میں میری مدد فرمائے گا خداوند اپنے نبی کے صدقہ میں تو مجھے اس مصیبت کی تکلیف سے محفوظ فرمائے" حضرت انس فرماتے ہیں ہم وہیں بیٹھے تھے کہ اس جوان نے اپنے چہرے پر سے کپڑا اٹھا دیا باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔

حضرت فدیک ابن عمر سلامانی کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں وہ بہت کم دیکھ سکتے تھے حضور

مریضوں کو شفا



علیہ السلام نے دم فرمایا وہ ایسے تیز نظر ہوئے کہ اسٹی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے۔

حضرت معاذ بن عضاء کی بیوی کو برص کی بیماری تھی وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے اپنا عصا مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا اسی وقت مرض جاتا رہا۔

حضرت جرید لٹے ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا اور فرمایا سیدھے ہاتھ سے کھایا کرو جرید نے عرض کی یا رسول میرے سیدھے ہاتھ میں تکلیف ہے جس کے سبب کھایا نہیں جاتا حضور نے اس ہاتھ پر دم فرمایا جس سے فوراً تکلیف دور ہو گئی۔

اس قسم کے اور بیشتر واقعات ہیں جن سے حضور علیہ السلام کا یہ معجزہ ثابت ہے کہ آپ پیدائشی اور پرانے مریض کو شفا عطا فرمادیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

### کھانے میں برکت

غزوہ تبوک کے موقع پر ایک دن لوگوں کو سخت بھوک لگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام سے گزارش کی کہ آپ لوگوں کو حکم دیں کہ جن کے پاس جو کچھ بچا ہوا کھانا ہے وہ ایک جگہ جمع کر دیں پھر آپ اس میں دعائے برکت فرمادیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کوئی مٹھی بھر چنے لایا، کوئی کھوڑے سے چھوڑے تو کوئی روٹی کا ٹکڑا کسی نے ستوپیش کئے کسی نے کھجوریں، سب چیزیں اتنی کم تھیں کہ کسی کے لئے بھی کافی نہ ہو سکتی تھیں

نبی کریم علیہ السلام نے سب کو ایک

جگہ جمع فرما کر برکت کی دعا کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب کھانا اتنی مقدار میں تھا کہ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے خوب کھایا اور بچ گیا



اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود و برحق نہیں اور

گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں پس ان دونوں شہادتوں پر شک نہ کرنے والا بندہ ہرگز بہشت سے نہ روکا جائیگا۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ

احد میں میرے والد شہید ہو گئے انہوں نے چھ لڑکیاں اور بہت قرضہ چھوڑا

میرا ایک باغ تھا جب اسکی کھجوریں تیار ہوئیں تو میں نے حضور علیہ السلام

کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کی اور دعائے برکت کی درخواست

پیش کی آپ نے فرمایا کھجوریں توڑ کر ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیری الگ الگ بنا دو

اور مجھے بلا لینا میں نے ایسا ہی کیا جب آپ تشریف لائے تو قرض خواہ میرے گرد

جمع تھے کھجوریں کم اور انکا مطالبہ زیادہ تھا جس کے لئے وہ مجھ پر سختی کر رہے

تھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ڈھیر کے گرد تین بار پھرے پھر خود بیٹھ

گئے اور قرض خواہوں کو انکے مطالبہ کے مطابق ناپ ناپ کر کھجوریں دیتے

رہے حضرت جابر فرماتے ہیں میں چاہتا تھا کہ میرے لئے کچھ باقی نہ رہے لیکن

قرض سے نجات مل جائے قسم خدا کی حضور علیہ السلام تمام قرض خواہوں کو

کھجوریں دے چکے وہ چلے گئے لیکن اس ڈھیر سے ایک دانہ کھجور بھی کم نہ ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے دودھ میں برکت اور جابر رضی

اللہ عنہ کے مکان پر دعوت میں تھوڑے سے کھانے سے صحابہ کی پوری جماعت

کا سیر ہو جانا یہ واقعات مشہور ہیں ان کے علاوہ اور متعدد واقعات سے

حضور علیہ السلام کا یہ معجزہ ثابت ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آج بھی اہل

محبت اور اہل ایمان کو نبی کریم علیہ السلام کے اس معجزہ سے فیض حاصل



ہوتا ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے  
میں اپنا واقعہ تحریر فرمایا کہ۔

ایک دن صفا و مروہ کے درمیان بازار سے گزر رہا تھا میں نے ایک  
سبزی فروش کو دیکھا کہ وہ سبزی پر پانی پھڑک رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے۔  
يَا بَرَكَةَ النَّبِيِّ تَعَالَى وَانزِلِيْ اے نبی کی برکت آ۔ میرے مکان  
ثُمَّ لَا تَرْتَجِلِيْ۔ پر نازل ہو اور پھر واپس نہ جا۔

قبولیت دعا | نبی کریم علیہ السلام کی کوئی دعا رد نہ ہوتی تھی آپ  
کی دعاؤں کا قبول ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے جیسا کہ ان  
چند واقعات سے ظاہر ہے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی ماں نے حضور علیہ السلام سے  
درخواست کی کہ یا رسول اللہ انس آپ کا خادم ہے آپ اسکے حق میں دعائے  
خیر فرمادیں آپ نے درخواست قبول فرماتے ہوئے انس کے لئے اس طرح دعا کی  
”یا اللہ تو انس کا مال و اولاد زیادہ کر اور جو تو نے اسے نعمت دی ہے اس  
میں برکت دے“ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ”کہ اللہ  
تو اسکی عمر زیادہ کر اور جنت میں میرا رفیق بنا“ یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ حضرت  
انس رضی اللہ عنہ کے باغ میں سال میں دو مرتبہ کھجوریں اترتی تھیں ایک کم  
سو برس عمر پائی اور اولاد سو سے زیادہ ہوئی اخیر عمر میں فرماتے تھے مجھے  
یقین ہے کہ میں جنت میں بھی حضور علیہ السلام کا رفیق بنوں گا۔

جنگ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام  
کے آگے بیٹھے تیر چلار بے تھے اور عرض کر رہے تھے یا اللہ یہ تیر تیری ہی طاقت  
میں ہے تو اس سے دشمن کو ہلاک کر حضور علیہ السلام نے سنا تو دعا فرمائی۔



یا اللہ تو اسکا نشانہ درست فرما اور اس کی دعا قبول کر۔ اس دعلے حضرت سعد ہمیشہ کے لئے مستجاب الدعوات ہو گئے آپ جو دعا کرتے وہ قبول ہوتی اور آپ کا نشانہ ایسا درست ہوا کہ تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔

حضرت نابغہ نبی جعدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایک شعر سنایا جو آپ کو بہت پسند آیا اس موقع پر آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ ”اللہ تیرا دانت نہ گرائے“ حضرت نابغہ کی عمر سو سال سے زیادہ کی ہوئی مگر کوئی دانت نہ گرا۔

حضرت ثابت ابن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک پاؤں بھوٹا ہے زمین پر نہیں لگتا حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی وہ پاؤں ٹھیک ہو گیا اور دوسرے پاؤں کے برابر زمین پر لگنے لگا۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ قحط پڑا۔ جمعہ کے دن حضور علیہ السلام ممبر پر خطبہ دیتے تھے کہ اسی دوران ایک دیہاتی نے عرض کی ”یا رسول ہمارے مال ہلاک ہو گئے اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں آپ ہمارے لئے دعا فرمادیں۔“ یہ سن کر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے حضرت انس فرماتے ہیں ”خدا کی قسم آپ کے ہاتھ اٹھاتے ہی پہاڑوں کی طرح بادل آیا اور آپ کے ممبر سے اترنے سے پہلے بارش ہو گئی میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی ریش مبارک سے ٹپک رہا ہے اس طرح پورے ایک ہفتہ بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ جمعہ آگیا اور آپ خطبہ دینے کے لئے ممبر پر رونق افروز ہوئے کہ وہی دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”یا رسول اللہ ہمارے مکانات گر گئے“ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ”یا اللہ ہمارے ارد گرد پانی برسنا اور ہمارے مکانات سے دور رکھو“ پس آپ جس طرف اشارہ فرماتے بادل دور ہو جاتا یہاں تک



کہ مدینہ کے اردگرد ایک ماہ تک بارش ہوتی رہی جو آتا وہ شدید بارش کی خبر لاتا لیکن مدینہ بالکل صاف تھکا۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے  
**جالوروں کا مطیع ہونا** بیان کیا کہ ایک صحابی حضور علیہ السلام

کے دربار میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرا ایک اونٹ ہے جو سرکش ہو گیا ہے اپنی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھتی جا رہی ہے۔ آپ دربار میں حاضر صحابہ کے ہمراہ اس باغ میں تشریف لے گئے جہاں وہ اونٹ تھا آپ نے دیکھا کہ اونٹ ایک کونہ میں بیٹھا ہے آپ اسکی طرف بڑھنے لگے صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ تشریف نہ لے جائیں یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی طرح ہو گیا ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچائے" آپ نے فرمایا مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں آپ آگے تشریف لے گئے جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ آپ کی طرف بڑھا صحابہ گھبرائے لیکن اونٹ آپ کے سامنے آکر سجدے کی حالت میں گر پڑا آپ نے پیشانی پر سے اس کے بال پکڑے اور اس کے مالک سے کہا اب اس سے کام لو وہ اونٹ اس قدر مطیع ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا مطیع نہ تھا۔

حضرت حمزہ ابن سید نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام ایک جنازے میں ہمارے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے راستے میں ایک بھیڑیا پاؤں پھیلانے بیٹھا تھا حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا "یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس لئے کچھ مقرر کرو" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول کیا مقرر کیا جائے" آپ نے فرمایا "ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ یہ تو بہت ہے" حضور علیہ السلام نے بھیڑیے کی طرف اشارہ



کرتے ہوئے فرمایا: ”یہاں جلد چلا جا“ بھیریا یہ سکر فوراً چلا گیا۔

حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک کشتی پر سوار ہوا اتفاق سے وہ ٹوٹ گئی میں ایک تختہ پر بیٹھ کر خشکی تک پہنچا میں کسی راستہ کی تلاش میں تھا کہ اچانک ایک شیر میرے سامنے آگیا میں گھبرایا اور پھر ہمت کر کے میں نے کہا: ”اے شیر میں حضور علیہ السلام کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں“ یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا میرے قریب آگیا وہ میرے آگے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے یہاں تک کہ اس نے مجھے راستہ پر ڈال دیا اور خود چلا گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے

### درختوں کا مطیع ہونا

فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت کے قریب سے میں گزرتا تھا وہ کہتا تھا ”السلام علیک یا رسول اللہ“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک سفر میں ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھے کہ ایک دیہاتی عرب آپ کے سامنے آیا آپ نے اس سے فرمایا ”کیا تو خدا کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟“ اس نے کہا: ”آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر کون گواہی دیتا ہے؟“ آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ درخت“ پھر آپ نے اسے بلایا حالانکہ وہ درخت آپ سے دور تھا وہ زمین چیرتا ہوا سامنے آگیا آپ نے تین مرتبہ اسے شہادت طلب کی اس نے تین مرتبہ شہادت دی پھر آپ نے اشارہ فرمایا تو وہ درخت اپنی جگہ واپس ہو گیا دیہاتی یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔



حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ سیر کر رہے تھے ہم سب ایک فراخ دادی میں تھے کہ حضور علیہ السلام قضاے حاجت کے لئے ہم سے علیحدہ تشریف لے گئے وادی میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے آپ اوط کر لیتے آپ نے سامنے دو درخت دیکھے آپ ایک کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اللہ کے حکم سے تو میری فریاداری کر پھر آپ دوسرے درخت کے قریب تشریف لے گئے اسکی شاخ پکڑ کر فرمایا "اللہ کے حکم سے تم دونوں مل جاؤ۔" حضرت جابر فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ دونوں درخت مل گئے آپ نے قضاے حاجت کی اور آپ واپس تشریف لا رہے تھے کہ دونوں درخت علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔

**پتھروں کا مطیع ہونا** | حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ مکہ سے باہر تھا میں نے سنا کہ جو درخت یا پہاڑ آپ کے سامنے پڑتا وہ کہتا تھا "السلام علیک یا رسول اللہ"

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام احد پہاڑ پر تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) تھے پہاڑ ہلا آپ نے اپنا پیر مارتے ہوتے فرمایا "اے احد اپنی جگہ ٹھہرا رہ کیونکہ تجھ پر نبی صدیق اور شہید ہیں۔" پس پہاڑ کی حرکت بند ہو گئی۔ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کل تم اور تمہارے بیٹے اپنے گھر سے کہیں نہ جائیں جب تک کہ میں نہ آجاؤں مجھے تم سے ایک کام ہے دوسرے دن آپ ان کے گھر تشریف لے گئے آپ نے سب کو ایک جگہ بٹھایا اور اپنی چادر



ان پر ڈال دی اور اس طرح دعا فرمائی ” اے اللہ یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے اور یہ میرے اہل بیت ہیں اے پروردگار تو ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے اسی طرح چھپالینا جس طرح آج میں نے انکو اپنی چادر میں چھپایا ہے“ حضور کی اس دعا پر گھر کے درو دیوار سے آمین کی آواز آئی۔

اس طرح اگر حضور علیہ السلام کے تمام معجزات کا تفصیلی بیان کیا جائے تو یہ مضمون بہت طویل ہو جائیگا۔ بہر حال یہ چند معجزات بھی آپ کی عظمت کا اعتراف کرنے کیلئے کافی ہیں مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے کمالات کا مطالعہ کر کے اپنے دلوں کو انکی محبت سے گرمانا اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے انکی اتباع کو اختیار کرنا چاہیے اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔





## اُمت پر رسول کے حقوق

ہر شخص پر اس کے والدین، اُستاد، حاکم، پیر اور تمام بڑوں اور  
 بزرگوں کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کرنا اُس شخص کے لئے باعثِ عزت و سکون  
 بھی ہے اور اُخروی نجات کا ذریعہ بھی، اس لئے اسلام نے حقوق العباد  
 کی ادائیگی کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔ اسی طرح ہر اُمت پر اپنے نبی کے بھی کچھ  
 حقوق ہوتے ہیں۔ اور نبی کریم سرورِ کائنات احمدِ مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے حقوق اپنی اُمت پر سب سے زیادہ ہیں کیونکہ آپ کے احسانات  
 بھی اُمت پر بے حد دیے شمار ہیں۔ آپ نے ڈوبتی انسانیت کو سہارا دیا۔  
 سرداروں اور سرمایہ داروں سے غریبوں کو نجات دلانی۔ ظالموں سے  
 مظلوموں کا حق دلایا، یتیموں، غریبوں اور بے سہارا مخلوق کا صاحبِ  
 استطاعت اور اہلِ ثروت کو سہارا بنایا۔ عورتوں کو مردوں کے جبر و استبداد  
 سے نجات دلانی اور مردوں پر ان کے حقوق کا تعین کیا۔ ایک ایسا نظامِ حیات  
 عطا فرمایا جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے کافی اور ذریعہِ صلاح و  
 بہبود ہے۔ آپ نے احکامِ الہی پر عمل کر کے اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ایسا بہترین  
 نمونہ پیش کیا جس کو اپنانے والوں کے لئے رضائے الہی کا حصول سہل اور  
 دنیوی زندگی میں سکون و اطمینان اور آخرت میں نجات یقینی ہوگئی۔ آپ  
 نے اُمتِ مسلمہ کی سیاسی، معاشی، اقتصادی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں



مکمل رہنمائی فرمائی۔ آپ نے دنیا کو عدل و انصاف، ہمدردی اور محبت و مسادات کا پیغام پہنچایا، آپ نے حاکم و محکوم، بادشاہ و عایا، عدلیہ و انتظامیہ اور چھوٹوں بڑوں کے باہمی رشتے واضح اور ان کے حقوق متعین فرمائے۔ آپ نے تہذیب و تمدن کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ نے انسانوں کو ہمدردی اور محبت کا درس دیا۔ آپ نے غرور و تکبر کے بتوں کو مسمار کیا۔ آپ نے رنگ و نسل اور زبان کے امتیازات کو مٹایا۔ آپ نے پتھر کھا کر کانٹوں کو برداشت کر کے، غزوات کی صعوبتوں کو جھیل کر اور دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کر کے اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ آپ نے راتوں کو جاگ کر، دن کے روزے رکھ کر اُمت کے لئے طلبِ مغفرت کی۔ اور خدا کے یہاں گنہگاروں کی شفاعت کا حق حاصل کیا۔ آپ نے حصولِ جنت اور دوزخ سے بچنے کے طریقے بتائے۔ آپ ہی کی وجہ سے اس اُمت کو بہترین اُمت ہونے کا شرف ملا۔ آپ کی وجہ سے قیامت تک عالمگیر عذابِ الہی سے انسانوں کو نجات نصیب ہوئی۔ آپ ہی کے ذریعہ اُمت کو خدا کی آخری کتاب قرآن کریم ملی جو نبی نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنی۔ غرضیکہ اُمت پر نبی کریم علیہ السلام کے بیشمار احسانات ہیں۔ اور ہر ایک کا حق اس کے احسان ہی کے مطابق مقرر ہے اولاد پر ماں باپ کے حقوق تمام رشتہ داروں کی یہ نسبت اسی لئے تو زیادہ ہیں۔ کہ ان کے احسانات بھی سب سے زیادہ ہیں اور والدین — ہی کی وجہ سے تمام رشتے قائم ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح حضور علیہ السلام کے حقوق اُمت پر سب سے زیادہ ہیں اور جس سے بھی جو تعلق پیدا ہوا ہے اس کا دراصل ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں۔ اُمت کی انفرادی و اجتماعی کامیابی و کامرانی آپ کے حقوق کی ادائیگی پر موقوف ہے جس دود میں اُمت نے ان حقوق کو ادا کیا



اللہ نے عزت بھی دی۔ اور سکون و اطمینان کی زندگی بھی اور جب امت نے  
 حقوقِ رسول کی ادائیگی سے غفلت برتی تو خدا کی طرف سے ذلت و خواری مسلط  
 ہوئی۔ نبی کریم علیہ السلام کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی مندرجہ  
 ذیل آیات، چند احادیث اور واقعات سے ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم کیا  
 جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے کس قدر احتیاط اور اہتمام کے ساتھ ان حقوق کو ادا کیا  
 اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

### ترجمہ و مفہوم آیات

نہ لایا پس ہم نے کافروں کے لئے آگ تیار

کر رکھی ہے (سورہ فتح)

ایمان کو ذریعہ نجات سمجھنے والوں کے لئے فروری ہے کہ وہ صرف خدا  
 پر ایمان کو ہی ذریعہ نجات نہ سمجھ بیٹھیں بلکہ انہیں خدا کے رسول کا یہ حق ادا کرنا  
 ہوگا کہ وہ رسول پر بھی ایمان لائیں۔ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت  
 ان کے آخری نبی ہونے اور خدا کی طرف سے ان کو ملے ہوئے تمام کمالات کا یقین  
 کریں اور قلب و زبان سے ان کو اسی طرح تسلیم کریں جس طرح وہ خدا کی وحدانیت  
 کو مانتے ہیں۔ اسی لئے کلمہ طیبہ میں لا ایلہ الا اللہ کے ساتھ محمد الرسول اللہ پڑھنا لازمی  
 ہے۔ خدا پر ایمان نہ رکھنے والا رسول سے وابستگی میں جھوٹا ہے۔ اور رسول کا  
 منکر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا  
 لازم و ملزوم ہے۔ اور جس نے ایسا نہ کیا۔ رسول کے اس حق کو تلف کیا وہ خود کو  
 کتنا ہی مسلمان کہتا رہے لیکن وہ کافروں میں شمار ہوگا۔ اور اس کے لئے وہی  
 نار جہنم ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۲۔ اور جو کچھ رسول تمہیں دے دے اس کو لے لو اور جس سے وہ تم کو

منع فرمائیں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا



رسول کا یہ حق ہے کہ امتی ان پر مکمل اعتماد کریں اور یہ یقین کریں کہ صرف رسول ہی ان کی دنیوی و اخروی کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے اور رسول کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل ذریعہ عزت و عظمت ہے اور امتی تباہی و بربادی سے اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جبکہ وہ ہر اعتبار سے رسول کو اہمیت اور فوقیت دیں۔ یہاں تک کہ وہ رسول کی کسی بات پر تامل تک نہ کریں اور جو رسول کرنے کا حکم دے اس کو کریں اور جن باتوں سے رسول بچنے کا حکم دے ان سے وہ بچیں۔ یہی مسلمانوں کے لئے مناسب ہے۔ اگر کسی نے رسول کے اس حق کو تسلیم نہ کیا تو اس کے لئے عذاب الہی مقرر ہے اور خدا کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے (اللہ محفوظ رکھے)۔

۳۔ تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر (ال عمران)

مسلمان ہونے کے لئے صرف اللہ کی اطاعت کافی نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں جب تک کہ رسول کی اطاعت نہ ہو پس ہر امتی پر یہ رسول کا حق ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی کرے۔ وہ جن احکام کی بھی پابندی کرے یہ تصور رکھے کہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز ہو روزہ ہو یا زکوٰۃ یا حج حقوق اللہ کی ادائیگی کا معاملہ ہو یا حقوق العباد کی ادائیگی حتیٰ کہ شریعت کی ہر بات پر عمل مسلمان صرف اس لئے کرتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ تصور جس قدر مضبوط ہوگا۔ اتنا ہی نبی کا حق ادا ہوگا۔ اور جس نے اس تصور کو چھوڑا اور یہ خیال کر بیٹھا کہ رسول سے میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ انہوں نے باتیں بتا دیں اب میرا معاملہ رسول کے بغیر براہ راست خدا



سے ہو گیا۔ تو یہ شخص بگراہ ہو گیا۔ اور خدا ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتا  
۴۔ فرمادہ جیسے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو  
دوست بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے  
(سورہ العنبر)

اتباع و پیروی بھی رسول کا حق ہے اور یہ حق اتنا اہم ہے کہ خدا کسی کا  
دعوئے محبت اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک وہ رسول کی پیروی  
نہ کرے کیونکہ خدا کا نام لینے والے ہر بندے نے خدا کے وجود کا علم رسول ہی سے  
تو حاصل کیا ہے اب خدا کے یہاں کس طرح کسی ایسے شخص کی محبت قابل قبول ہو  
سکتی ہے جو رسول کا واسطہ چھوڑ کر خدا تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے  
پس جو کوئی خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ رسول کی اتباع  
و پیروی اختیار کرے اور جو رسول کا یہ حق ادا کریگا اس پر خدا کا یہ انعام ہوگا کہ خدا  
اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اس کے تمام گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ بلاشبہ  
رسول کا حق ادا کرنے والوں کے لئے یہ خدا کا عظیم انعام اور اچھا بدلہ ہے۔

۵۔ بیشک تمہارے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس  
شخص کے لئے جو اللہ سے اپنے عمل کی جزا اور آخرت میں بھلائی کی توقع رکھتا  
ہے اور جس نے اللہ کو یاد رکھا۔ (سورہ احزاب)

یہ امت مسلمہ کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے ایسا رسول عطا فرمایا جس کا  
ہر عمل اور قول مرضی الہی کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے جو کہا وہ کر کے دکھایا  
اور اس طرح امت کے لئے شریعت کو اپنانا اور احکام الہی پر عمل کرنا سہل ہو گیا  
پس ایسے عظیم رسول کا یہ حق ہے کہ امتی اس کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنائیں ان کی  
زندگی ایسی کامل اور مکمل ہے کہ ہماری زندگی صرف ان ہی سے وابستہ ہو کر مکمل



تک پہنچ سکتی ہے۔ پس جو شخص بھی اللہ سے اپنے اعمال کی بہترین جزا چاہتا ہے۔  
آخرت میں بلند مقام کا خواہاں ہے اور اس کا دل خدا کی یاد سے آباد ہے اسے  
رسول کا یہ حق ادا کرنا چاہیے اور اس راہ سے بھٹکنے والا ہرگز کامیابی کی منزل کو  
نہیں پاسکتا۔

۶۔ نبی مومنین کے لئے ان کی جانوں سے قریب تر ہیں اور نبی کی بیویاں

ان کی مائیں ہیں۔ (سورۃ احزاب)

اُمّتی کا نبی سے زیادہ کوئی ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ وہ اسی دنیا میں رہے  
تو اُمت کی فلاح و بہبود کے لئے مصائب و آلام برداشت کرتے اور خدا سے اُمت  
کے لئے دعا کرتے رہے اور اس دنیا سے ظاہری پردہ فرما جانیکے باوجود بھی وہ اُمت  
کے حال پر نظر رکھتے ہیں۔ اُمّتیوں کے اچھے اعمال سے خوش ہوتے اور ان کی برائیوں  
آپ کو دکھ پہنچاتی ہیں۔ پس اُمّتیوں کو چاہئے کہ وہ اپنا ماضی، مستقبل اور حال  
صرف نبی سے ہی وابستہ کریں۔ کیونکہ کامیابی کا یہ ذریعہ بالکل اسی طرح قابلِ اعتماد  
ہے۔ جس طرح ایک بیٹے کے لئے اس کے صالح باپ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ نبی کا اپنی اُمت  
سے ظاہری اور مادی باپ سے کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم رشتہ ہے اسی لئے  
تو نبی کی بیویاں اُمّتیوں کی ماں قرار دی گئی ہیں۔ ہر اُمّتی کو اس مقدس رشتے  
کا خیال رکھتے ہوئے نبی کا حق ادا کرنا چاہئے۔ جس نے نبی کے حقوق ادا کئے وہ نبی کا ہی  
ہو جاتا ہے۔ اور جو نبی کا ہو گیا اس کا خدا ہو جاتا ہے۔ اور جس کا خدا ہو گیا ساری  
خدائی پراس کی عظمت و عزت، رُعب و رعبہ غالب آجاتا ہے۔ مخلوق خدا اسکی  
محتاج ہو جاتی ہے اور اس کے احکام کی پابند ہو جاتی ہے۔ ایسے خوش نصیب  
افراد پر نہ کوئی خوف طاری ہو سکتا ہے اور نہ انہیں آخرت کے انجام کا غم  
رہتا ہے۔



۴۔ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور

تمہاری عورتیں اور تمہارا قبیلہ اور کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کا نقصان ہونے سے تم ڈرتے رہتے ہو اور گھر جو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ تا فرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورہ توبہ)

رسول کا امتی پر یہ بھی حق ہے کہ ہر معاملہ میں امتی رسول کے احکام کو کو فوقیت دیں، والدین اولاد، رشتہ داروں، مال و دولت و تجارت و جائیداد ہر چیز سے محبت کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کی ایک حد ہے اور وہ یہ کہ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے روکے تو اس کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول پر قربان کرنا ہوگا۔ اس لئے وہ اولاد اور رشتے دار ملنے جلنے کے قابل نہیں جو بد عقیدہ یا بد کردار ہوں وہ مال و دولت استعمال کے لائق نہیں جو سود، رشوت، چوری یا کسی بھی ناجائز اور غیر قانونی ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو اور ایسی تجارت کر سکی بالکل اجازت نہیں جو حرام چیزوں کی ہو، جیسے شراب، خمر، زہر وغیرہ چاہے ایسی تجارت میں کتنا ہی فائدہ ہو اور ایسی جائیداد سے نائدہ حاصل کرنے کی اجازت نہیں جو حرام مال سے یا کسی کا حق مار کر بنائی گئی ہو۔ ان تمام چیزوں کو اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق چھوڑنا ہوگا۔ رسول کا یہ حق اس قدر اہم ہے کہ اگر کسی نے اس سے غفلت اختیار کی۔ اس طرح کہ وہ احکام رسول کی پروا کئے بغیر دنیا کی ان چیزوں میں الجھ گیا تو اس کو خدا کے عذاب کا انتظار کرنا چاہئے اس حق تلفی پر مطمئن نہ ہو یا ایسا شخص دنیا ہی میں عذاب الہی میں مبتلا ہوگا۔ ورنہ آخرت



میں اس کو سزا فرور بھیگتا ہوگی۔ بہر حال عذاب الہی اس کا مقدر ہو چکا ہے (اللہ محفوظ رکھے)۔

۸۔ ہم نے آپ کو احوال بتانے والا اور خوشخبری دینے والا —

ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم کرو۔ اور خدا کو صبح و شام پاکی کے ساتھ یاد کیا کرو (سورہ فتح)

نبی کریم علیہ السلام نے ماضی کا حال بھی بتایا اور مستقبل کی خبریں بھی دیں، قبر و حشر کی باتیں بھی بتائیں اور آخرت میں ہونے والے واقعات کی بھی اطلاع دی۔ آپ نے مومنین کو جنت کی خوشخبری سنائی اور کافر و کفر کو جہنم کی آگ سے ڈرایا۔ پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ اس رسولِ مکرم صلیہ السلام کا اُمت پر یہ حق ہے۔ کہ وہ ان کی تعظیم کریں۔ ان کا احترام کریں اور تعظیم و احترام پورے کمال کے ساتھ ہو۔ جب اُمتی رسول کا یہ حق ادا کرتے ہوئے خدا کی پاکی بیان کریں گے۔ تو انہیں رب کی خوشنودی نصیب ہوگی رسول کی تعظیم و احترام نہ کرنے والا یا ان کو ایک عام انسان ہی کی طرح خیال کرنے والا کتنا ہی خدا کی عبارت کیے اور پاکی بیان کرے وہ قرب الہی کا بلند مقام ہرگز نہیں پاسکتا۔ اس حق کو اُمتی جس طرح چاہیں ادا کریں۔ لیکن قرآن کریم نے خاص طور پر چند آداب کا ذکر کیا ہے۔ جن کا خیال رکھنا کمال تعظیم و توقیر کے لئے ناگزیر ہے۔ ارشاد فرمایا گیا۔

اے ایمان والو! تم رسول کو راعنا مت کہو اور انظرنا کہو اور (رسول

کی بات) بغور سنو اور کافر و کفر کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورہ بقرہ)

تم اپنے درمیان رسول کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایک دوسرے

کو پکارتے ہو (سورہ نور)



لے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے  
 ڈرو، بیشک اللہ سننا جانتا ہے اور اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے  
 اونچی نہ کرو۔ اور ان کے دربار میں چیخ کرنے بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے  
 سامنے چلائے رہتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال بیکار نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو  
 بے شک جو لوگ رسول کے دربار میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہی ہیں جن کا دل  
 اللہ نے پرہیزگاری کے لئے آزمایا ہے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب  
 ہے۔ بیشک وہ جو آپ کو (اے رسول) جردوں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر  
 بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر کر لیتے تو یہ ان کے  
 لئے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ الحجرات)

تعظیم و توقیر کے یہ وہ طریقے ہیں جن کا عام طور پر خیال نہیں رہتا  
 مثلاً کسی کو ایسے الفاظ سے اپنی طرف متوجہ کرنا جو عام لوگوں کے لئے استعمال کئے  
 گئے ہوں اہل عرب اس مقصد کے لئے راعنا کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کی نعت  
 فرما کر انظرنا سے رسول کو خطاب کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان دونوں الفاظ میں اتنا  
 ہی فرق ہے جتنا ہمارے یہاں سنو اور توجہ فرمائیے میں ہے۔ رسول کے لئے ایسے  
 عام الفاظ کا استعمال، رسول سے عامیانہ اور بے تکلفانہ گفتگو، کسی بھی اعتبار  
 سے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش، رسول کے دربار میں بلند آواز سے بولنا  
 رسول کے سامنے چلا چلا کر باتیں کرنا ان کے حق و تعظیم و توقیر کے خلاف  
 ہے اور جو شخص اس حق کو ملحوظ نہیں رکھے گا۔ اس کی نہایت احتیاط سے ادا کی  
 ہوئی عبادتیں اور تمام نیکیاں ایسے برباد ہو سکتی ہیں کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے گا۔  
 اسی طرح رسول کو اپنی ضرورت کے لئے پکار لینا نہایت ہی بے وقوفی کا عمل ہے  
 ہاں جو لوگ ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے دربار رسالت میں اپنی آوازیں کو پست



رکھتے ہیں۔ اور رسول سے ملاقات کے لئے اپنے دقت کی قربانی دیتے اور صبر کیساتھ ان کے باہر تشریف لے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ متقی ہیں۔ اللہ ان کے گناہ معاف فرمادیتا ہے ان کو اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

۹۔ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے رہتے ہیں

ایمان والو تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو (سورہ احزاب)

جس نبی مکرم علیہ السلام نے کسی حال میں اُمت کو فراموش نہ کیا۔ بلاشبہ وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اُمت ہر دقت ہر حال میں اور ہر جگہ ان کو یاد رکھے وہ نبی تو دنیا سے ظاہری پر وہ فرما جانے کے بعد بھی اُمت سے غافل نہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ جب اُمت ان کی اتباع اور پیروی کرتی اور احکام الہی کی پابندی کرتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب اُمت کا کوئی گروہ یا فرد برائیوں یا گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو انہیں بہت ہی بار معلوم ہوتا اور دکھ پہنچتا ہے تو قیامت تک آنے والے اُمتیوں کو ان کی رضا حاصل کرنے اور ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی غرض سے ان کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ اور ان کے ذکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُمت ان کے دربار میں صلوة و سلام کا ہدیہ پیش کرتی رہے۔ جو کہ خدا اور اس کے فرشتوں کا بھی عمل ہے گویا اس عمل کو اختیار کرنے والے خدا اور اس کے فرشتوں کی سنت پر بھی کاربند ہو جاتے ہیں۔ خدا اپنے نبی پر ہر آن رحمتوں کا نزول فرماتا ہے اور فرشتے ہر دم خدا کے دربار میں رسول کے لئے استدعا کرتے رہتے ہیں۔ پس خوش نصیب ہیں وہ بندے اور اجر عظیم کے مستحق ہیں وہ اُمتی جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نزول رحمت و برکت کی دُعا میں کرتے رہیں۔

بہر حال قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہے کہ اُمت پر حضور علیہ السلام



کے کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اُمّتوں کے لئے لازم ہے۔ اور جن سے غفلت کرنے والے احسان فراموش ہیں۔ جو کبھی اپنی منزل کو نہیں پاسکتے۔ یہاں جن حقوق کا تذکرہ ہے وہ یہ ہیں۔

رسول کی اتباع و اطاعت، رسول سے محبت، رسول کی تعظیم و توقیر  
رسول کے دربار میں درود و سلام پیش کرنا

ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ احادیث اور واقعات سے ہو سکتا ہے  
جو تفصیل کے ساتھ کتب میں موجود ہیں۔ ان میں چند یہاں پیش ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے  
**رسول کی اتباع و اطاعت** بیان کیا کہ ایک درزی نے حضور علیہ

السلام کی دعوت کی میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ صاحب خانہ نے جو کی روٹی  
اور شوربہ آپ کو پیش کیا۔ شوربے میں خشک کیا ہوا نمکین گوشت اور  
لوکی تھی۔ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ برتن کے کنارے سے انگلیاں  
ڈال کر لوکی کے ٹکڑے نکالتے اور تنا دل فرماتے اسلئے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو  
لوکی بہت پسند ہے اسی دن سے مجھے کوئی کھانا پسند نہیں آتا جس میں لوکی شامل  
نہ ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام کے وصال کے  
بعد اس لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیا جس کو حضور علیہ السلام نے خود تیار کیا تھا  
اور اس کا سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما دیا تھا۔ اس موقع پر کسی  
نے تجویز پیش کی کہ اسامہ نوجوان ہیں۔ مناسب ہوگا کہ کسی معمر تجربہ کار آدمی  
کو سالار لشکر مقرر کر دیا جائے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا۔ "ابو بکر کی یہ مجال  
کیسے ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو اللہ کے رسول نے سردار مقرر کیا ابو بکر اس کو عزت



کر کے دوسرا سردار مقرر کر دے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کا یہ واقعہ ہے کہ آپ نے اپنے وصال سے چند گھنٹہ پہلے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ حضور علیہ السلام نے کس دن وفات پائی اور آپ کو کتنے کپڑوں میں دفن کیا گیا۔

اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ جس طرح پوری زندگی حضور علیہ السلام کی پیروی کرتے رہے اسی طرح آپ کی یہ خواہش تھی کہ مرتے وقت کا آخری عمل بھی حضور ہی کے مطابق ہو۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو کفن کے کپڑے بھی اتنے ہی ہوں جتنے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کرتے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ "اے پتھر میں جانتا ہوں کہ تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان میں تجھے صرف اس لئے بوسہ دیتا ہوں کہ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ نے اس کو خرد کمال کر پھینک دیا اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کی انگاری اپنے ہاتھ میں ڈالے؟ مجلس سے حضور علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے ان صحابی کو مشورہ دیا کہ اس انگوٹھی کو اٹھا لو فروخت کر کے اس کی رقم حاصل کر لینا۔ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم جب اس کو اللہ کے نبی نے پھینک دیا تو اب میں اس کو ہرگز نہیں اٹھاؤں گا اور نہ ہی میں اس سے کوئی فائدہ حاصل کروں گا۔"



حضرت عوف ابن الحارث نے حضور علیہ السلام سے پوچھا "یا رسول اللہ خدا کو اپنے بندے کی کونسی بات پسند ہے؟" حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "جب وہ بے زرہ ہو اور اپنا ہاتھ دشمن کے خون میں ڈبو دے" حضرت عوف زرہ پہنے ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سنتے ہی آپ نے زرہ اتاری اور میدان جنگ میں کود پڑے اور اتنا جہاد فرمایا کہ بالآخر شہید ہو گئے۔

حضرت کعب ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں

تمام غزوات میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شریک رہے لیکن سب سے آخری غزوے غزوہ تبوک میں کچھ تساہل ہو گیا۔ اور شریک نہ ہو سکے۔ نبی کریم علیہ السلام غزوے سے واپس تشریف لائے تو وہ تمام صحابہ حاضر دربار ہوئے جو غزوے میں شریک نہ تھے۔ حضور علیہ السلام نے سب سے عدم شرکت کی وجہ معلوم کی سب نے عذر پیش کئے جو مقبول ہوئے۔ حضرت کعب کو سنا بھتیوں نے مشورہ دیا کہ آپ بھی کوئی عذر پیش کر دیں۔ لیکن آپ نے غلط بیانی سے گریز کیا۔ اور صفائی سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بس تساہل کے سبب شریک نہ ہو سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حکم خدا کا انتظار کرو۔ ساتھ میں آپ نے یہ بھی اعلان فرمادیا کہ جیب تک کعب کی غلطی معاف نہ ہو کوئی ان سے بات نہ کرے اب حضرت کعب کی یہ کیفیت تھی۔ کہ مسجد حاضر ہوتے ہی نماز سے فارغ ہو کر ایک کونہ میں بیٹھ جاتے۔ نہ حضور علیہ السلام آپ پر توجہ فرماتے اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی آپ سے گفتگو کرتا۔ یہاں تک کہ آپ ایک دن اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جو آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لیکن آج ابو قتادہ نے بھی توجہ نہ کی! ایسی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ تو حضور علیہ السلام کا آپ کو پیغام ملا۔ کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ کعب کے لئے اگرچہ یہ ایک بڑی آزمائش



تھی۔ لیکن آپ نے اس پیغام کو بھی اپنے لئے رحمت جانا اور معلوم کیا کہ کیا میں بیوی کو طلاق دے دوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں علیحدہ کر دو۔ حضرت کعب نے بیوی کو میکے روانہ کر دیا۔ پورے پچاس دن کے بعد حضور علیہ السلام نے صحابہ کو خبر دی کہ کعب کی توبہ قبول ہوگئی۔ حضرت کعب کے مکان کے قریب ایک ٹیلہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ٹیلے پر کھڑے ہو کر آواز دی اور بتایا کہ تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور دوڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ ”کعب تمہاری زندگی میں آج تک ایسا مبارک دن نہیں آیا تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔“

حضرت کعب نے خوش ہو کر عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ اس خوشی کے موقع پر میں اپنا تمام مال صدقہ کرتا ہوں۔“ حضور نے فرمایا۔ نہیں مال کا ایک حصہ صدقہ کر دو۔ حضرت کعب نے خیر کا حصہ صدقہ کر دیا۔ اور کہا اللہ نے میری سچائی کے باعث مجھ پر یہ انعام فرمایا ہے۔ انشاء اللہ آخر دم تک میں سچائی کو نہ چھوڑوں گا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا رنگ سیاہ تھا۔ شکل و صورت کے بھی اچھے نہ تھے۔ عام طور پر ان کو سعد الاسود کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ ایک دن انہوں نے حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہو کر خواہش ظاہر کی۔ کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا عمرو بن وہب ثقفی کے پاس جاؤ ان کی جوان لڑکی ہے۔ ہماری طرف سے ان کو اپنا پیغام دے دو۔ حضرت سعد، عمرو بن وہب کے پاس پہنچے اور انہیں حضور علیہ السلام کے فرمان سے مطلع کیا۔ عمرو بن وہب نو مسلم تھے۔ مزاج میں ابھی جاہلیت کی بود و باش تھی۔ حضرت سعد کی صورت دیکھ کر انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے انکار



کر دیا۔ کہیں یہ بات ان کی لڑکی نے سن لی۔ وہ دوڑی آئیں اور کہنے لگیں۔ "اگر حضور  
 علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کروں گی اور  
 باپ سے کہا "خدا کا خوف کر دو تم نے رسول کے حکم کو ٹالنے کی کوشش کی ابھی  
 دربار رسالت میں حاضر ہو کر معافی طلب کرو اور میرے رشتے کو تسلیم کرنے کی خبر  
 دو۔" حضرت عمر دین دہب حضرت سعد ہی کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے  
 معافی چاہی اور نکاح کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ حضور علیہ السلام نے  
 ان کو معاف فرماتے ہوئے حضرت سعد سے فرمایا "جدا تمہارا نکاح ہو گیا حضرت  
 سعد ابھی نکاح کی تیاریوں میں مصروف ہی تھے کہ بازار میں کچھ خرید و فروخت  
 کرتے ہوئے آپ نے اعلان جہاد سنا۔ مدتوں سے جس شادی کی آرزو تھی اس کی پڑا  
 کئے بغیر شکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ اور میدان جنگ میں پہنچ کر جام شہادت  
 نوش کیا۔ حضور علیہ السلام سعد کی لاش پر پہنچے ان کا سراپا گو د میں رکھ کر  
 اُن کے لئے دعائے مغفرت کی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں نے سعد کا نکاح عمر دین  
 دہب کی لڑکی سے کر دیا تھا لہذا سعد کے سامان کی وہی وارث ہوگی۔ اس کو  
 سامان پہنچا دیا جائے۔ اور عمر دین دہب کے گھر والوں سے کہو کہ "خدا نے سعد کو  
 تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی عطا فرمادی ہے اور اس کی شادی جنت میں ہوگی"  
 حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ عمان سے مدینہ منورہ تشریف  
 لے جا رہے تھے کہ انہیں راستے میں مسیلمہ کذاب (جھوٹے مدعی نبوت) کا لشکر مل گیا  
 اور آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسیلمہ نے آپ سے پوچھا۔ "محمد بن عبد اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خدا کے آخری اور سچے  
 نبی ہیں۔ مسیلمہ نے کہا۔ "تمہیں یہ کہو کہ مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے۔ حضرت حبیب نے  
 نہایت حقارت سے اس پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری



سچے رسول ہیں۔ مسیلہ نے تلوار ماری اور آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ پھر لوچھا کہ اب کیا کہتے ہیں۔ حضرت حبیب نے وہی جواب دیا۔ آپ پر تلوار کا دوسرا وار ہوا اور دوسرا ہاتھ کٹ گیا۔ مسیلہ نے پھر سوال کیا آپ کا جواب وہی تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسم کے ٹکڑے ہوتے رہے اور آپ تلوار کے ہر وار پر فرماتے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔“

حضرت عباس ابن عبدالمطلب کا مکان مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا جس کے پرنا لے سے بارش میں مسجد آنے جلنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ نے اس پرنا لے کو نکلوا دیا۔ حضرت عباس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا قسم خدا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پر کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک سے یہ پرنا لے لگایا تھا۔ حضرت عمر سنتے ہی لرز گئے اور فرمانے لگے اے عباس تم ابھی میری گردن پر کھڑے ہو کر اس پرنا لے کو اسی جگہ لگا دو۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں وہ حدیث بیان کی گئی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لوکی بہت پسند تھی۔ اور حضرت انس کو کسی کھانے میں مزانہ آتا تھا جب تک کہ لوکی موجود نہ ہو یہ حدیث سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا کہ مجھے لوکی بالکل پسند نہیں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تلوار نکالی اور فرمایا

جِدِّدِ الْاِيْمَانَ وَالْاَقْتِلَاكَ  
ایمان کی تجدید کرورنہ میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔

یہ چند واقعات ذکر کئے گئے جو یہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی اور اطاعت و فرمانبرداری کا حق کس طرح ادا کیا۔ انہوں نے حضور علیہ



السلام کی رضا اور ان کے احکام کی پابندی میں ان پر کسی چیز کو قربان کر دینے سے کسی وقت بھی گریز نہ کیا۔ وہ کبھی یہ نہ سوچتے اور نہ پوچھتے تھے کہ ان کو ایسا حکم کیوں دیا گیا۔ وہ حکم کے منتظر رہتے تھے اور اس کی تعمیل کو اپنی کامیابی و نجات کا ذریعہ یقین کرتے تھے۔ بلاشبہ اتباع و اطاعت کا حق اسی قدر اہم ہے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے اسرار، جان کے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک ہرگز مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ "قسم اس ذات کی جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل کی بے شک آپ میرے نزدیک میری اس جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "الآن یا عمر۔ اے عمر اب تم مومن (کامل) ہوئے۔"

جنگ احد میں ایک صحابیہ کے باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ جن کی اطلاع آپ کو ملی، علیحدہ ملی۔ آپ پر خبر دینے والے سے صرف یہ سوال کرتیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خیریت سے ہیں تو عرض کرنے لگیں۔

کل مصیبة بعدک جمل  
اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت  
آسان ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں اپنے باپ کو قتل کیا۔



حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر ہی میں اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔ اسی دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لڑکے عبدالرحمن (جو بعد میں مسلمان ہوئے) میدان جنگ میں نظر آئے تو خود حضرت ابو بکر تلوار تان کر آگے بڑھے لیکن حضور علیہ السلام نے ان کو روک دیا۔ جنگ احد میں حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔

حضرت زید ابن وثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان ابن امیہ نے اس لئے خرید لیا کہ انہیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کر ڈالے۔ جب آپ کو شہید کرنے کے لئے عرم کے حدود سے باہر لے جایا گیا تو اس وقت ابوسفیان رجا تیک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہاں موجود تھے انہوں نے بطور آزمائش حضرت زید سے سوال کیا کہ زید تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہیں آزاد کر دیا جائے اور تمہاری جگہ محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت نے فرمایا۔ قسم خدا کی میری بوٹیاں کر دی جائیں لیکن میں اتنا بھی برداشت نہیں کروں گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کلنے کی بھی تکلیف پہنچے۔ ابوسفیان کہنے لگے۔ قسم بخدا میں نے کسی کو اپنے سردار سے اتنی محبت کرنے والا نہ پایا جتنی محبت اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن ابن سعد نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سو گیا۔ مجلس میں حاضر کسی شخص نے بتایا کہ آپ اس کا نام لیں بس سے آپ کو سب سے زائد محبت ہو۔ حضرت عمر نے فوراً حضور علیہ السلام کا اسم مبارک لیا اور آپ کا پیر ٹھیک ہو گیا۔ یہ مجرب عمل ہے کہ اگر پیر سو جائے تو درود شریف پڑھا جائے فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک میری جان اور میری



اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ہم میں موجود ہیں۔ میں اپنے عیال میں ہوتا ہوں جب آپ کا خیال آتا ہے حاضر دربار ہو کر زیارت کر لیتا ہوں۔ تسلی ہو جاتی ہے لیکن جب میں اپنی موت کو اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو اس خیال سے تڑپ جاتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ تو دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں رونق افروز ہوں گے اور میں جنت کے عام معمولی درجے میں ہوں گا۔ پھر کس طرح مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور کیسے میں اپنی تسلی کر سکوں گا۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس شخص کی یہ گفتگو سن کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جبریل امین اللہ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے۔

اور جو کوئی اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی پیغمبروں، صدیقیوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔ (سورۃ النساء)

غزوہ بدر میں فیبی امداد اور کامیابی کا ثرۃ الہی سننے کے بعد حضور علیہ السلام نے لشکر اسلام سے مخاطب ہو کر فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج جو شخص بھی کافروں کے مقابلے میں آئے گا اور صبر کرتے ہوئے ثواب سمجھ کر اس حال میں قتل ہو جائے گا کہ آگے بڑھتا ہوا ہو پیچھے ہٹاتا ہوا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تھا کہ صحابہ کرام جام شہادت نوش کرنے کے لئے بے چین ہوئے اور ہر ایک یہ چاہنے لگا کہ میدان جنگ میں جانے کا موقع پہلے اس کو ملے۔ حضرت عمیر ابن الحمام رضی اللہ عنہ کھجور کھا رہے تھے وہ پھینکتے ہوئے بولے کیا میرے اور جنت کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ ہے کہ میں کافروں سے لڑوں اور قتل ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر میدان میں کود پڑے خوب داد شجاعت دی۔ بہادری کے جوہر دکھائے۔ اور مردانہ وار شہید ہو گئے۔



حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگِ احد میں اس وقت حضور علیہ السلام کے قریب تھے۔ جب میدانِ جنگ میں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ بہت سے صحابہ غلط فہمی کا شکار ہو کر میدانِ جنگ چھوڑ چکے تھے اور کفار نے حضور علیہ السلام کو نرغے میں لے لیا تھا۔ حضرت طلحہ نبی کریم علیہ السلام کو کفار سے بچانے کی کوشش میں اپنے ہاتھوں اور پیٹھ دسینہ پر نیر دل کو روک رہے تھے۔ کافروں کے تیروں سے آپ کی کچھ انگلیاں کٹ گئی تھیں اور کچھ بالکل شل ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس کے باوجود آپ نے موقع نکال کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے جبلِ احد پر ایک محفوظ جگہ پہنچایا۔ جنگ کے بعد جب آپ کے زخم دیکھے گئے تو ستر سے زیادہ تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر خیر کا لقب دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو صاحبِ احد کہا کرتے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا کچھ قرصہ ایک مشرک عاص بن دائل پر تھا۔ جب آپ نے اس سے تقاضہ کیا۔ تو اس نے جواب دیا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑو گے ایک پیسہ بھی ادا نہ کروں گا۔ حضرت خباب نے فرمایا۔ قسم بخدا یہ تو دولت ہے اگر میری جان بھی چلی جائے تب بھی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کس طرح حضور علیہ السلام سے محبت کا حق ادا کیا سچ یہ ہے کہ جس نے رسول سے محبت کی وہ اللہ کا پیارا ہو گیا۔ اور جو اللہ کا پیارا ہو جاتا ہے ساری مخلوق اسی کی ہو جاتی ہے۔ رسول سے محبت نہ کرنے والا دنیا و آخرت میں اسی طرح ذلیل و خوار ہوتا ہے کہ وہ خدا کے فضل و کرم کے لائق ہی نہیں رہتا۔

ذیقعد ۱۰ھ حضور علیہ السلام بارادہ عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے آپ کو

رسول کی تعظیم



مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور حضور علیہ السلام کو مکہ سے باہر ہی مقام حذیبہ پر قیام کرنا پڑا اس موقع پر کافروں سے معاہدے کی غرض سے حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور کفار کی طرف سے عہدہ ابن مسعود جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، نمائندہ مقرر ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے یہاں عہدہ نے جو کچھ دیکھا اور جو ان پر اثر ہوا اس کو کفار مکہ کے پاس جا کر اس طرح بیان کیا۔

اے میری قوم قسم بخدا میں بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے لیکن میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہ دیکھا جس کے اصحاب سکی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم کرتے ہیں خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ جب انہوں نے تھوکا تو وہ اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرا اور انہوں نے اس کو اپنے منہ اور جسم پر مل لیا جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے تو وہ اس کی تعمیل کے لئے دوڑتے اور جب وہ وضو کرتے تو ان کے وضو کے پانی کے لئے آپس میں جھگڑتے اور جب بات کرتے تو ان کے اصحاب اپنی آوازیں دھیمی کر لیتے اور احترام و تعظیم کے سبب ان کی طرف نگاہ نہیں کرتے (میں کہتا ہوں کہ انہوں نے تم پر ایک اہم چیز اسلام پیش کی۔ بہتر ہے کہ تم اس کو قبول کرو۔)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز اور انصار کے خطیب تھے۔ جب خدا کا یہ حکم نازل ہوا کہ تم اپنی آواز کو رسول کی آواز پر بلند نہ کرو، تو ثابت گھر بیٹھ گئے اور دن رات



یہ سوچ کر روایا کرتے کہ میں تو حضور کے دربار میں اونچی آواز سے بولنے پر مجبور ہوں۔  
 اس طرح تو میرے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور میں دربار رسالت میں  
 حاضر ہونے سے بھی محروم رہوں گا۔ چند دن گزرے کہ حضور علیہ السلام نے اہل مجلس سے  
 دریافت فرمایا: "ثابت کیا کہیں کچھ بیمار تو نہیں ہو گئے؟" یہ بات حضرت ثابت  
 کے پڑوسی حضرت سعد نے ان کو بتائی اور دربار میں ان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ معلوم  
 کی۔ جب ثابت نے ان کو اپنا حال بتایا تو حضرت سعد نے حضور علیہ السلام کی خدمت  
 میں سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا: "ثابت کو بلاؤ اور ان کو خوشخبری سادو کہ وہ  
 جہنمی نہیں جنتی ہیں؟" جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری ملی تو وہ حاضر  
 دربار ہوئے اور اس خوشخبری پر یقین کے باوجود بھی آواز دبا کر بات کرنے کی کوشش  
 کیا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی سیرت مقدسہ کا تذکرہ کرتے  
 ہوئے فرمایا: "جس وقت حضور علیہ السلام کلام فرماتے تھے تو مجلس میں موجود تمام صحابہ  
 اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش  
 ہو جاتے تو وہ کلام کرتے اور گفتگو میں حضور کی موجودگی کے باعث آپس میں جھگڑا  
 نہیں کرتے تھے اور جو کوئی آپ کے سامنے گفتگو کرتا تو حضور بھی آپ کی بات غور  
 سے سنتے تھے۔"

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب صحابہ میں سے کوئی  
 سخت فردت سے حضور علیہ السلام کو باہر بلانا چاہتا تھا تو ادب و احترام کو ملحوظ  
 رکھتے ہوئے حضور کے دروازے کو اپنے ہاتھ کے ناخنوں سے سے کھٹکھٹاتا تھا  
 صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے  
 نمائندے کی حیثیت سے مکہ گئے۔ کفار مکہ نے حضرت عثمان سے دوران گفتگو کہا کہ اگر



آپ طواف کعبہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اجازت ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: "رب کعبہ کی قسم جیتک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل نہ ہوں۔ عثمان کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ طواف کرے۔ (حالانکہ حضور علیہ السلام نے ممانعت نہیں فرمائی تھی) جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور چند دن ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا تو آپ نے اپنے لئے ابو ایوب کے مکان کا نچلا حصہ پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب کو ایک رات خیال آیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیچے ہوتے ہیں۔ اور ہم اوپر چلتے پھرتے اور سوتے ہیں آپ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ پوری رات مکان کے ایک کونہ میں گزار دی اور صبح ہوتے ہی دربار رسالت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ یا رسول اللہ آپ اوپر کے حصہ میں تشریف لے چلیں۔ حضور نے فرمایا: ہمیں نیچے ہی آرام ہے۔ حضرت ابو ایوب نے نہایت مؤدبانہ عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں اس بے ادبی کی جرأت نہیں کہ آپ نیچے ہوں اور ہم اوپر، اگر آپ یہاں قیام فرمائیں گے تو میں زینے پر قدم نہ رکھ سکوں گا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو ایوب انصاری کی درخواست منظور فرمائی اور اوپر کے حصے میں قیام فرمایا۔

یہی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تناول نہ فرمالیے۔ جب حضور علیہ السلام کا بچا ہوا کھانا واپس آتا تو آپ خاص طور پر اسی جگہ سے اس کو کھاتے تھے۔ جہاں حضور کی انگلیوں کے نشان ہوتے تھے۔ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول نہ فرمایا۔ حضرت ابو ایوب مضطرب ہو کر حضور کے دربار میں حاضر ہوئے اور کھانا تناول نہ کرنے کی وجہ معلوم کرنے لگے۔ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کھانے میں لہسن کی بو تھی۔ اس لئے ہم نے نہیں کھایا۔



ابو ایوب نے دوسرے کھانے کا انتظام فرمایا۔ اور حضور علیہ السلام سے پوچھا، یا رسول اللہ، کیا لہسن حرام ہے۔ مجھے بتائیے تاکہ میں بھی چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا، حرام نہیں ہے لیکن میں نہیں کھاتا حضرت ابو ایوب نے اس دن سے لہسن کھانا چھوڑ دیا۔ آپ فرماتے جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ پسند فرمائیں۔ میں کس طرح اس کو پسند کر سکتا ہوں۔ (حضور علیہ السلام کے پاس اللہ کا فرشتہ آتا اور آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس لئے آپ لہسن اور پیاز سے پرہیز فرمایا کرتے تھے)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ جب کبھی ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک شروع نہیں کرتا تھا۔ جب تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ فرماتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت ثبات ابن اشیم رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ بڑے ہیں یا نبی کریم علیہ السلام۔ حضرت ثبات نے جواب دیا۔ "بڑے تو حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ لیکن میں پیدائش میں آپ سے پہلے ہوں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ناباکی کی حالت میں تھے کہ نبی کریم علیہ السلام تشریف لے آئے۔ ابو ہریرہ تیزی کے ساتھ آپ کے سامنے سے چلے گئے اور غسل کر کے دربار رسالت میں حاضر ہوئے (ابو ہریرہ نے ادباً ایسا کیا) حضور علیہ السلام نے پوچھا۔ "ابو ہریرہ کہاں چلے گئے تھے؟" انہوں نے وجہ بتائی تو نبی کریم علیہ السلام نے مسئلہ بتاتے ہوئے فرمایا۔ "ابو ہریرہ مومن ناباک نہیں ہوتا۔"

حضرت اسلم ابن شریک حضور علیہ السلام کی اونٹنی اور کجاوہ کسا کرتے تھے۔ ایک دن آپ سفر کے لئے تیار ہوئے اور اسلم ناباک تھے۔ انہوں نے ادب و احترام کے باعث اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اور کجاوے کو ہاتھ لگانا



مناسب نہ سمجھا اور اپنے کسی ساتھی سے کجاوہ کسوا دیا اور خود غسل کرنے چلے گئے۔  
نبی کریم علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ کجاوہ اسلحہ کا کسا ہوا نہیں ہے۔ سفر سے واپس  
آ کر آپ نے اسلحہ کو طلب فرمایا اور کجاوہ نہ کسنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت اسلحہ  
رضی اللہ عنہ نے سب ماجرا عرض کر دیا۔

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم  
و توقیر کا حق ہر طرح ادا کیا۔ آپ کا یہ حق اس وقت تک ہی کے لئے نہ تھا جب تک  
آپ دنیا میں تشریف فرما ہے بلکہ حضور علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے  
کے بعد بھی امت پر یہ حق باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ  
اسی طرح آپ کی تعظیم فرماتے تھے۔ جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں اور ہمارے  
اسلاف نے بھی اس حق کو ادا کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اس سلسلے میں بھی چند  
واقعات ملاحظہ ہوں۔

**بعد وفات تعظیم و توقیر** | حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ  
میں مسجد نبوی شریف کے ایک کونے  
میں لیٹا ہوا تھا اور دو آدمی آپس میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ کہ اچانک  
ایک کنکری میرے لگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ آپ نے  
فرمایا: سائب ان دونوں کو بلا کر لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی دونوں حاضر ہوئے  
تو آپ نے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو انہوں نے بتایا کہ ہم طائف سے حاضر ہوئے  
ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: قسم خدا کی اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں کوڑے  
لگواتا۔ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی آوازیں بلند  
کرتے ہو؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں حضور علیہ السلام کا عصا



تھا۔ ایک موقع پر غفاری قبیلے کے ایک شخص نے وہ عصا آپ کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔ وہاں موجود لوگ اس شخص کی اس قدر جرأت پر چلا اٹھے۔ اس گستاخی کی وجہ سے اس شخص کے گھٹنے میں ایسا زخم ہوا کہ بقیہ جسم کو زہر سے بچانے کے لئے اسے اپنا پیر کٹوانا پڑا۔ لیکن پھر بھی وہ بچے نہ سکا اور چند ہی دن میں ترپ ترپ کر مر گیا۔ :

حضرت ابو محمد رضی اللہ عنہ کے سر پر بالوں کا ایک حصہ اتنا لمبا تھا۔ کہ جب وہ بیٹھ کر اسکو کھول دیتے تو بال زمین پر لگتے تھے کسی نے ان سے کہا۔ ان بالوں کو کٹواتے کیوں نہیں ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں ان کو ہرگز نہیں کٹوادوں گا۔ کیوں کہ ان بالوں پر حضور علیہ السلام کا دست مبارک لگا ہے۔

حضرت أم المؤمنين أم سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبہ میں حضور علیہ السلام کے بال تھے۔ لوگ ان سے نظر بد اور دوسری بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے اور کبھی اس ڈبہ کو پانی میں رکھتے اور پانی کو پیتے اور اس سے غسل کرتے تھے تاکہ مرض سے شفا حاصل ہو۔

حضرت ثابت بنانی کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ یہ میرے پاس حضور علیہ السلام کے بالوں میں کا ایک بال ہے جب میں مر جاؤں تو اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ ان کی وفات کے وقت ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس بال شریف کے ساتھ ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور علیہ السلام کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور دے دیے۔ کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت ابن سیرین نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے



پس حضور علیہ السلام کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس حضور علیہ السلام کے ایک بال کا ہونا بھی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور محبوب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب حضور علیہ السلام اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے تھے تو حضرت طلحہؓ سب سے پہلے ان کو لیا کرتے تھے یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حجام حضور علیہ السلام کے بال کاٹ رہا تھا اور صحابہ آپ کے گرد حلقہ بنائے حاضر تھے اور کوشش یہی کر رہے تھے کہ جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔ ان ہی نے بیان کیا کہ ،

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور علیہ السلام منیٰ تشریف لائے اور حمیرہ عقبہ پر انگریزیاں پھینکیں اور اپنے مکان پر تشریف لے گئے پھر آپ نے حجام کو بلایا اور سر مبارک کے دونوں طرف سے بال کٹوا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے اور ان سے فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس حضور علیہ السلام کے بالوں کا محفوظ ہونا ثابت ہے۔ اور یہ مبارک بال آج تک موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن حازم کے پاس ایک سیاہ پگڑی تھی جس کو وہ ،

جموعہ وعیدین میں باندھا کرتے تھے یا لڑائی میں جب نتخ پاتے تو اس کو بطور تبرک پہنتے تھے اور اس کا بے حد احترام کرتے تھے اور خوش ہو کر فرماتے تھے کہ یہ پگڑی مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے منبر کی اس جگہ پر ہاتھ ملا جہاں آپ بیٹھا کرتے تھے پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر

پھیرا۔



ایک دن حضرت خدائے شامی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو ایک پیالہ میں کھانا کھاتے دیکھا۔ خدائے شامی نے آپ سے وہ پیالہ بطور تبرک حاصل کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت خدائے شامی کے گھر تشریف لاتے تو وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اس میں آب زمزم بھر کر پیئے اور اپنے منہ پر چھپڑکتے تھے۔

حضور علیہ السلام کے تبرکات میں سے کچھ چیزیں حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ جنہیں آپ نے ایک کمرے میں محفوظ کر دیا تھا اور روزانہ دن میں ایک مرتبہ ان کی زیارت فرمایا کرتے تھے۔ جو خاص لوگ آپ کے پاس ملاقات کے لئے آتے تو ان کو بھی ان تبرکات کی زیارت کرایا کرتے تھے۔ ان تبرکات میں حضور علیہ السلام کی ایک چارپائی، چمڑے کا تکیہ، ایک جوڑ موزہ، ایک لحاف اور ایک تیرکش کچھ تیروں کے ساتھ تھا، لحاف میں حضور علیہ السلام کے سر مبارک کے میل کا نشان تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص بہت بیمار ہوا تو حضرت عمرو بن عبدالعزیز کی اجازت سے لحاف کا وہ حصہ دھو کر اس شخص کی ناک میں پانی کے چند قطرے ڈالے گئے۔ اللہ نے اس شخص کو فوراً شفا عطا فرمائی۔

اسماعیل بن یعقوب تمیمی نے بیان کیا کہ ابن منکدر مسجد نبوی شریف میں ایک خاص جگہ لیٹے تھے۔ ان سے اس کا سبب معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے (بحالت خواب) حضور علیہ السلام کو اسی جگہ بیٹھے دیکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ ابن طہمان نے بیان کیا کہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں دد جو تے پرانے نکال کر دکھائے جن میں دد دو تسمے تھے۔ اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے مجھے بتایا کہ یہ حضور علیہ السلام کے نعلین مبارکین ہیں۔

امام بن مامون نے بیان کیا کہ ہمارے پاس حضور علیہ السلام کا ایک پیالہ تھا۔ ہم اس میں بیماریوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ جس سے وہ جلد شفا یاب ہو



جلتے تھے۔

یحییٰ ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے جب مدینہ منورہ حاضر ہوتے تو منبر شریف کے پاس آکر اس کو چھوتے اور پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔

حافظ عبدالرحمن ابن مہدی جب حدیث شریف پڑھتے تو حاضرین مجلس کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے تھے کہ حدیث شریف سنتے وقت وہی ادب و احترام اور خاموشی واجب ہے جو حضور علیہ السلام کے ارشادات سنتے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اختیار کرتے تھے۔

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی سے مسجد نبوی شریف میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کسی مسئلے پر مناظرہ ہوا۔ دوران گفتگو خلیفہ کی آواز کچھ اونچی ہو گئی حضرت امام نے فرمایا۔ "اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز کو مت بلند کرو۔ کیونکہ خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگ دربار رسالت میں اپنی آوازیں بلند نہ کریں۔ جو لوگ اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں خدا نے ان کی تعریف فرمائی اور جو لوگ اس کی پروا نہیں کرتے ان کی مذمت کی گئی ہے۔"

اسی موقع پر خلیفہ نے حضرت امام سے سوال کیا کہ مسجد نبوی میں کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنا چاہئے یا حضور علیہ السلام کی طرف آپ نے فرمایا۔ تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھرتے ہو۔ حالانکہ قیامت کے دن وہ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے وسیلہ ہوں گے۔ بلکہ حضور علیہ السلام ہی کی طرف منہ کرو۔ اور ان ہی کے وسیلے سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کریں۔ آپ کے پاس آجائیں



اور خدا سے بخشش طلب کریں اور پیغمبران کے لئے بخشش مانگیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (سورۃ النساء)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر کئی خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے جن سے بہتر میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ میں نے امام مالک سے ان کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سب میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہیں۔ میں نے عرض کی۔ آپ ان میں سے کوئی اپنی سواری کے لئے رہنے دیں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا۔ ”مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روندوں۔ جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔“

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے تمام عمر مدینہ طیبہ میں گزار دی۔ لیکن ادب و احترام کو اس قدر ملحوظ رکھا کہ کبھی حد حرم میں پیشاب، پاخانہ نہ کیا۔ حضرت امام کے پاس جو لوگ حصول علم کے لئے آتے تھے۔ ان سے آپ کی خادمہ دروازے پر آ کر معلوم کرتی کہ امام سے مسائل پوچھنا ہیں یا حدیث شریف سنا ہے۔ اگر مسائل معلوم کرنا ہوتے تو آپ فوراً باہر تشریف لاتے اور مسائل بیان کر دیتے تھے۔ لیکن اگر معلوم ہوتا کہ حدیث شریف سننا ہے تو غسل فرماتے۔ لباس تبدیل کرتے اور خوشبو لگاتے تھے اور اس خاص مسند پر بیٹھتے تھے۔ جو حدیث شریف سننے ہی کے لئے بنائی گئی تھی۔ دورانِ مجلس عود جلا یا جاتا تھا۔ جب حضرت امام سے کسی نے اس اہتمام کی وجہ معلوم کی تو آپ نے فرمایا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جو ہمارے لئے فروری ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک کے ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے خیال آیا تو میں نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ سخت



ناراض ہو گئے اور فرمانے لگے، مجھے تم سے توقع نہ تھی کہ تم راستہ چلتے مجھ سے  
حدیث رسول معلوم کرو گے (کیونکہ ایسا کرنا خلاف ادب ہے)  
حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کھڑے تھے کہ ایسی حالت میں ہشام ابن عمار  
نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا۔ حضرت امام نے ان کو بیس کوڑے لگوا دیے  
اور بعد میں پورے ہشام کے ساتھ ان کو بلا کر بیس حدیثیں سنائیں۔ ہشام نے کہا،  
کاش امام اور زیادہ کوڑے مارتے اور اتنی ہی حدیثیں سنا دیتے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں مجلس میں حاضر تھا  
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف سنارہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک  
بچھو آیا اور اس نے آپ کے کاٹا۔ میں نے شمار کیا کہ سولہ مرتبہ بچھو نے آپ کے ڈنک  
مارا لیکن آپ نے حرکت تک نہ کی۔ حالانکہ آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ جب آپ  
حدیث شریف سنا کر قانع ہو گئے تو میں نے بچھو مارا اور آپ سے اس تکلیف کو  
برداشت کرتے بیٹھنے کی وجہ معلوم کی۔ آپ نے فرمایا: مجھے حدیث رسول کے احترام  
کی وجہ سے صبر کرنا پڑا۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کے ریلے سے ظاہری  
پردہ فرما جانے کے باوجود ان کی تعظیم و توقیر امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے اور یہ  
قیامت تک امت پر حضور علیہ السلام کا حق ہے۔ جس کو اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے  
کہ ہر اس چیز کی تعظیم کی جائے جس کی کسی نہ کسی اعتبار سے حضور علیہ السلام کی  
طرف نسبت ہو۔ حضرت تاحی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ  
تمام چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ ان کی تعظیم و تکریم  
کرنا اور حسرتین شریفین میں آپ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنے اور آپ کے منازل  
اور وہ چیزیں جن کو آپ کے دست مبارک یا کسی عضو نے چھوا یا وہ آپ کے نام سے



پکاری جاتی ہوں ان سب اکرام کرنا حضور علیہ السلام ہی کی تعظیم و تکریم ہے۔  
 حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے مطابق امت پر ہر  
 اس چیز کا احترام واجب ہے جس کی نسبت نبی کریم علیہ السلام سے ہو اس طرح صحابہ  
 کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، ازواجِ مطہرات، اہل بیت اطہار، سادات کرام، دین  
 نبوی کے مبلغ علماء حضرات اولیاء کرام، جملہ بزرگانِ دین، وہ مقامات مقدسہ جن  
 کی نسبت کسی بھی اعتبار سے حضور علیہ السلام سے ہو اور وہ شبِ درود جن کا تعلق  
 نبی کریم علیہ السلام سے ہو۔ غرضیکہ ایسی تمام چیزوں کا اُمتِ مسلمہ پر احترام واجب ہے  
 الحمد للہ اہلسنت و جماعت عقیدتاً اس حق کو ادا کرتے اور یقین رکھتے ہیں کہ ان تمام  
 چیزوں کا ادب و احترام درحقیقت نبی کریم علیہ السلام ہی کا ادب و احترام ہے جس  
 کا خیال رکھنا دنیا میں فلاح و آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم  
**درود و سلام** علیہ السلام نے فرمایا: "جس شخص نے نماز پڑھی اور مجھ پر  
 اور میرے اہل پر درود نہ پڑھا تو اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔"  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "دُعا اور نماز زمین و آسمان کے درمیان  
 رہتی ہے۔ جب تک کہ حضور علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے۔"  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا "سب  
 بڑا بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود  
 شریف نہ پڑھا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا  
 "جس نے میرے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر درود پڑھا میں اس کے درود کو  
 سنتا ہوں۔ اور جس نے دُور سے مجھ پر درود بھیجا اس کا درود مجھے پہنچا دیا



جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ شخص ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہے۔"

حضرت زید ابن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس میرے رب کا فرشتہ آیا۔ اس نے بتایا کہ جو کوئی آپ پر درود شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ مجلس سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنی دعا کا آدھا درود شریف کو کر لوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہتے تو کر سکتے ہو اس شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا میں اپنی دعا کے تین حصے درود شریف کے لئے کر لوں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو کر لو۔ اس شخص نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنی پوری دعا درود شریف کو کر لوں؟ آپ نے فرمایا۔۔۔

اذن یکنفک اللہ ہم الدنیا      تو اللہ تعالیٰ ہمارے دنیا و آخرت  
وہم الآخرة۔      کے غم دور کر دے گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کسی ضرورت کے باعث مضطرب و پریشان ہو تو مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ اس عمل سے تمام رنج و غم اور اضطراب دور ہو جاتا ہے۔ اور رزق زیادہ ہوتا ہے اور ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر جگہ کو حضور علیہ السلام پر درود و سلام بکثرت بھیجنا چاہئے۔ کیونکہ اس دن اُمت کے درود و سلام آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔



حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور اس کی دس برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجہ بلند فرمادیتا ہے اور روایت میں ہے کہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

ابوسلیمان عبدالرحمن ابن عطیہ دارانی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو اول دآخر درود شریف پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ درود شریف کو فروغ قبول فرماتا ہے۔ اور یہ اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ بیچ کی دعا کو رد کر دے؟

مضمون طویل ہو رہا ہے لہذا ان چند احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے جن سے یہ بات واضح ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ بھی حق ہے کہ ان کے دربار میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عمل نہایت ہی مفید اور اہم ہے جس کے لئے نہ کوئی وقت مقرر نہ طریقہ اور نہ کسی جگہ کی قید، یہ عاشق رسول کی مرضی ہے کہ جس جس وقت چاہے اور جہاں جہاں چاہے اور جس ادا سے چاہے اپنے محبوب رسول <sup>منظم</sup> صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہدیہ صلوات و سلام پیش کرے۔ بس خلوص شرط ہے اور طریقہ ایسا ہو۔ جس سے ادب و احترام بھی ظاہر ہوتا ہو اور محبت کا مظاہر بھی ہو سکے۔

اس مضمون سے ثابت ہو گیا کہ امت پر

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

## ہم اور حقوق رسول

ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حقوق کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہمارے بزرگوں نے کس قدر اہتمام اور احتیاط سے ادا کیا۔ لیکن اب ہمیں خود بھی اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کہاں تک ان حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ رسول



پر ہمارا ایمان بھی ہے۔ ان سے محبت اور ان کی تعظیم و توقیر کا بھی ہم دعویٰ کرتے  
 ہیں۔ ان کے دربار میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی برکتوں پر بھی یقین کرتے ہیں۔  
 لیکن عملاً اس کا کتنا ثبوت دیتے ہیں۔ تو دیا متدارانہ بات یہ ہے کہ صبح سے شام  
 تک ہم رسول کی حق تلفی ہی کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے اعمال سے یہی ثابت ہوتا ہے۔  
 جب ہم نمازوں کی پروا نہیں کرتے، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہمیں بہت  
 مشکل نظر آتے ہیں۔ ماں باپ، اہل و عیال، پڑوسیوں، اپنے دوستوں اپنے اُستاد  
 اور پیر کا ہم سے حق ادا نہیں ہوتا، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں ہم رسول کے  
 بتائے ہوئے طریقوں کے پابند نہیں، ہمارا لباس، ہمارے رہن سہن کے تمام طر  
 رسول کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ہم اپنے سیاسی معاشی مسائل میں رسول کی ہدایا  
 کو چھوڑ کر غیروں کی تقلید پسند کرتے ہیں۔ ہم اپنا نظام حکومت اپنی مرضی سے وضع  
 کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تجارت میں ذخیرہ اندوزی اور منافع خوری جیسے جرائم کے مرتکب  
 ہوتے ہیں۔ ہم ملازمت میں تساہل، رشوت ستانی، ایذا رسانی کے مجرم ہیں، ہمارے  
 گھروں میں دن رات قرآن کریم اور صلوٰۃ و سلام کے بجائے ریڈیو اور ٹیلیوژن کے  
 ذریعے گانوں اور فلموں کی آوازیں گونجتی ہیں۔ تو ان تمام حالات میں ہم کس طرح اور  
 کب اپنے رسول کو یاد کرتے ہیں اور ان کے حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری  
 حالت بھی دن بدن بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں جرائم  
 کا ایسا سیلاب ہے کہ کوئی تدبیر اس کے روکنے کی کامیاب نہیں ہوتی، گرانی  
 ہم پر ایسی مسلط ہے کہ جس کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ مزے کی بات یہ کہ نہ اس کے  
 اسباب کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس سے نجات کی راہ ملتی ہے۔ آج ہر شخص خود غرضی  
 اور خود فہمی کا شکار ہو کر صرف اپنے لئے سوچتا ہے۔ ملک و ملت سے محبت کے  
 کے دعویدار بہت نظر آتے ہیں لیکن اپنے دعوے کا ثبوت کوئی فراہم نہیں کر پاتا۔ ہمارے



حکام اقتدار کے تشہ میں مست رہتے ہیں۔ تو ہمارے لیڈر حصول اقتدار کے لئے مضطرب پھرتے ہیں۔ ہمیں غیروں سے اتنا خطرہ نہیں جتنا اپنوں سے ہے۔ ہم ایسی جسمانی بیماریوں کا شکار ہیں کہ کبھی سنی تک نہ بھتیں۔ آپس میں ہم ایک دوسرے کی عزت نہیں کرتے اور نہ کوئی ہماری عزت کرتا ہے۔ غرضیکہ بے شمار مسائل ہیں، مصائب ہیں، جن سے چھپکارا چاہتے ہیں۔ لیکن کوئی صورت نہیں بنتی، کوئی تدبیر کارآمد ثابت نہیں ہوتی، صرف اس لئے کہ ہم رسول کے حقوق کو تلف کرتے چلے جا رہے ہیں اور جب کوئی بیٹا اپنے والدین سے، کوئی بیوی اپنے شوہر، کوئی شاگرد اپنے استاد اور کوئی چھوٹا اپنے بڑے کے حقوق تلف کر کے عزت نہیں پاسکتا تو امت انفرادی یا اجتماعی طور پر رسول کی حق تلفی کر کے کس طرح عزت و سکون کی زندگی پاسکتی ہے۔ پس آئیے! قبل اس کے کہ ہم ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور نادم و شرمندہ رسول کے دربار میں حاضر ہوں بہتر ہوگا کہ اپنے اعمال و کردار کو درست کریں۔ رسول کے دامن سے دالستہ ہو جائیں تو یقیناً دنیا و آخرت میں عزت و نجات ہمارا مقدر ہوگی۔





## بہترین عادات

نبی کا کام صرف بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ قوم کو کامیابی و کامرانی کا راستہ دکھانا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ جس کے لئے وہ اپنے عمل اور تعلیمات سے قوم کے عمل و کردار کی اصلاح کرتا ہے۔ کیونکہ اصلاح کردار کے بغیر کامیابی کی منزل کو حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ”جو قوم بہترین کردار اور اچھی عادات سے محروم ہو اس کے باپس دنیا کی چاہے کتنی ہی نعمتیں موجود ہوں۔ لیکن وہ اپنے کامیابی و کامرانی سے محروم ہی رہتی ہے۔“

اس ذمہ داری کو پورا کرانے ہی کے لئے اللہ نے اپنے ہر نبی کو ہر قسم کی برائی سے پاک و معصوم پیدا فرمایا۔ اور اسے ایسی صلاحیتوں سے بھی تو ازا جن سے وہ بدترین قوم کے عمل و کردار کی اصلاح کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انبیاء میں کسی ایسے نبی کا نام پیش نہیں کیا جاسکتا۔ جس کے دامن پر کسی بھی برائی کا دانع ہو۔ حضور نبی کریم علیہ السلام جو ہر اعتبار سے انبیاء سابقین میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اپنی اس خوبی میں بھی نبیوں کے سردار ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کمال عمل کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا۔

(ترجمہ) اور بیشک آپ کی عادتیں بڑی شان والی ہیں (پ ۲۹۔ القلم ۴)  
 کردار کے کمال کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے عادات و اطوار کو عظیم بڑی شان والا قرار دیا۔ کیا اس اعلان کے بعد کسی میں یہ جرات ہے کہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار پر کسی بھی اعتبار سے







کر کے اپنے آپ کو نیک اور متقی نہ سمجھے۔ حقیقت میں نیک وہ ہے جو عبادتوں کی پابندی کے ساتھ سچائی، ایمان داری، غریبوں کی مدد، آپس میں میل محبت اور ان جیسے تمام نیک کام کرے۔ اور اپنی تمام عادتوں کو اچھا بنالے۔ دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

نیک اور بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا (ترجمہ) قیامت کے دن مسلمانوں کی ترازو میں سب سے زائد وزن والی اس کی اچھی عادتیں ہوں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:۔

(ترجمہ) قیامت کے دن تم میں سے مجھے وہ شخص سب سے زیادہ پیارا اور میرے دربار میں سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا۔ جو اچھے اخلاق والا ہے۔ ان حدیثوں سے واضح ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے کس قدر تاکید کے ساتھ اچھی عادتوں کی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے ارشادات اور عمل سے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ کون سی عادتیں ہیں جن کو اچھا کہا جاتا ہے۔ اور کمال حاصل کرنے کے لئے انسانوں کو وہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہئیں۔ ان میں سے چند کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

(ترجمہ) کہ سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور نیکی ہی انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے تو اللہ کے یہاں اس کو



صدق یعنی سچ بولنے والا لکھ دیا جاتا ہے۔ اور سچائی کے مقابلے میں جھوٹ  
برائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور برائی انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ یہاں تک  
کہ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کذاب جھوٹ بولنے والا  
ہی لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔  
کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں کہ جیب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو  
اس کے خلاف کرے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔  
ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ سچائی، امانت داری اور وعدہ پورا کرنے کو  
نبی کریم علیہ السلام نے کامیابی کی بنیاد قرار دیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ تینوں خوبیاں  
ایک مسلمان میں ہونا لازمی ہیں۔ اور جس میں ان خوبیوں کے بجائے جھوٹ، خیانت  
وعدہ خلافی کے عیب موجود ہوں۔ وہ عملی طور پر منافق ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے خود ان خوبیوں کی جتنی پابندی کی اس کا اندازہ  
لگانے کے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ آپ کے دشمن آپ کو مجنوں و دیوانہ کہنے  
والے، طرح طرح سے آپ کو ستانے والے اپنے ذاتی فائدے کے لئے آپ کے خون  
کے پیاسے بھی آپ کو الصادق اور الامین یعنی سچا اور امانت دار کہا کرتے تھے۔ حضرت  
ابوسفیان نے خود اس وقت جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور حضور علیہ السلام  
کے سخت دشمن تھے۔ شاہ ہرقل کے سامنے آپ کی سچائی اور امانت داری کا اقرار کیا تھا  
حضرت عبداللہ ابن سلام جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے حضور  
علیہ السلام کو پہلی مرتبہ دیکھ کر کہا۔

وَجْهٌ لِّسِنٍ بَوَّجَّهٍ كَذَّابٍ

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ جھوٹے

کا چہرہ نہیں ہے۔



۱۲۶  
 حضرت عبداللہ ابن ابی الحجاز نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم علیہ السلام  
 سے کوئی چیز خریدی اسکی قیمت میں کچھ پیسے کم ہو گئے۔ تو میں نے آپ سے کہا کہ آپ  
 اس جگہ میرا انتظار کریں۔ میں باقی پیسے لے کر آتا ہوں۔ آپ نے اسی جگہ انتظار کرنے  
 کا وعدہ کر لیا۔ لیکن میں گھر آ کر وقت پر پہنچنا بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد آیا  
 اور میں پیسے لے کر گیا تو میں نے آپ کو اسی جگہ پایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے نوجوان! تم  
 نے مجھے بہت تکلیف میں ڈال دیا۔ میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تمہیں یہ اس  
 ملوں گا۔ میں اپنے وعدے کی وجہ سے تین دن سچیاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں  
 تم اپنا وعدہ بھول گئے۔

یہ واقعہ نبی کریم علیہ السلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہے۔  
 جس سے واضح ہے کہ وعدہ پورا کرنے کی خوبی کا عملی نمونہ آپ نے کس طرح پیش کیا۔  
 حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد  
 فرمایا کہ (ترجمہ) النِّصَانُ کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ یہ وہ  
 لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے بیوی بچوں کے معاملوں میں اور ہر وہ کام جو ان  
 کے سپرد ہو اس میں انصاف کرتے ہیں۔

یعنی انصاف بھی ایک ایسی خوبی ہے جس سے دنیا میں عزت ملنے کے علاوہ  
 قیامت میں یہ مقام ملتا ہے کہ انصاف کرنے والے کو نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا  
 اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے ہر معاملے میں انصاف کی ضرورت ہے اور انصاف کا  
 کمال یہ ہے کہ حق والے کو اس کا حق دیا جائے۔ چاہے اپنا کتنا ہی نقصان ہو جائے۔  
 چوری کرنے والا چاہے اپنا بھائی ہو لیکن شریعت کی پابندی کرنے والا حاکم اس کے  
 ہاتھ کاٹنے کا حکم دے۔ زنا کرنے والا چاہے اپنا بیٹا ہو لیکن شریعت کی پابندی کرنیوالا  
 کہ اس کو کوڑے لگوائے۔ اسی طرح باپ، بیٹا، شوہر بیوی، بھائی بہن، استیلا شاکر، غرضیکہ



سب ایک دوسرے کا حق ادا کریں۔ تو ایسے انصاف کرنے والے دنیا کی ترقی اور عزت کے علاوہ قیامت میں نور کے منبر پائیں گے۔

نبی کریم علیہ السلام میں یہ خوبی بھی اس طرح موجود تھی کہ دشمن بھی اس کا اقرار کرتے تھے۔ آپ نے عملی طور پر بھی اس کا نمونہ پیش کیا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ خاندان محزوم کی ایک عورت فاطمہ نے چوری کی۔ قریش نے کہا کہ وہ سزا سے بچے جائے تاکہ بدنامی نہ ہو۔ لوگوں نے حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ آپ جا کر حضور علیہ السلام سے عرض کریں کہ فاطمہ کو معاف کر دیا جائے کیونکہ حضرت اسامہ سے حضور بہت محبت کرتے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ اسامہ کی بات مان جائیں گے۔ حضرت اسامہ نے حضور علیہ السلام تک لوگوں کی درخواست پہنچائی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے اسامہ کیا تم شریعت کے معاملے میں سفارش کرتے ہو، تم سے پہلے لوگ اسی لئے خدا کے عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ ان کے حاکم غریبوں کو تو سزا دیتے تھے۔ اور دولت مندوں سے دولت اور سفارش کی وجہ سے سزا معاف کر دیتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ قسم خدا کی اگر میری اکلوتی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ نبی کریم علیہ السلام اپنے اس ارشاد میں لوگوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی دنیا کی ترقی اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ حضور علیہ السلام خود تو تمام جہانوں کیلئے رحمت ہی بن کر آئے تھے۔ یہی



کہ آپ نے ساری زندگی اپنوں، غیروں، دوستوں اور دشمنوں سب پر رحم ہی فرمایا یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ بھی آپ نے رحم سے پیش آنے کا حکم دیا اور واقعات سے یہ ثابت ہے کہ آپ جانوروں پر رحم فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اُس نے اپنا کبیل لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک درخت پر پرندے کے بچوں کی آوازیں سنیں۔ میں نے ان کو تلاش کیا اور پکڑ کر اپنے کبیل میں رکھ لیا۔ اسی وقت اُن بچوں کی ماں آئی اور میرے سر پر چنچنے چلانے لگی۔ میں نے بچوں کو زمین پر رکھا تو وہ ان کے پاس آگئی۔ میں نے سب پر اپنا کبیل ڈالا اور ان کو پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا ان کو یہاں رکھو اس شخص نے ان کو دباں رکھ دیا۔ بچوں کی ماں اُڑنے کے بجائے بچوں کو اپنے پردوں میں چھپانے لگی۔ لوگوں نے دیکھ کر تعجب کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ بچوں پر ماں کیسے رحم کر رہی ہے۔ قسم خدا کی خدا اپنے بندوں پر اس سے زائد رحم کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے اس شخص کو حکم دیا کہ ان بچوں کو اسی جگہ رکھ کر آدب جہاں سے لائے ہو۔

حضور علیہ السلام یتیموں، بیواؤں اور غریبوں پر خاص طور پر رحم فرماتے تھے اور آپ نے ان پر رحم کرنے کی بہت تاکید کی۔ حضرت ہسبل نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ترجمہ مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم بچہ ہو تو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ مسلمانوں کے گھروں میں سب سے برا گھر وہ ہے



جس میں کوئی یتیم بچہ ہو تو اس کے ساتھ برابر تاد کیا جاتا ہو۔

ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ جس کا باپ مر گیا اس کے ساتھ تمام مسلمانوں کو ایک تو ایسا برتاؤ کرنا چاہئے کہ بچے کو باپ کے مرنے کا خیال تک نہ رہے اور اس کی پرورش کا ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ بغیر باپ کے بھی اس کے اندر ایسی ہی اچھی خوبیاں پیدا ہوں جیسی باپ کی موجودگی میں ہوتیں اور یہ حکم حقیقت میں تومی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ کیونکہ اگر یتیم بچوں سے محبت پیدا نہ کی جائے ان کی دیکھ بھال اور ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو وہ جاہل رہیں گے۔ آوارہ ہوں گے۔ چور بنیں گے۔ اور اس طرح جو بچے قوم کے فائدے اور عزت کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ وہ قوم کی تباہی اور ذلت کا سبب ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:۔

(ترجمہ) بیوہ اور غریبوں کی دیکھ بھال کرنے والا ثواب کے اعتبار سے اللہ

کے لئے جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک موقع پر

دعا کی۔ اے اللہ تو مجھے غریب زندہ رکھ اور غریب ہی کی حالت میں موت عطا فرما اور

قیامت کے دن غریبوں میں سے مجھے زندہ فرما۔

حضور علیہ السلام کی اس دعا کو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض

کیا۔ یا رسول اللہ آپ نے یہ دعائیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ نیک غریب درہمندانوں سے

چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت

کی کہ کسی غریب کو اپنے دروازے سے خالی مت پھیرو۔

نبی کریم علیہ السلام کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ آپ نے یتیموں، بیوہ

اور غریبوں کی دیکھ بھال اور ان کی مدد کرنے کی کس طرح تاکید فرمائی۔ آپ کا عمل بھی



یہی تھا کہ یتیموں سے خاص محبت ظاہر کرتے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ بیوہ عورتوں کا حال معلوم کر کے ان کی ضرورتیں پوری کر دیا کرتے تھے۔ غریبوں کو آپ کے دربار میں خاص مقام حاصل تھا۔ جو بھی غریب آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اس سے محبت سے بات کرتے تھے۔ اگر آپ سے کوئی سوال کرتا تھا تو اگر اس کی مدد کے لئے آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی سے قرض لے کر آپ مدد کر دیا کرتے تھے۔

نوکردوں اور غلاموں کے معاملے میں حضور علیہ السلام نے اپنے عمل اور ارشادات کے ذریعہ جو نمونہ پیش کیا اس کو بھی سنیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ ترجمہ نوکر کے کھانے اور اس کے کپڑوں کا انتظام ہمارے ذمہ ہے۔ اور ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ نوکر کے ساتھ برابر تاؤ کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ہم اپنے نوکر کی غلطی کتنی دفعہ معاف کریں آپ نے اس سوال کا گولٹے جواب نہ دیا۔ لیکن سوال کرنے والے نے پھر سوال کیا۔ پھر آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں ستر مرتبہ معاف کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کر دیا تو اللہ اس کے جسم کے ہر حصے کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے جسم کے حصوں کو آگ سے آزاد کر دے گا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو مارا تھا کہ پیچھے سے میں نے آواز سنی اے ابو مسعود جتنی تمہیں اپنے غلام پر قدرت ہے اس سے زیادہ تم پر اللہ کو قدرت ہے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پیچھے



مرا کر دیکھا تو نبی کریم علیہ السلام کھڑے ہیں۔ بس میں نے فوراً کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس غلام کو اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔ اے ابو مسعود اگر تم ایسا کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ جلاتی۔

ان تمام حدیثوں سے ظاہر ہے کہ آپ نے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا اور عملی طور پر یہ نمونہ پیش کیا کہ آپ نے خود ان غلاموں کو آزاد فرمایا۔ آپ اپنے نوکر کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ اگر کوئی کام سخت ہوتا تھا تو آپ مدد کرتے تھے۔ کبھی کسی نوکر پر نہ آپ ناراض ہوئے اور نہ سختی سے پیش آئے۔ آپ کے خاص خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی بات پر نہ ڈانٹا۔ اور اگر میری کسی غلطی پر گھر میں کسی نے کچھ کہا تو آپ ہمیشہ فرمادیتے تھے۔ چھوڑ دو جو کچھ ہونا تھا وہ ہوجکا نبی کریم صلیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ بھی ہمدردی اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترجمہ) کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے نفرت نہ کرے۔ کیونکہ اگر عورت کی ایک عادت برسی معلوم ہوتی ہے تو اس میں کوئی دوسری عادت ایسی ضرور ہوگی جو اچھی معلوم ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ (ترجمہ) کامل مومن وہ ہے جس کی عادتیں اچھی ہوں اور بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھی طرح برتاؤ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتا کے ساتھ بھلائی کرو۔ کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور پسلی کا ادھر کا حصہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو بہت سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ بالکل ٹوٹ جائے گا اور



اگر ایسا ہی چھوڑ دے تو باقی رہے گا۔ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو لوٹ جائے گی اور اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے پیڑھے پن کو برداشت کر کے فائدہ اٹھاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر فرمایا کہ جس نے ددر لڑکیوں کو جوان ہونے تک پالا وہ قیامت کے دن مجھ سے میری ان دو انگلیوں کی طرح ملا ہوا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے گھر اس کی اولاد پر حاکم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے۔

ان حدیثوں سے اندازہ لگائیے کہ نبی کریم علیہ السلام نے کس اچھے انداز میں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ عورت عقل میں کم اور مزاج کی تیز ہونے کے باوجود ایسی مخلوق ہے جس سے مرد کا تعلق، بیٹی، بیوی بہن یا ماں، کسی بھی حیثیت سے ضرور ہوتا ہے۔ کوئی مرد ایسا نہیں جو عورت کے تعلق سے بچ سکے۔ لہذا مرد کو اس کی کم عقلی اور مزاج کی تیزی برداشت کرنا چاہئے اور اس سے ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جس سے آپس میں کوئی اختلاف اور لڑائی جھگڑا نہ ہونے پائے۔ نبی کریم علیہ السلام نے اپنے ارشادات کے مطابق خود بھی ہر موقع پر عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ آپ کی گھر بیوی زندگی سے پست چلتا ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو خوش رکھتے اور ان کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آتے تھے۔



نبی کریم علیہ السلام نے انسانوں کو ایک دوسرے سے ملانے اور آپس میں میل محبت پیدا کرنے کے لئے ماں باپ، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ جو انسان دوسرے انسانوں سے میل محبت پیدا کرتا ہے لوگ اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جو ہر ایک سے علیحدہ رہتا اور نفرت کرتا ہے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور اس دنیا میں اچھی زندگی وہی گزار سکتا ہے جو ہر شخص سے محبت سے پیش آئے تو اس کی مصیبت میں مدد کرنے والے اور اس کی ضرورت کو پورا کر دینے والے بہت لوگ ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا (ترجمہ) جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق زائد ہو اور اس کی عمر بڑھ جائے تو اسے رشتہ داروں سے ملنا جلنا اور محبت رکھنا چاہئے۔

حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا نیک کام بتا دیجئے جس کی وجہ سے اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ اور جہنم کی آگ سے محفوظ فرما دے تو آپ نے فرمایا (ترجمہ) اللہ کی عبادت کرتے رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ پابندی سے نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور رشتہ داروں سے ملتے جلتے رہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں لیکن وہ نہیں کرتے۔ میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہوں وہ برائی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ عقلمندی سے پیش آتا ہوں وہ مجھ سے جہالت اور بے وقوفی سے پیش آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا۔ اگر واقعی تم ایسا کرتے ہو۔ تو وہ ضرور کسی دن اپنے کئے ہوئے پر شرمندہ



ہوں گے۔ اور اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہیں ان کی تکلیفوں اور برائیوں سے بچائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رشتے داری کو قائم کرنے اور مضبوط کرنے والا وہ شخص ہے جو رشتہ داروں کی نیکی کا بدلہ ادا کرے بلکہ رشتہ داری کو قائم کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے رشتہ دار اس سے تعلق ختم کر لیں تو وہ خود ان سے تعلق پیدا کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی کریم علیہ السلام نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ”وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے“ لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کون؟ آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بوڑھے والدین کو صرف ماں یا باپ یا دونوں کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مسلمان جنت میں نہیں جائے گا جس کے پڑوسی اس کی تکلیف سے محفوظ نہ ہوں یعنی جو اپنے پڑوسیوں کو ہر وقت ستاتا اور پریشان کرتا رہتا ہو۔ اور اس کے پڑوسی اس کی بری عادتوں کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہوں۔ ایسا شخص جنت کی امید نہ رکھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوستوں میں اللہ کے نزدیک بہتر دوست وہ ہے کہ جو اپنے دوست کے ساتھ بھلائی کرے اور پڑوسیوں میں اللہ کے نزدیک بہتر وہ پڑوسی ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کے ان ارشادات کو سامنے رکھ کر جو شخص بھی دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ہمدردی کرنے کی عادت اپنے اندر پیدا کرے گا۔ فوراً کیجئے لوگ اس کی کتنی عزت کریں گے۔ اور کس طرح ہر معاملے



میں اس کا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔

ہندہ بنت عتبہ جو حضور علیہ السلام کی سخت دشمن تھی۔ اور اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ جب فتح مکہ ہوا، ہندہ بنت عتبہ حضور علیہ السلام کے سامنے آئی تو آپ نے اس کے سامنے کسی پچھلی بات کا ذکر تک نہ کیا۔ اور نہ ہی اس سے کوئی بدلہ لیا۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گئی اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آج تک آپ سے اور آپ کے گھر والوں سے سب سے زیادہ نفرت تھی۔ لیکن اب میں آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو سب سے زیادہ محبوب رکھتی اور پسند کرتی ہوں۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ غزوہ نجد سے واپس آ رہے تھے راستے میں دو پہر ہو گئی۔ سخت دھوپ ہو گئی ایک درختوں والے جنگل میں ہم سب پھٹر گئے۔ سب درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ نبی کریم علیہ السلام بھی اپنی تلوار درخت میں لٹکا کر آرام فرمانے لگے۔ بھوڑی ہی دیر بعد حضور علیہ السلام نے ہمیں آواز دی تو ہم سب ایک جگہ جمع ہو گئے اور ہم نے دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہے جس کا نام غوث ابن حارث تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے آ کر میری تلوار اٹھائی اور میرے سر پر تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ تجھ کو مجھ سے کون بجائے گا۔

میں نے کہا۔ "اللہ!" یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ صحابہ اس شخص سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ لیکن نبی کریم علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا۔

نبی کریم علیہ السلام کی زندگی کا ایک بہترین نمونہ دشمنوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کرنا ہے۔ عام طور پر انسان اپنے دشمن سے بدلہ لینے اس کو ذلیل و خوار کرنے ہی کی فکر میں رہتا ہے اور جوں ہی اس کو اپنے دشمن پر غلبہ اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس سے



پورا پورا بدلہ لیتا ہے۔ یہ صرف نبی کریم علیہ السلام ہی کی ذات تھی جنہوں نے دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے اور اس کو معاف کر دینے کا نمونہ پیش کیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مکے کے کافروں نے آپ کو کتنا ستایا اور پریشان کیا۔ آپ کو مجنوں دیوانہ کہا۔ آپ پر پتھر برسائے۔ راستے میں کانٹے بچھائے۔ نماز پڑھنے میں آپ کے سر پر ادنت کی اوجڑی ڈالی۔ گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔

تین سال تک آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ایک پہاڑی (شعب ابی طالب) میں بند رکھا اور مکمل بائیکاٹ کیا۔ غرضیکہ کوئی تکلیف ایسی نہیں جو دشمنوں نے نبی کریم علیہ السلام کو نہ پہنچائی ہو۔ یہاں تک کہ آپ کو دین چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ایسے دشمنوں کے ساتھ رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو برتاؤ کیا دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال اپنے کسی لیڈر میں نہیں دکھا سکتی جس کا اندازہ ان چند واقعات سے ہوتا ہے۔

مکہ میں تمام غلہ میامہ سے آتا تھا جو ثمامہ ابن آثال سے خریدا جاتا تھا جو مدینہ آکر مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے مکے کے کافروں کو غلہ دینا بالکل بند کر دیا جس سے مکے میں لوگ بھوکے مرنے لگے۔ دشمنوں نے مجبور ہو کر نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں گزارش کی۔ کہ آپ ثمامہ کو حکم دیجئے کہ وہ غلہ پہلے کی طرح دیا کریں۔ نبی کریم علیہ السلام نے دشمنوں کے مصیبت کو پسند نہ فرمایا اور ثمامہ ابن آثال کو حکم دیا کہ غلہ بھیجا جائے۔ ثمامہ نے حکم کی تعمیل کی۔ غلہ مکے جانا شروع ہو گیا۔ اور جس مقدس ہستی کو کافروں نے مکے سے نکالا تھا۔ اسی کے ذریعے انہیں بھوک سے نجات ملی۔

غزہ احد میں ان ہی دشمنوں نے نبی کریم علیہ السلام کو اس قدر تکلیف پہنچائی کہ آپ کے جسم سے خون بہنے لگا۔ دانت کا ایک حصہ شہید گیا۔ لیکن اس کے باوجود جب



صحابہ نے آپ سے گزارش کی کہ ان دشمنوں کے لئے بددعا فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا  
 ”اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے۔ کیونکہ یہ مجھے جانتے نہیں۔“  
 حضرت خیاب ابن الارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مکے کے کافر ہمیں بہت  
 ستاتے اور پریشان کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضور علیہ السلام آرام فرما رہے تھے کہ  
 میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ان دشمنوں کے لئے بددعا کیوں نہیں  
 فرمادیتے۔ تاکہ یہ ہلاک ہو جائیں۔ اور ہمیں ان کی تکلیفوں سے نجات ملے۔ یہ سن کر  
 آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا: تم مصیبتوں  
 سے گھبراتے ہو۔ حالانکہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی  
 جاتی تھیں۔ جن سے ہڈی اور گوشت علیحدہ ہو جاتا تھا اور ان کو چیر کر دو ٹکڑے  
 کر دیئے جاتے تھے۔ مگر وہ برداشت کرتے تھے۔ اور دین کو نہ چھوڑتے تھے۔ تم مت  
 گھبراؤ ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو کمال عطا فرمائے گا۔ اور  
 اسلام کی وجہ سے دنیا میں ایسا امن و سکون ہو جائے گا۔ کہ تنہا سفر کرنے والے کو  
 بھی کسی کا ڈر نہ رہے گا۔

ہیبار ابن اسود قریشی نے حضور علیہ السلام کی فضا جزادی حضرت زینب  
 رضی اللہ عنہا کو مکے سے مدینہ آتے ہوئے اونٹ سے گرایا جس سے آس کا حمل ضائع  
 ہو گیا اور ایسی چوٹ آئی کہ اسی کی وجہ سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد  
 جب ہیبار ابن اسود آپ کے سلمے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو معاف فرمادیا  
 اسی قسم کے اور بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی  
 کریم علیہ السلام نے دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے ان کی غلطی معاف کر دینے کا  
 نمونہ پیش کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اکثر دشمن اسلام لائے۔ اور حضور علیہ  
 السلام پر انہوں نے اپنی ہر چیز کو قربان کیا۔ اور جو اپنی فتنہ یا بٹ دھرمی کی وجہ



سے مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے بھی آپ کی خوبیوں اور کمالات کو تسلیم کیا۔  
 نبی کریم علیہ السلام نے حاکموں کی ہدایت کے لئے فرمایا۔ ”بے شک بدترین  
 حاکم وہ ہے جو اپنی رعیت پر سختی کرے“ حضرت معقل ابن ہبیار رضی اللہ عنہ نے  
 بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص بھی کسی کا سردار ہے۔ وہ کسی نہ کسی  
 دن مرے گا۔ لیکن اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتا تو اللہ اس پر جنت حرام  
 فرمادیتا ہے۔

عام لوگوں کو حاکموں کی اطاعت کرنے کا حکم اس طرح دیا۔ حضرت انس  
 رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر چاہے کسی چھوٹے سر  
 والے حبشی غلام ہی کو حاکم بنا دیا جائے۔ لیکن تم اس کا حکم سنو اور اس کی بات مانو“  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ  
 چاہے غریبی حالت ہو یا دولت مندی کا زمانہ چاہے تم کسی بات کو پسند کرو یا  
 نہیں کرو۔ کسی بات سے فائدہ ہوتا ہو یا نقصان لیکن ہر حال میں تمہیں اپنے حاکم  
 کا حکم ماننا چاہئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ  
 جس نے بادشاہ (حاکم) کی بے عزتی کی تو اللہ اس کی بے عزتی کرے گا۔

حضور علیہ السلام نے سرداروں، حاکموں اور بادشاہوں کا حکم ماننے اور ان  
 کی عزت کا حکم دینے کے ساتھ ہی ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا۔ کہ کسی کی بات اس صورت  
 میں نہیں مانی جائے گی۔ جس سے خدا کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہو۔ یعنی جو حاکم خود حاکم  
 حقیقی خدائے وحدہ لا شریک کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوئے اس کے  
 حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تو عوام کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئے لیکن  
 جو حاکم کوئی حکم دے جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو۔ یا شریعت کے خلاف کام کرنا پڑے



تو اس حاکم کی بات نہیں مانی جائے گی۔

غرضیکہ عام طور پر حکومتوں اور ملکوں کا انتظام تو اس لئے خراب ہوتا ہے کہ حاکم یا سردار عوام پر ظلم کرتے اور ان کو ستاتے اور ان کا حق مارتے ہیں۔ اور یا اس لئے کہ عوام بلاوجہ حاکموں کی نافرمانی کرتے اور ان کی بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جیسو علیہ السلام نے ان دونوں صورتوں کو ختم کرنے کے لئے حاکموں کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے عوام کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے اور ان کا حکم ادا کرنے کا حکم دیا اور عوام کو اپنے حاکم کی عزت کرنے ان کا حکم ماننے کی تعلیم دی۔

یہاں نبی کریم علیہ السلام کے کچھ ارشادات اور زندگی کے چند واقعات پیش کئے گئے ہیں اسی طرح آپ کی زندگی اور حصوں پر غور کیا جائے تو ہر شخص کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی زندگی حقیقت میں انسانیت کی ترقی کامیابی اور کامرانی کے لئے ایک بہترین نمونہ ہی تھی۔ اس دور کے مسلمانوں کی یہ بد نصیبی ہے کہ ایسے بہترین نمونے کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنے کے بجائے ایسوں کے طریقے اور ڈھنگ اختیار کریں جن کے پاس زندگی کے لئے بہترین اصول اور طریقے موجود نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں اس نبی کا امتی بنا یا جس نے نہ صرف ہمارے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے زندگی کے بہترین اصول اور طریقے پیش کئے۔ اللہ ہمیں انہی طریقوں کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



## حضور علیہ السلام کے ارشادات

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا اس بات کی کہ  
خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج  
کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ۔  
ایمان کے ساٹھ سے زیادہ حصے ہیں اور شرم بھی ایمان کا ایک  
حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان  
محفوظ رہے۔ اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ  
دے جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام سے  
کسی (حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ) نے سوال کیا کہ اسلام کی کونسی  
عبادت بہتر ہے تو آپ نے فرمایا۔

کھانا کھلانا (ضرورت مند کو) اور سلام کرنا جس کو تم پہچانتے  
ہو یا نہ پہچانتے ہو۔



حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
تم میں سے کوئی مومن (کامل) اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔  
جب تک کہ وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے مسلمان  
بھائی کے لئے پسند کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
تم میں سے مومن (کامل) اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب  
تک کہ میں اس کو اس کے والد اور والدہ اور سب لوگوں سے  
زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے وہاں عورتیں زیادہ دیکھیں  
اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتی ہیں کہا گیا: کیا وہ خدا سے کفر کرتی  
ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا (نہیں) بلکہ شوہروں کی نا  
شکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں۔ تم اگر ان کے ساتھ  
ایک زمانے تک احسان کرو اور ایک مرتبہ بھی تم سے ان کے  
مزاج کے خلاف کوئی کام ہو جائے تو وہ کہتی ہیں مجھے تم  
سے کبھی کوئی بھلائی نہیں ملی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے۔  
جب وعدہ کرے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت  
رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جائے اور اس کے ساتھ



رہے حتیٰ کہ نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ ۲  
 قیراط ثواب لے کر لوٹے گا ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔  
 اور جس نے صرف نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے قبل ہی واپس  
 ہو گیا تو وہ صرف ایک قیراط اجر لے کر لوٹے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
 مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا یعنی اسکو  
 حلال جاننا کفر ہے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔  
 جب کوئی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو  
 صدقہ کا ثواب پائیگا۔





۲



۱۴۲



# مُعَلِّمِ كَامِلٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۰ فروری ۱۹۷۸ء  
میت پیش کیا گیا

موضوع کا نفرنس کے اعتبار سے میرے مقالے کا عنوان "مُعَلِّمِ كَامِلٍ" ہے اور اس سے میری مراد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے کیونکہ اس جملہ کا حقیقی مصداق صرف اور صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ معلمِ کامل وہی ہو سکتا ہے:

جس کا اُستاد کامل ہو، علمِ کامل ہو، وہ اپنے علم کا خود پیکر ہو اس سے ایسے فیض یاب ہوں کہ دنیا بھر میں اس کے مشن کو پھیلا سکیں اور زندگی کے ہر میدان میں کامیاب رہیں۔

دنیا نے بشمارِ مصلح اور معلم جنم دیئے لیکن ان صفات کا حامل کوئی نظر نہیں آتا کیونکہ اُستادوں کا علم محدود ہوا تو شاگردوں میں بھی کم و بیش اتنی ہی صلاحیتیں پیدا ہو سکیں اور ان کے کام کا دائرہ بھی محدود ہی رہا۔ لہذا کسی نے ایک فن حاصل کیا تو کوئی چند فنون کا ماہر ہوا۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ پس "مُعَلِّمِ كَامِلٍ" کا عظیم منصب صرف آپ ہی کا حق قرار پاتا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُستاد وہ ہے جس کا علم ازل و



ابدی ہے، غیر ملتنا ہی اور غیر محدود ہے جس کی تسان "عالم الغیب والشہادہ" ہے اور جس کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ مستند طریقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی مدرسہ میں پڑھا نہ کسی اُستاد کے سامنے زانوئے ادب طے کیا، نہ ہی کتابوں، الفاظ اور حروف سے حصولِ علم کے لئے مدد لی بلکہ جو کچھ جانا، جو کچھ سیکھا وہ اُستادِ کاملِ وحدہ لا شریک کا بلا واسطہ فیض تھا جو آپ کے قلبِ مبارک پر جاری ہوا اور جس نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے "معلمِ کامل" بنا دیا جیسا کہ قرآنِ کریم سے بھی واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُن تَعْلَمُونَ اور سکھا دیا تم کو جو تم نہ جانتے تھے

وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا اور تم پر تو اللہ کا بڑا فضل ہے

سیدنا آدم علیہ السلام کو صرف اشیاء کے نام بتائے گئے دیگر انبیاء

کرام علیہم السلام کو ان کی وقتی ضرورت کے مطابق محدود علم دیا گیا لیکن

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ كِ تَان ر کھنے والے نبی معظّم صلی اللہ

علیہ وسلم کو ایسا محیط علم عطا فرمایا گیا کہ کائنات کی کوئی بات ان کے دائرہ علم

سے خارج نہ رہی حتیٰ کہ آپ کے علم کی حد متعین کرنا یا اس کا اندازہ لگانا

کسی انسان کے بس کی بات نہیں اگر کوئی سوال بھی کرے کہ اس "معلمِ کامل"

کو کتنا علم دیا گیا تو جواب یہ ہے

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عِبَادِهِ کہ خالقِ حقیقی نے اپنے عبدِ کامل

مَّا أَوْحَىٰ کو جو کچھ چاہا بتا دیا۔

یہاں تک کہ:-

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش

سے نہیں کرتے ان کی بات تو وہی

ہوتی ہے جو انہیں وحی کی جاتی ہے،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

ان کا علم ایسا کامل ہوا کہ دوسرے اہل علم کی طرح کسی معاملے



میں خود سوچتے یا کسی سے مدد حاصل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی  
بس جو یہ نہیں جانتے ان کا اُستاد کامل خود ہی ان کو بتا دیتا ہے لہذا ان کی  
زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو مرضی الہی کے عین مطابق ہی جانا چاہیے۔  
حضور علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں:

مَعَلَّمَنِي سِرِّي وَأَحْسَنَ  
تَعْلِيمِي أَدَبِي سِرِّي وَ  
أَحْسَنَ تَأْدِيبِي  
میرے رب نے مجھے سکھایا اور  
میری اچھی تعلیم فرمائی میرے رب  
نے میری تربیت فرمائی اور مجھے  
اچھی تربیت دی۔

تعلیم و تربیت لازم و ملزوم ہیں۔ بہترین معلم بہترین مربی ہوتا ہے  
حضور علیہ السلام کی تعلیم و تربیت رب حقیقی نے کی اس سے بہتر تعلیم دینے  
والا اور تربیت کرنے والا کون ہو سکتا ہے لہذا آپ نے جو کچھ سکھایا اور  
جو کچھ بتایا وہ نہایت ہی کامل اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے کافی  
ہے اس حقیقت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آپ کو اُستادِ کامل سے  
نہایت ہی کامل علم نصیب ہوا۔

اُستادِ علیم و خبیر ہے۔ شاگرد کا واسطہ اُستاد سے قائم ہے تو پھر  
علم ایسا کامل کیوں نہ ہو کہ لوگ کوئی بات چھپانا چاہیں تو نہ چھپا سکیں۔ اس  
کمالِ علم کے سامنے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے  
اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار سکھانے کے لئے مقرر کیا گیا اور خالق کائنات  
نے بنی نوع انسان کو اس ”معلم کامل“ سے فیض حاصل کرنے کا حکم دیتے  
ہوئے فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
فَخُذُوهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ  
فَانْتَهُوا وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ  
جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں  
وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں  
باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک



سَدِيدُ الْعِقَابِ - اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(پ: ۲۸ - المحشر: ۷)

جس رسول کو تمہارا معلم مقرر کیا گیا ہے وہ ایسا کامل ہے کہ اس کی بتائی ہوئی کسی بات میں تردد و تامل کی تمہیں ضرورت ہی نہیں کیونکہ جس کا علم محدود ہو اور وہ صرف اپنے زمانہ کے حال سے واقف ہو یا مستقبل کا کچھ اندازہ رکھتا ہو اس کی تعلیمات میں تو تردد و تامل کیا جاسکتا ہے کہ معلوم نہیں اس تعلیم پر عمل سے زندگی کا مستقبل تا بناک ہو گا یا تاریک لیکن نبی مکرم علیہ السلام تو ایسے معلم کامل ہیں کہ ماضی کی تاریخ بھی ان کے سامنے ہے حال کو بھی وہ خوب جانتے ہیں اور مستقبل چاہے کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو حال ہی کی طرح ان کے سامنے ہے۔ وہ لوگوں کے مزاج اور حالات زمانہ کے تغیر و تبدل پر بھی نظر رکھتے ہیں انہیں رنگ و نسل، زبان اور رہن سہن کے طریقوں میں فرق کا خوب پتہ ہے لہذا وہ جس کام کے کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جس چیز سے روکتے ہیں انہیں بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا یہ فیصلہ ہر دور اور ہر قسم کے انسانوں کے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ ان کی کامیابی کا مرانی کا ضامن بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَمَنْ يُّطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
فَقَدْ قَاتَرَ قَوْمًا عَظِيمًا

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی  
فرمانبرداری کرے اس نے بڑی

کامیابی پائی۔

معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بنی نوع انسان کو تعلیم دی بلکہ اپنے اس اعلیٰ منصب کا حق اس طرح ادا کیا کہ اپنی تعلیمات کے خود پیکر بھی بنے اور جو کہا وہ کر کے دکھایا۔ وہ معلم جو "لِمَا تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" کے مصداق اپنے علم و عمل میں مطابقت پیدا نہ کر سکے اس کی تعلیم اس کے اپنے لئے تو وقتی فائدے، شہرت، یا عزت کا ذریعہ ہو سکتی ہے لیکن قوم کی اصلاح اس سے ممکن نہیں کیونکہ جیت تک عمل نہ ہو تبلیغ و نصیحت موثر نہیں



ہوتی۔ ظالم دوسروں کو ظلم کرنے سے کیسے روک سکتا ہے۔ مُرتشی رشوت خوری کی لعنت کو کیسے ختم کر سکتا ہے، سود خور سودی کاروبار پر، شرابی شراب پر، زانی و بدکار زنا و بدکاری پر، جواری جوئے بازی پر اور اسمگلر اسمگلنگ پر پابندی لگانے میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ معلم اور مصلح کی تعلیم سے زیادہ ان کے عمل پر قوم کی نظر ہوتی ہے۔ ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ درحقیقت باعمل مسلمین اور مصلحین کا فقدان ہی ہے اگر ہم اس ”معلم کامل“ سے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی حاصل کریں جس کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ  
کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس  
کے لئے جو اللہ سے ملنے کی اور  
آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو

اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

تو ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں ایسا معلم کامل ملا جس نے ہر وہ کام کر کے دکھایا جو ہماری کامیابی و کامرانی کے لئے لازمی تھا۔ اس طرح ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لئے نہایت ہی آسان ہو گیا۔

انہوں نے جہاد کا حکم دیا تو خود بھی مجاہد بنے جیسا کہ غزوات کے واقعات سے واضح ہوتا ہے۔ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوئی اور لشکر اسلام غلط فہمی میں مبتلا ہو کر منتشر ہو گیا تو آپ پوری استقامت کے ساتھ میدان میں کھڑے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اتنے تیر پھینکے کہ کمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ جنگ حنین میں ایک ایسا نازک موقع آیا۔ جب آپ نے تنہا پوری قوت کے ساتھ دشمن کے حملے کو روکا۔ ان مواقع کے علاوہ متعدد بار دوران جنگ ایسا ہوتا تھا کہ جب گھمسان کارن پڑتا تو صحابہ آپ



کی طرف پناہ کے لئے دوڑتے تھے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

”خدا کی قسم جب لڑائی شدت اختیار کرتی تو ہم حضور علیہ السلام کی پناہ تلاش کرتے تھے اور ہم میں سب سے زیادہ بہادر وہ شخص ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ دشمن کے مقابل کھڑا رہتا تھا۔“  
آپ نے امانت و دیانت کی تعلیم دی تو خود ایسے ”امین“ بنے کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کو سونپتے اور ”الامین“ کہا کرتے تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ  
وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ  
جس میں امانت نہ ہو اس کا ایمان  
کامل نہیں اور جو ایفائے عہد  
کا عادی نہیں اس کا دین کامل نہیں

اپنے اس ارشاد پر آپ نے ہر حال میں عمل کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے رات کی تاریکی میں دشمن سے چھپ کر وطن چھوڑنے کا عزم فرمایا تو خون کے پیاسوں کی امانتیں ادا کرنے کے لئے اپنے محبوب ترین صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا یا تاکہ جان کے دشمن جب آپ کو تلاش کریں تب بھی ”الامین“ ہی کہیں اور آپ کے دامن کو خیانت و بددیانتی کے عیب سے داع دار نہ کر سکیں۔

آپ نے انصاف کا حکم دیا تو اس کو اختیار بھی کیا جس کی بہترین مثال حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جب انہوں نے لوگوں کے کہنے پر خاندان مخزوم کی ایک عورت کی کسرت و معاف کر دینے کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا  
”اے اُسامہ! کیا تم خدا کا حکم جاری کرنے میں سفارش کرتے ہو تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے تھے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ ضرور



کاٹ دیتا،

آپ نے سخاوت اور غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کی تعلیم دی تو خود یہ حال تھا کہ اگر سائل کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر اس کی حاجت روائی فرما دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ہر وقت مقروض ہی رہا کرتے تھے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک دن حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ آپ کی نظر کوہِ اُحد پر پڑی۔ آپ نے فرمایا یہ پہاڑ اگر میرے لئے سونا بن جائے تو میں اس میں سے ایک دینار بھی اپنے پاس تین رات سے زیادہ رکھنا پسند نہ کروں گا سوائے اس رقم کے جو مجھے قرض ادا کرنے کے لئے درکار ہوگی۔

آپ نے زہد و تقویٰ کی تعلیم دی تو خود بھی پابندی فرمائی۔ چنانچہ آپ کی سیرت میں یہ بات اہم ترین ہے کہ آپ کے دولت کدہ میں سے بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی۔ صرف پانی اور چھپواروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ کبھی تو بھوک کی شدت سے آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دن صحابہ نے آپ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا تو آپ نے اپنا پیرا ہن مبارک اٹھایا۔ صحابہ نے دیکھا کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہیں۔

مختصر یہ کہ بنی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے معلم کامل ہیں جنہوں نے پیکرِ عمل بن کر تعلیم دی اور وہ جو کچھ احکامِ الہی اور شریعت لے کر آئے ان کی عملی زندگی و حقیقت تفسیر تھی قرآن و شریعت کی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب حضور علیہ السلام کے عادات و اطوار کے متعلق کسی نے سوال کیا تو آپ نے کیا خوب جواب عنایت فرمایا۔

كَانَ خُلُقَهُ الْقُرْآنَ      قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی



عملی زندگی میں موجود تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ”معلم کامل“ ہونے کا ایک واضح ثبوت آپ کے تلامذہ کا کمال بھی ہے۔ فیضانِ نبوت نے ان حضرات کو جو کمال عطا کیا اس کا اندازہ قرآن کریم کی ان آیات سے کیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

رپ ۲۸۔ مجادلہ؛ آخری آیات)

تسرع جمعہ؛ تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ اللہ سے راضی ہوئے اولئک حزب اللہ یہ اللہ کی جماعت ہے الا ان حزب اللہ هم المفلحون خبردار بے شک اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا فیضان یا ب کیا کہ ان میں اتنا عظیم انقلاب پیدا ہو گیا کہ ان کے قلوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے منور ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے اسلام کے دشمنوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ باپ نے بیٹے کو چھوڑا، بیٹے نے باپ کو، شوہر نے بیوی کو، بھائی نے بھائی کو، عزیزیکہ وہ ہر اس شخص کو اپنا دشمن سمجھنے لگے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو۔ اور ہر اس شخص کو پسند کرنے لگے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتا ہو۔ ان کے قلوب ایمان کا گہوارہ بن گئے اور ان کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ انہیں دنیا میں جنت کی خوشخبری مل گئی۔ اللہ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان بھی فرمایا دیا۔ وہ اللہ کے خاص بندوں میں شامل کر لئے گئے اور زندگی کے ہر



میدان میں ان کی کامیابی یقینی قرار دے دی گئی اور انہیں انسانیت کا دوسرا  
اعلیٰ ترین مقام نصیب ہوا۔

اُستاد کی تربیت کا اثر شاگرد پر ضرور ہوتا ہے مگر جس طرح معلم کامل  
صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بدوؤں، شہریوں، تاجروں، مزدوروں، حاکموں  
اور غلاموں میں انقلاب پیدا کیا۔ اُن کو مجاہد، مبلغ، خدا کا سپاہی اور دنیا کا  
بہترین حاکم بنایا اس کی نظیر تاریخ انسانیت میں نہیں پائی جاتی۔ آپ کو  
خود اپنے شاگردوں پر اس قدر اعتماد ہے کہ قیامت تک آنے والے امتیوں  
کو اُن کی اتباع و پیروی کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

يا ايها القديمتما اھتدیتم ان میں سے جس کا بھی تم دامن  
پکڑ لو گے منزل پا لو گے۔

یہ سب آفتاب نبوت کے ایسے چمکتے دکھتے ستارے ہیں جو متلاشی حق  
کی رہنمائی کی اور اس کو منزل تک پہنچانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ بشرط  
یہ ہے کہ ان کی اتباع و پیروی اختیار کر لی جائے۔

میں آخر میں ”معلم کامل“ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاد پیش کرنا چاہتا  
ہوں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے اور  
پتہ چلتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لئے آپ کی نظر کس قدر وسیع  
تھی: —

۱۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام  
نے فرمایا:۔

مَا مِنْ شَيْءٍ اَنْقَلَ فِي مِيزَانِ عَبْدٍ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَدِيحَ

قیامت کے دن مسلمانوں کے ترازوں میں حُسنِ خلق سے زیادہ  
بھاری کوئی چیز نہ ہوگی اور بیشک اللہ تعالیٰ بیوقوفہ باتیں کرنے والوں  
سے نفرت فرماتا ہے۔



۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام

نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ سَرِيفٌ يُحِبُّ الْمَرْفِقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ

بیشک اللہ مہربان ہے اور تمام کاموں میں مہربانی ہی کو پسند فرماتا ہے۔

۳- حضرت عیاض رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاصَعُوا حَتَّى لَا يَفْخُدَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ

وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ

بے شک اللہ نے مجھے یہ بتایا کہ آپس میں تواضع سے پیش آؤ یہاں تک

کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

۴- حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ

السلام سے ایک شخص نے پوچھا کہ اسلام میں سب سے اچھا کام

کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

أَنْ تُطْعِمَ الطَّعَامَ وَتُقْرِئَ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَدَدْتَ وَلَمْ تَعْرِفْ

بھوکے کو کھانا کھلانا اور ہر ایک کو سلام کرنا، چاہے تم اس

کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

نبی کریم علیہ السلام کے ان ارشادات میں باہمی میل محبت کی تعلیم

ہے جو معاشرتی سکون کے لئے نہایت ضروری ہے اور بدقسمتی سے ہم

اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے کے بیشتر مسائل کا سبب باہمی

میل محبت کا فقدان ہے۔ اس نعمت کے حصول کے لئے معلم کامل صلی اللہ

علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہم میں سے ہر ایک کو یہودہ گفتگو، تلخ کلامی،

اور آپس میں لعن طعن، ایک دوسرے پر فخر و غرور اور ظلم و ستم جیسے

تمام عیوب سے پرہیز کرنا ہوگا۔

۵- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا "وہ شخص ذلیل و خوار ہو گیا لوگوں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ



کون ذیل و خوار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ آدَرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا  
ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو پایا  
اور وہ (اُن کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا (یعنی اُس نے  
والدین کی خدمت نہ کی)۔

۶۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ

بے شک اللہ نے ماں کی نافرمانی کو تم پر حرام کر دیا ہے۔

۷۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا:

مِنْ صَنِ الرَّبِّ فِي رَضِيَ الْوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ  
بَابُ كِي خَوْشَنُودِي فِي خَدَا كِي خَوْشَنُودِي هِي اَوْر بَابُ كِي نَارِ اَضْغَلِي فِي  
خَدَا كِي نَارِ اَضْغَلِي هِي۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ سَرِحَةً

جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ سارے روز

گمراہ ہے۔

۹۔ حضرت جہیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

رشتہ داری کو ختم کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۱۰۔ حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ

السلام نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ



جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

۱۱۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا

خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ هُوَ لِيَصَاحِبُهُ وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ هُوَ لِيَجَارِي ۝

اللہ کے نزدیک دوستوں میں سے بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوست کے ساتھ اچھا ہو اور پڑوسیوں میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا ہو۔

ان احادیث میں والدین، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی گئی۔ معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی اصلاح اور خدا کی رضا کے لئے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس میں سب سے زیادہ اہم والدین کے حقوق کی ادائیگی پھر دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ ظاہر ہے جب ایک شخص اپنے گھر، اپنے خاندان اور اپنے پڑوسیوں کے حق ادا کرنے کا عادی ہو گا تو وہ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا وہ اپنے حاکم، محکوم، رفقاء، عزیزیکہ ہر ایک کا حق ادا کرے گا۔ جب انفرادی طور پر حقوق کی ادائیگی کی عادت پیدا کر لی جائے تو اجتماعی طور پر معاشرے کی بہت سی دشواریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ہمارے معاشرے کی بہت سی خرابیاں صرف ہمارے اس عیب کی وجہ سے ہیں کہ ہمیں حقوق کی ادائیگی کا کوئی خیال نہیں دفاتر دیر سے آنے والے کام کے اوقات میں چائے نوشی اور گپ بازی میں وقت ضائع کرنے والے، دفاتر سے جلد بھاگ جانے والے، کام میں سستی کرنے والے، رشوت لینے والے یہ سب وہی ہیں جنہیں یہ پتہ نہیں کہ بندوں کا حق ادا کرنا کس قدر اہم ہے انہیں نہ اپنے ماں باپ کے حقوق کا کوئی خیال ہوتا ہے نہ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا حق ادا کرنا۔ یہ ضروری سمجھتے ہیں تو یہ زندگی کے ہر معاملہ میں حق تلفی ہی کرتے رہتے ہیں اور پورے معاشرے کو اپنی اس بد عادت سے مضطرب



بے چین کئے ہوئے ہیں۔

۱۲- حضرت علی رضی اللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:  
 أَيَاكَ رَدَّ عَوَّةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّمَا يَسْتَلُّ اللَّهُ تَعَالَى حَقَّهُ، وَإِنَّ  
 اللَّهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهُ۔

خود کو مظلوم کی بددعا سے بچاؤ کیونکہ وہ اللہ سے اپنے حق کا سوال  
 کرتا ہے اور اللہ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

۱۳- حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:  
 مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيَقْوِيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ  
 خَرَجَ عَنِ الْإِسْلَامِ

جو ظالم کو تقویت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ چلا یہ جانتے ہوئے  
 کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام کے طریقے سے ہٹ گیا۔

۱۴- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:  
 لَا تَأْوِنُوا أُمَّةً تَقُولُونَ إِنَّا أَحْسَنُ النَّاسِ أَحْسَنًا وَ  
 إِنَّا ظَلَمْنَا ظَلَمْنَا وَظَنُّوا أَنفُسَكُمْ إِنَّا أَحْسَنُ النَّاسِ  
 أَن نُّعْتَبِنُوا وَإِنَّا أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا

تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جو یہ کہتے ہیں اگر لوگ ہم سے بھلائی  
 کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ زیادتی کریں گے تو ہم  
 بھی زیادتی کریں گے بلکہ تم اپنے آپ کو اس بات کا عادی بناؤ کہ اگر  
 لوگ تمہارے ساتھ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ زیادتی  
 کریں تو تم زیادتی نہ کرو۔

۱۵- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام  
 نے فرمایا:

كُفِيَ بِالْمَرْءِ إِثْمًا إِنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوَّتَهُ  
 انسان کے گناہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ جس کی روزی کا مالک



ہو اس کو روک دے۔

معلمِ کامل کے ان ارشادات میں لوگوں پر زیادتی اور ظلم و ستم کرنے کی ممانعت ہے۔ جو معاشرے کی اصلاح کا ایک مستقل باب ہے۔ ذخیرہ اندوزی، ناجائز نفع خوری، چیزوں میں ملاوٹ، اسمگلنگ اور اس قسم کی تمام چیزیں ظلم و ستم ہی کا ایک حصہ ہیں اور ان کے مرتکب افراد معاشرے کے بدترین ظالم ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل ناگزیر ہے۔

۱۶۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا:

لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيَتْهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَكَلْتِ  
إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيَتْهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ إِلَيْهَا  
تم حکومت کی آرزو مت کرو کیونکہ اگر وہ تمہیں تمہاری آرزو سے  
ملی تو تمہیں اس میں پھنسا دیا جائے گا اور اگر بغیر آرزو کے ملی تو  
معاملات حکومت میں تمہاری غیبی امداد ہوگی۔

۱۶۔ حضرت نو اس ابن سمعان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ  
کسی کی طاعت ایسی بات میں نہیں کی جائے گی جس میں خدا کی نافرمانی ہو۔

۱۸۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے

ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقَّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ  
حاکم جابر کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

۱۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ السُّلْطَانَ ظَلَمَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ يَأْتِي إِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُومٍ  
مِنْ عِبَادِهِ فَإِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ وَ



إِذَا جَاءَكَ كَانَ عَلَيْكَ الْإِحْسَارُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ

بیشک حاکم زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے کہ اللہ کے مظلوم بندے اس کی پناہ میں آتے ہیں پس اگر وہ انصاف کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کے لئے اجر ہے اور رعایا پر اس کا شکر یہ اور اگر وہ ظلم کرتا ہے تو اس کے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور رعایا کے لئے صبر کرنا ہوتا ہے۔

۲۰۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَفْضِيَنَّ حَكْمَ بَيْنِ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانٌ

غصہ کی حالت میں کوئی دو آدمیوں کے درمیان ہرگز فیصلہ نہ کرے۔

۲۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَنَالَ، ثُمَّ غَلَبَ عَدُوَّهُ  
جَوْرَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ، جَوْرَهُ عَدُوَّهُ فَلَهُ النَّارُ  
جس نے مسلمانوں کا قاضی بنا چاہا حتیٰ کہ اس کو یہ منقام مل گیا پھر اس کا انصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنتی ہے اور جس کا ظلم انصاف پر غالب آگیا تو وہ جہنمی ہے۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ قَعَّ الْقَاضِيَّ مَا لَهُ يَجِدُ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلِزِمَهُ  
الشَّيْطَانُ

بے شک قاضی کے ساتھ اللہ کی رحمت ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے۔ پس اگر وہ زیادتی کرنے لگے تو خدا کی رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے اور شیطان اس کو گھیر لیتا ہے۔

سیاست و حکومت کے متعلق معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ



تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کا انتشار حاکم اعلیٰ اور منصف کو اس کی ذمہ داری اور حیثیت کا احساس دلانا ہے کیونکہ جس حاکم و منصف کو اپنے منصب کی اہمیت کا پتہ نہ ہو وہ مملکت اور رعایا کو خوشحالی و سکون مہیا نہیں کر سکتا۔ حاکم وہ ہو جسے حکومت کی قطعاً خواہش نہ ہو۔ خدا کا مطیع ہو اور اسی کے احکام بندوں پر نافذ کرے، حتیٰ کو اختیار کرے اور حق کی بات کو پسند کرے۔ رعایا کے حقوق کی ادائیگی کے لئے مضطرب اور سکون و طمانیت کے لئے متفکر رہے۔ منصف اور متحمل مزاج، غصہ و لالچ سے بہت کہ مخالف کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرے ظلم و ناانصافی سے بچتا رہے ایسے حاکم و منصف کا قوم کو مل جانا بڑی خوش نصیبی ہے ایسا حاکم و منصف رعایا و مملکت پر خدا کی رحمتوں کے نزول کا ذریعہ اور امن و امان کی زندگی کا سبب ہوتا ہے۔

یہ چند ارشادات ہیں جو بطور نمونہ پیش کئے گئے۔ یوں تو معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات قابل عمل ہے لیکن اگر اپنی اصلاح کی ابتدا کرتے ہوئے ہم ان تعلیمات کو اپنانے کا عزم کر لیں اور ان پر عمل شروع کر دیں تو یقیناً خدا کی رحمت کے دروازے ہمارے لئے وا ہونے لگیں گے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔





# سفر معراج

نبی کریم آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے خصوصی معجزات عطا فرمائے جو انبیائے سابقین علیہ السلام میں سے کسی کو نہ دیئے گئے۔ انہی میں سے ایک سفر معراج بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو کمال رفعت عطا فرمایا اور اپنے کمال قدرت کا مظاہرہ فرمایا وہ مسلمان جس کو بارگاہ الہی میں قرب نبی کریم علیہ السلام کا تھوڑا سا بھی اندازہ ہے اور وہ قدرت باری تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتا ہے وہ سفر معراج کے حق ہونے کا انکار تو درکنار اس میں کسی قسم کا شک و شبہ بھی نہیں کر سکتا اسی لئے ہر زمانہ کے مسلمانوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا اور اس دور میں بھی دنیا بھر کے مسلمان اس معجزے پر بلا تردد یقین کرتے ہیں اور اس یقین ہی کو مزید مضبوط اور تازہ کرنے کے لئے معراج کے واقعات کچھ سال مختلف انداز سے بیان کیا جاتا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظریہ مضمون بھی قلمبند کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اس مقدس سفر کے تین حصے یا تین منزلیں ہیں پہلے حصہ کو "اسراء" کہتے ہیں جس کی ابتدا مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے ہوئی اور اس کی انتہا مسجد اقصیٰ تھی۔ دوسرے حصہ کو معراج کہتے ہیں جو مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک ہے۔ تیسرے حصہ کو "اعراج" کہا جاتا



ہے جو آسمانوں سے شروع ہوئی اور اس کی انتہا قرآن کریم کے اس جملہ میں ہے۔

دَنِي فَتَدَلِّي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا حضور! ہمیں یقین ہے کہ معراج قلب، قالب اور روح تینوں کو ہوئی۔ لیکن یہ کس طرح ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا:

تَنْظُرِي خَيْرًا وَلَا تَسْئَلِي  
عَنِ الْخَيْرِ

گمان خیر رکھو اور خیر کی بابت  
تحقیق مت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہے جس کو مان لو اور اس کی ماہیت و کیفیت کے پیچھے مت پڑو کہ جو ثواب ایمان و یقین میں ہے وہ ذریعہ نجات ہے۔

اگرچہ واقعہ معراج پر عقلی و نقلی صریح دلائل موجود ہیں لیکن مسلمان کے عقیدے اور نبی کریم علیہ السلام سے محبت اور خصوصی تعلق کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس معجز العقول واقعہ پر کلی ایمان رکھے اور

اور اس کی ماہیت و کیفیت پر شکوک و شبہات پیدا نہ ہونے دے، صفاتِ محبوب کو بلا تحقیق و تردید ہی تسلیم کر لینا کمالِ محبت ہے۔

جمہور علماء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد محدثین و فقہاء اور متکلمین سب کا مذہب یہ ہے کہ زمین و آسمان اور لامکان و لا زمان کا یہ عظیم سفر نبی کریم علیہ السلام کو بحالت بیداری اور جسمانی طور پر کرایا گیا۔ یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جانا تو قطعی اور یقینی ہے جس کا منکر مسلمان نہیں۔ زمین سے آسمانوں کی طرف معراج ہونا مشہور احادیث سے ثابت ہے اس کا منکر فاسق اور گمراہ ہے اور آسمانوں سے فوق العرش اور لامکان تک جانا اخبارِ احاد سے ثابت ہے جس کا منکر سخت گناہ گار ہے۔



وقوع معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے لیکن اختلاف تاریخ کا حقیقت  
واقعہ پر کوئی اثر نہیں۔ سال معراج میں یہ اقوال ہیں:  
ہجرت سے ایک سال پہلے، ہجرت سے پانچ سال پہلے، بعثت کے  
پانچ سال بعد۔

اسی طرح ماہ معراج میں بھی متعدد اقوال ہیں۔  
ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، رمضان، شوال۔  
تاریخ معراج سے متعلق چند اقوال یہ ہیں۔  
۱۔ رمضان المبارک، ۲۔ ربیع الاول، ۳۔ رجب۔  
لیکن مشہور اور صحیح قول یہی ہے کہ یہ عظیم واقعہ رجب کی، تاریخ  
کو پیر کی رات میں واقع ہوا۔

نبی کریم علیہ السلام کے اس معجزے کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل  
کی اور سورہ والنجم کی آیات میں بیان فرمایا ہے اور اس کی تفصیل خود  
صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ جو بخاری شریف،  
مسلم شریف اور تمام ہی کتب الحدیث میں موجود ہے۔ انہی احادیث  
کی روشنی میں اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

نبی کریم علیہ السلام نے بیان کیا کہ ایک رات میں حطیم کعبہ میں سو  
رہا تھا کہ یکایک جبریل علیہ السلام آئے انہوں نے مجھے بیدار کیا اور  
خدا کی قدرت سے، انہوں نے حلقوم سے ناف تک میرا سینہ چیرا اور  
میرا دل نکال کر اس کو ایک سونے کے طشت میں دھویا جو ایمان و  
حکمت سے لبریز ہو گیا۔ پھر میرے دل کو سینہ میں اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔  
پھر مجھے بہشتی لباس پہنایا گیا اور میرے پاس ایک جانور سواری  
کے لئے لایا گیا جو چرخ سے نیچا اور گدھے سے اڑ سکتا تھا۔ وہ اپنا قدم  
منتہائے نظر پر رکھتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا پھر جبریل مجھے لے کر  
چلے ہیں مختومی دیر میں بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) پہنچا۔ جبریل نے



میرمی سواری کی باگ چٹان کے اس سوراخ میں باندھی جس میں مجھ سے پہلے انبیاء اپنی اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا۔ جہاں تمام انبیاء کرام پہلے ہی سے میرے منتظر تھے۔ میں نے وہاں روکا نہ ادا کیا اور تمام انبیاء کی امامت کی پھر مجھے جبرئیل نے کر چلے۔ بعض روایات کے مطابق مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی طرف آپ براق سے نہیں بلکہ ایک نورانی سیڑھی سے تشریف لے گئے جس کو عربی میں "مصراج" کہا جاتا ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہم مسجد اقصیٰ سے آسمان دنیا پر پہنچے تو جبرئیل نے اس کا دروازہ کھلوا دیا تو پوچھا گیا کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا جبرئیل۔ پھر آسمان کے فرشتے نے سوال کیا تمہارے ساتھ کون ہے انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا ہاں۔ فرشتے نے کہا خوش آئیے ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک۔ دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں داخل ہوا تو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا۔ جبرئیل نے مجھے کہا یہ ہیں ابوالبشر آدم علیہ السلام آپ انہیں سلام کیجئے۔ پس میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اولہ کہا اے صالح بیٹے اور صالح نبی خوش آئیے یہ سفر مبارک ہو۔

بخاری شریف میں حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ساتوں آسمانوں سے آپ کے گزرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جن انبیاء سے باقی آسمانوں پر ملاقات ہوئی اس کو اس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے:

دوسرے آسمان پر یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے اقمیرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر حضرت آدریس



علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

اس کے بعد احادیث میں آپ کا جنت و دوزخ کا معائنہ فرمانا مذکور ہے۔ جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آوازیں بھی آپ نے سنیں۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا سدرۃ المنتہیٰ عرش الہی کی جڑ میں ایک پیری کا درخت ہے۔ تمام عالم اور جملہ مقرب فرشتے، نبی اور رسول سب کا علم اس پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد ایسا غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا میں آسمانوں کا سفر طے کرنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو اس درخت سدرہ کے پھل مقام ہجر کے ٹکوں کی طرح نئے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ جبریل نے بتایا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے بس اب آپ آگے تشریف لے جائیں۔ میں نے جبریل سے آگے بڑھنے کو کہا تو وہ بولے:

”اگر میں یہاں سے انگلی کے برابر آگے بڑھ جاؤں تو جل کر

خاک ہو جاؤں گا۔“

گویا نورانیتِ مصطفیٰ جبریل کی نورانیت پر غالب آگئی اور

اس طرح مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کا امام بنا کر نبی کریم علیہ السلام کی بشریت کی فضیلت کا مظاہرہ کیا گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اعلیٰ اور بلند مراتب کے باوجود مقتدی بنے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم امام اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور علیہ السلام کے کمال نورانیت کا مظاہرہ کیا گیا کہ نورانی مخلوق میں سب سے بلند مرتبہ رکھنے والے حضرت جبریل علیہ السلام سدرہ پر رک گئے اور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اس خاص مقام



سے بھی آگے بڑھے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ پھر نبی کریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب نصیب ہوا جسے "قاب قوسین" سے بگیر کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اپنی قدرت کاملہ سے نبی کریم علیہ السلام سے دُکمانوں کی مقدار یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا اور آپ نے اپنے رب کے جمال مبارک کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کمال قرب میں جو کچھ ہوا اُس کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى

بلانے والے نے جو چاہا اپنے بندے کو عطا فرما دیا۔ عام انسانوں کے پاس علم کا وہ کمان کہاں جس سے وہ جان سکیں کہ رب نے اپنے محبوب کو کیا دیا بلکہ ان میں اتنی قوت برداشت بھی نہیں کہ انہیں بتا دیا جائے کہ سینۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شب کیسے عظیم علم کا گنجینہ بنا دیا گیا۔ اس لامحدود و غیر متناہی علم کا متحمل صرف سینۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بنا۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سفر سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے بطور تحفہ مجھے پچاس نمازیں عطا فرمائیں جب میں واپس ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری امت پچاس وقت کی نمازوں کی پابندی نہیں کر سکے گی۔ خدا کی قسم میں نے تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے سخت برداؤ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ احکام الہی کی پابندی نہ کر سکے لہذا آپ اپنے رب کے پاس لوٹ جائیے اور اپنی امت کے لئے تحقیق کی درخواست کیجئے، چنانچہ میں لوٹا اور اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم فرمادیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا



میں دوبارہ واپس گیا اور دس نمازیں پھر کم ہو گئیں اس آدورہفت کا اعادہ  
 کسی مرتبہ ہوا یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں لیکن حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام نے مجھے ان میں بھی کمی کرنے کا مشورہ دیا تو میں عرض  
 کیا کہ میں کسی مرتبہ درخواست پیش کر چکا ہوں اب مجھے شرم آتی ہے پس  
 اب میں راضی ہوں اور اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔  
 نمازوں میں یہ کمی صرف تعداد کے اعتبار سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ  
 نے ان کا ثواب وہی رکھا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے مسلمان کو  
 پچاس نمازوں ہی کا ثواب نصیب ہوتا ہے یہ اس رب کریم کا فضل ہے  
 کہ اس نے اپنے حکم میں تو کمی فرمادی لیکن اپنی عطا میں کوئی کمی نہ کی۔ اس  
 کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے وہ جس کو جتنا چاہے بغیر حساب  
 عطا فرمائے

کفار تو نبی مکرم علیہ السلام کے ہر کمال کا انکار کرتے ہی رہتے  
 تھے اور ہر بات پر آپ کا مذاق اڑاتے اور کسی نہ کسی تدبیر  
 سے آپ کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ جب آپ  
 نے سفر معراج کی صبح اللہ کے حکم سے اس عظیم واقعہ کو بیان فرمایا تو  
 ان کے ہاتھ تگزیب و تسخیر کا ایک اور موقع آیا اور حسب عادت انہوں  
 نے حضور علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ کا مذاق اڑایا۔ آپ کے ارد گرد  
 جمع ہو کر طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے  
 اپنے سفر کی ایک منزل مسجد اقصیٰ بتائی ہے۔ ہم نے آسمان تو دیکھا نہیں  
 جو ہم آپ سے اس کا حال معلوم کریں۔ ہاں ہم میں سے بہت سوں نے  
 مسجد اقصیٰ دیکھی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کبھی مسجد اقصیٰ  
 نہیں گئے اگر آپ اپنے رعوے کے مطابق اس سفر میں مسجد اقصیٰ گئے  
 ہیں تو اس کا پورا حال بیان کیجئے۔ اگر آپ نے وہاں کا سب حال صحیح  
 بتا دیا تو ہم آپ کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر لیں گے۔



نبی کریم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کا سارا حال بیان فرما دیا اور اس کے متعلق کفار نے جو سوالات کئے آپ نے ان کے بھی ٹھیک ٹھیک جوابات دیئے۔ آپ مسجد اقصیٰ کا حال اس طرح بتا رہے تھے جیسے مسجد اقصیٰ آپ کے سامنے ہو اور واقعی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسجد اقصیٰ کو آپ کے سامنے کر بھی دیا تھا لیکن کفار نے پھر بھی انکار ہی کیا۔

طبرانی اور ابن مردودہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی کہ کفار نے نبی کریم علیہ السلام سے اپنے قافلوں کے متعلق سوال کیا۔ ان دنوں مکہ سے باہر بیت المقدس کے راستے میں تھے آپ نے ان تینوں قافلوں کا حال بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ ایک قافلہ جو بتی فلاں کا تھا آپ نے اس کا نام بھی بتایا جس کا یہ قافلہ تھا لیکن راوی کو یاد نہیں رہا۔ مجھے مقام ”روحاً“ پر ملا۔ اس وقت ان کی ایک اونٹنی گم ہو گئی تھی وہ لوگ اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے سامان میں مٹی کا ایک پیالہ رکھا ہوا دیکھا جس میں پانی تھا میں نے اسے پی لیا۔ پھر میں دوسرے قافلہ سے مقام ”ذی طوی“ پر ملا ان کے ایک اونٹ پر دو بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ ایک سفید دھاری والی اور دوسری سیاہ دھاری والی تھی۔ جب میں اس قافلہ کے قریب سے گزرا۔ تو ان کا ایک اونٹ میری سواری کی تیزی سے ڈر کر بھاگا اور گہر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر مقام ”تغیم“ میں مجھے تیسرا قافلہ ملا۔ اس قافلہ کے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ چل رہا ہے اس پر ایک سیاہ فام جستی سوار ہے اور دو سیاہ بوریاں اس پر لدی ہوئی ہیں اور وہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ بس دکھائی کی پہاڑی سے سورت نکلتے ہی نظر آباٹے گا۔

کفار مکہ نے ان واقعات کو سن کر ان کی تصدیق کی تیاری شروع کر دی اور آخری بیان کئے ہوئے قافلہ کے انتظار میں کدھی پہاڑی پر بیٹھے اور انتظار کرنے لگے



کہ سورج کب نکلے گا۔ تاکہ ہمیں حضور علیہ السلام کی تکذیب کا ایک اور موقع ہاتھ آئے۔ تھوڑی دیر میں ایک آدمی نے کہا دیکھو سورج نکل آیا اسی کے ساتھ دوسرا آدمی چلایا دیکھو زنا قافلہ بھی نظر آ گیا۔ اس کے آگے بھورے رنگ کا اونٹ ہے جس پر دو سیاہ بوریوں میں اور ایک سیاہ فام حبشی بھی سوار ہے اور جب دوسرے دو قافلے مکہ پہنچے تو کفار نے ان سے بھی ان کا سال معلوم کیا تو انہوں نے وہی کچھ بتایا جو اس سے پہلے حضور علیہ السلام بیان فرما چکے تھے۔ ان واضح دلائل کے باوجود بھی کفار نے آپ کے اس عظیم معجزے کا انکار ہی کیا اور آپ کی مزید مخالفت کرنے لگے۔

لیکن جب کافروں نے مذاق ازرار لہن کے انداز میں یہ خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی تو آپ نے دشمنوں ہی کے منہ سے سن کر اس کی تصدیق فرماتے ہوئے کہا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ بعید اور دشوار چیز میں ان کی تصدیق کرتا ہوں تو ان کے اس دعوے کو تسلیم کرنے اور اس کی تصدیق کرنے میں کس طرح تردد و تاہل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر اپنے معمول کے مطابق حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے سفر کا تمام واقعہ حضرت ابو بکر کو سنایا جس کو سن کر آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو پہلے ہی اس کی تصدیق کر چکا ہوں اور دل سے آپ کے اس عظیم معجزے کو مانتا ہوں۔ میرے لئے آپ کا یہ بلند مرتبہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے خوش ہونے ہوئے حضرت ابو بکر کو صدیق کا خطاب عطا فرمایا جو آپ کو بہت پسند تھا اور حضور آپ کو اسی خطاب سے پکارا کرتے تھے اور امت میں بھی آپ اسی خطاب کے ساتھ مشہور ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کے نام کا ایک حصہ بن گیا کہ ابو بکر کے ساتھ صدیق سزا پوچھا اور لکھا جاتا ہے۔

(رضی اللہ عنہ)



حقیقت یہ ہے کہ واقعہ معراج ایمان کی کسوٹی ہے۔ مومن کامل کے لئے اس کا سمجھ لینا اور اس پر ایمان لانا کوئی دشوار نہیں ہے اور نہ ہی ایک مومن کے لئے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے لیکن جب قلب نور ایمان سے منور نہ ہو تو کتنے ہی واضح دلائل کیوں نہ پیش کر دیئے جائیں اس واقعہ کو قبول نہیں کیا جاسکتا بلکہ دلائل کے ساتھ مزید الجھن پیدا ہو سکتی ہے اور انکار بڑھتا ہی جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا تامل دشمنوں کی زبان سے ہی خبر سن کر تصدیق فرمادی اور کفار نے خود نبی کریم علیہ السلام سے واقعہ کو سنا، سوال و جواب بھی کئے اور دلائل بھی سنے اور ان کو سمجھا بھی لیکن کفر و مشرک کی تاریکی تمام مادی و ظاہری روشنیوں کے باوجود انسان کو ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے اور وہ سب کچھ دیکھتا، سنا اور جانتا ہے۔ لیکن مانتا نہیں اللہ اس تاریکی سے ہر مسلمان کو بچائے اور ایمان کے نور سے قلب مومن کو منور فرمائے۔

اللہ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مقام اور صلاحیت کے مطابق معراج عطا فرمائی جس کا مختصر حال مذکور ہوا اس پر ہمارا ایمان ہے اور اس ایمان کے بدلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر کرم فرمایا کہ ہمیں بھی معراج کے حصول کا طریقہ ہماری صلاحیت کے مطابق بنا دیا۔ آپ نے فرمایا "الصلوة معراج المؤمنین" نماز مسلمانوں کے لئے ذریعہ معراج ہے کہ اس کی پابندی دنیا و آخرت کی عزت و نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک عظیم عبادت ہے جس کو مومن کے لئے معراج قرار دینے کی چند وجوہ ہیں۔

- ۱- نماز معراج ہی کے موقع پر فرس ہوئی۔
- ۲- خدا کے دربار میں حاضری معراج شریف ہی کا ایک نقشہ ہے۔
- ۳- نماز میں نیجات پڑھی جاتی ہے جس میں پوری معراج شریف کے



انوار و تجلیات موجود ہیں وہ اس طرح کہ نبی کریم علیہ السلام کی معراج تو یہ تھی کہ آپ نے بغیر کسی حجاب کے سر کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا۔ یہ آپ کا ایسا کمال ہے جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہے اور آپ کے علاوہ کوئی اس مادی نظر سے دنیا میں خدا کا دیدار نہیں کر سکتا۔ بس مومن کی معراج صاحب معراج نبی کریم علیہ السلام تک پہنچ جانا اور ان کا دیدار کر لینا ہے جو اس دنیا میں ہر وقت مسلمان کے لئے ممکن ہے۔ جس کا واحد ذریعہ آپ کی اتباع و پیروی کرنا اور آپ سے محبت کرنا ہے اور اسی کا ایک حصہ تحفہ معراج یعنی نماز کی پابندی کرنا ہے۔

مسلمانوں کو یہ نماز ایسے خلوص سے ادا کرنا چاہیے کہ جب نماز ہی بیٹھ کر تشہد پڑھے تو وہ اپنے آپ کو دربار نبی کریم علیہ السلام میں حاضر یقین کرے۔ اس کی یہ عادت کبھی نہ کبھی حضور علیہ السلام کے دیدار کا ذریعہ ضرور بنے گی۔ اسی عادت کو پیدا کرنے کے لئے تشہد میں خاص طور پر یہ جملہ موجود ہے "السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ" اے نبی آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ حالانکہ نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا مفسد نماز ہے اور کسی کا خیال کرنا مکروہ ہے۔ لیکن نبی کریم علیہ السلام کو بحالت تشہد الفاظ مذکورہ سے پکارنا واجب اور روح نماز ہے تاکہ مومن کو دربار رسالت میں اپنی حاضری کا یقین کامل ہو جائے اس کا یہ یقین بھی کبھی نہ کبھی نبی کریم علیہ السلام کے دیدار کا ذریعہ ضرور بنے گا۔ اور جس مسلمان نے اپنی پاکیزگی، محبت و اخلاص اور اتباع و پیروی کو اتنا کامل کر لیا کہ "ایہا النبی" کہتے وقت اس کی بصیرت نور جمال محمدی کو دیکھ سکے تو بس یہی اس کی معراج ہے گویا اللہ کے نبی کی معراج اللہ کو دیکھنا اور رسول کے امتی کی معراج رسول کا زندگی میں دیکھ کر بننا ہے جس کا ذریعہ نماز ہے، اسی لئے حضرت



امام عزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:  
 " نماز پڑھتے وقت اپنے دل میں حضور علیہ السلام کو حاضر کر:  
 اور بی ہی حالت میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ  
 اللہ وبرکاتہ پڑھو۔"

معراجِ شریف کے واقعات جس طرح ہمارے دلوں میں مقامِ  
 مصطفیٰ اور عظمتِ مصطفیٰ کا اساس بیدار کرتے ہیں اسی طرح ہم سے  
 مطالبہ کرتے ہیں کہ جس طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر نبی کریم  
 علیہ السلام کو معجزہ معراج کے ذریعہ فضیلت و عظمت نصیب ہوئی  
 اسی طرح ہم تختہ معراج (نماز) کی پابندی کر کے پھلی امتوں پر فضیلت و  
 عظمت حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ قیامت کے دن نبیوں کے سردار  
 صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس کوشش و محنت کے باعث ہم پر نظرِ کرم  
 فرمائیں اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب ہو سکے اللہ ہر مسلمان مرد و  
 عورت کو نماز کی پابندی اور حضور علیہ السلام سے سچی محبت کی توفیق  
 عطا فرمائے آمین۔





# سرچشمہ اخلاق

خدا نے وحدہ لا شریک نے انبیاء کو ام علیہم السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ اپنی امتوں کی راہنمائی کریں، انہیں پیغام الہی پہنچائیں انہیں بدکاری اور برائیوں کے راستوں سے ہٹائیں اور کامیابی و کامرانی کا سیدھا راستہ دکھائیں۔ اور امتیوں کو پابند کیا کہ وہ نبی کے حکم کی تعمیل کریں اور ان کی ہر بات مانیں۔

وَمَا آتَاكَ سَلْمًا  
مِّن سُلُوسٍ إِلَّا لِيُطَاعَ  
بِإِذْنِ اللَّهِ

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا  
مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے  
اس کی اطاعت کی جائے۔

(النساء ۶۴)

قوم کی اصلاح اور اس کو اچھا راستہ دکھانا کوئی معمولی کام نہیں۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو اپنے بگڑے ہوئے خاندان یا قوم کی اصلاح کے خواہاں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہوں ایک رہبر، لیڈر خوب جانتا ہے کہ قوم سے اپنی بات منوانا کتنا دشوار کام ہے ایک حاکم خوب جانتا ہے کہ محکوم سے اپنے حکم کی تعمیل کرانا کتنا مشکل کام ہے یقیناً اس ذمہ داری کو وہی لوگ پورا کرتے ہیں جن میں غیر معمولی خصوصیات ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو رہبر، راہنما اور حاکم بنایا تو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی زبردست صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں جن سے وہ ہر سختی کا مقابلہ



کمر کے ناسازگار حالات کے باوجود اپنا کام کرتے رہے اور قوموں تک پیغام الہی پہنچاتے رہے۔ ان میں سب سے اہم اور بنیادی خوبی "حُسنِ اخلاق" ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کسی قوم کو راہِ راست پر لانا تو درکنار کسی فرد سے بھی اپنی بات نہیں منوائی جاسکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حُسنِ اخلاق سے اس قدر آراستہ و مزین کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے قوم کے مظالم اور زبردست زیادتیوں کے باوجود احکامِ الہی پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی اور صبر و استقامت، امانت و صداقت اور شفقت و محبت کے ساتھ وہ اپنا کام کرتے رہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں گذشتہ انبیاء کی نسبت بہت زیادہ اور ان کا کام اپنے پیشرو حضرات کے مقابلے میں بہت سخت تھا۔ اسی لئے آپ کو صلاحیتیں اور خوبیاں بھی سب سے زیادہ دی گئیں۔ جس خوبی کا تذکرہ یہاں مقصود ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ حُسنِ اخلاق کا کوئی ایک حصہ آپ میں نہ تھا بلکہ آپ کی ذات اس خوبی کا علم اور نشان تھی اور آپ خود ہی حُسنِ اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے کسی دوسرے شخص سے یہ خوبی حاصل کی یا سیکھی۔ جب کہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلم و غیر مسلم سب ہی نے اخلاقِ حسنہ کو دارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے۔ ان کی زندگی میں کہیں کوئی عیب یا نقص نہیں مل سکتا بلکہ ہر عمل، ہر ادا، اور ہر قول انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِأُمَّتِي هَكَارِمِ  
الْأَخْلَاقِ  
میں محاسنِ اخلاق کی تعلیم ہی کے  
لئے بھیجا گیا ہوں۔

یعنی مقاصدِ بعثت میں سے ایک عظیم مقصد آپ کی بعثت کا یہ بھی ہے کہ دنیا والوں کو بتایا جائے کہ حُسنِ اخلاق کیا ہوتا ہے اور جو لوگ اپنے آپ کو حُسنِ اخلاق کے زیور سے آراستہ و مرصع کرتے ہیں تو وہ کس طرح عظمت و



بلندی کا مقام پاتے ہیں۔ حقیقتاً اچھے اخلاق ہی کسی قوم کی خوشحالی اور سیاسی و معاشی آسودگی کا ذریعہ ہیں۔ ہمارا یہ دور شاید ہے کہ اخلاق کے انحطاط نے ہمیں اس قدر کمزور کر دیا ہے، بد حال کر دیا ہے۔ ہمارے دور کی اصل الجھن گرائی، رشوت ستانی، ظلم و ستم، سیاسی بھرتا، بے روزگاری اور باہمی نفرت نہیں بلکہ حُسنِ اخلاق کا فقدان ہے جس کو ہم تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کر حاصل کر سکتے اور اپنے تمام مسائل حل کر سکتے ہیں۔ آپ دنیا میں بیٹھے سبھی س لئے گئے کہ اُن کی زندگی کو نمونہ بنایا جائے اور اُن کے نقش قدم پر چلا جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کسی رہبر یا مصلح کو قوم کے لئے علی الاطلاق نمونہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کون ایسا ہے جس میں خوبیوں کے ساتھ برائیاں نہ ہوں۔ یہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ اُن کی زندگی کا ہر شعبہ پوری انسانیت کے لئے نمونہ ہے کیونکہ اُن کی زندگی میں کہیں نقص و عیب نہیں۔ ان کا ہر قول اور ہر عمل خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

میرے آقا کے حُسنِ اخلاق کا اعلان قرآن کریم اس طرح فرماتا ہے

وَإِنَّكَ لَعَلَّ خُلِقَ عَظِيمٌ

اس خُلقِ عظیم کا اندازہ لگانے کے لئے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضور علیہ السلام نبوت کے دسویں برس قبیلہ بنی ثقیف کو دعوتِ اسلام دینے طائف تشریف لے گئے جہاں آپ کو سخت اذیت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بد نصیبوں نے ایسا پتھر اڑا دیا کہ جسمِ اطہر لہو لہان ہو گیا اور آپ کی نعلین مبارک تک خون آلود ہو گئیں۔ واپس تشریف لائے تو راستے میں پہاڑوں کے ذہشت نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر عرش کیا

”یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو ان ظالموں پر اخبثتین (پہاڑ) اٹھ کر



تباہ کر دوں؟

آپ نے فرمایا نہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی نسل جاری کرے گا جو صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

۲۔ حضرت جناب بن الارث بیان کرتے ہیں کہ ہمیں مشرکین مکہ سے سخت تکالیف پہنچیں تو ایک مرتبہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لئے بددعا کیوں نہیں فرماتے؟" اس وقت آپ خانہ کعبہ کے سائے میں سر کے نیچے چادر رکھے۔ آرام فرما رہے تھے۔ میری بات سنتے ہی اٹھ بیٹھے۔ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا "جناب! تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جن سے گوشت پوشت سب علیحدہ ہو جاتا اور ان کے سر پر آدے رکھے جاتے اور چہرہ دو ٹکڑے کر دیے جاتے مگر یہ اذیتیں ان کو دین سے برگشتہ نہ کر پائیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاد سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"

(بخاری شریف)

۳۔ حضرت زید ابن سعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ خود بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام خوبیوں سے پہچانا جو نبی آخر الزمان کے لئے تورات میں لکھی ہیں۔ صرف دو عادتیں ایسی تھیں جو میں آپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غضب پر کس طرح غالب آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کی سختی، ایذا رسانی اور جہالت کس طرح آپ کے حلم کو زیادہ کرتی ہے۔ ان دونوں باتوں کو آزمانے کے لئے میں موقع کا منتظر تھا۔ اور آپ کے شب و روز کا مطالعہ کرتا رہا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ دولت کدہ سے تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ایک سوار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔



”یا رسول اللہ فلاں قبیلے کے لوگ مسلمان ہوئے ہیں اور میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمہیں رزق کی فراوانی ہوگی لیکن آج کل اُن کے یہاں سخت قحط پڑا ہوا ہے اور بہت تنگ ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ اسلام سے ہی برگشتہ نہ ہو جائیں کیونکہ طمع مال ہی سے وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یا رسول اللہ اگر آپ کی رائے ہو تو کچھ امداد کا انتظام فرما دیجئے۔“

حضور علیہ السلام نے حضرت علی کی طرف دیکھا تو وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اس میں سے تو کچھ باقی نہ رہا۔ یہ سن کر میں بڑھا اور عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے اتنی کھجوریں اس دن تک دے دیں اور مجھ سے پیشگی رقم لے لیں۔ آپ نے سودا منظور کیا اور میں نے اُسی وقت انہی مثقال سونا آپ کو دے دیا۔ جو آپ نے مسلم قبیلہ کی امداد کے لئے اس شخص کے سپرد کر دیا اور فرمایا جلد پہنچ کر یہ اُن لوگوں میں تقسیم کر دو۔

کھجور ملنے کی تاریخ سے دو یا تین دن پہلے میں نے آپ کو ایک انصاری کے جنازے میں دیکھا۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ جنازے سے فارغ ہو کر آپ ایک دیوار کے سہارے بیٹھنے کے لئے جا رہے تھے کہ میں نے آگے بڑھ کر آپ کی قمیص اور چادر پکڑ لی اور تڑنشی سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”محمد کیا تم میرا حق ادا نہیں کرتے۔ اے عبد المطلب کے خاندان والو

قسم بخدا تم حقوق ادا کرنے سے گریز کرتے جا رہے ہو۔“ میری اس حرکت کو دیکھ کر حضرت عمر چلائے اور کہنے لگے:

”اے دشمن خدا اور رسول کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم کے درمیان صلح کا معاہدہ ختم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں



تیری گردن اڑا دیتا۔“

حضور علیہ السلام نے بہت آرام اور تبسم کے ساتھ حضرت عمر کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”اے عمر مجھے اور اسے بجائے سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے حُسن ادا اور اسے حُسن تقاضا کی تلقین کرتے، اے عمر اس کو لے جاؤ اور اس کا حق ادا کرو اور اسے تم نے جو دھمکایا ہے اُس کے بدلے بیس صاع کھجور زیادہ دے دو۔“

حضرت عمر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میرا قرض ادا کر دیا اور بیس صاع کھجور زیادہ دیں۔ میں نے کہا:

”عمر کیا تم نے مجھے پہچانا؟ جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا ”زید ابن سعنے ہوں۔“ فرمایا وہی زید جو یہودیوں کا عالم ہے۔ میں نے کہا ”جی ہاں،“ حضرت عمر نے بڑے تعجب سے پوچھا ”تم نے حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔“ میں نے کہا ”اے عمر جس وقت میں نے نبی کریم علیہ السلام کو دیکھا

اُن میں وہ تمام خوبیاں دیکھیں جو اُن کے لئے توریت میں لکھی ہیں۔ صرف دو علامتیں باقی تھیں۔ جن کو میں نے پہچان لیا اور آزما لیا، پس اے عمر میں تمہیں گواہ بنانا ہوں کہ میرا آدھا مال اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور زید دونوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زید نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ ہمیشہ اسلام کی خدمت میں مصروف رہے، غزوات میں شریک رہے اور غزوہ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

ان تینوں واقعات پر غور کیجئے۔ پہلے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے لئے کس طرح تکالیف برداشت کیں اور جس قوم کے بظاہر مسلمان ہونے کی کوئی اُمید نہ تھی اُس کے لئے



تباہی کو صرف اس لئے پسند فرمایا کہ شاید اُس کی آئندہ نسل مسلمان ہو جائے، دوسرے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تبلیغ اسلام میں مصائب و آلام برداشت کرنے کی تلقین اُمت کو بھی فرمائی اور انبیاء سابقین پر نازل ہونے والے مصائب کو بطور نظیر اپنے سامنے رکھا۔ کیونکہ تبلیغ دین جس قدر ضروری اور اہم ہے اتنی ہی دشوار بھی، ہر دور میں یہ کام مشعل رہا ہے اور اس میں وہی کامیاب ہوئے ہیں جو مشکلات پر قابو پانا جانتے اور نبی کریم علیہ السلام کے نقش قدم کو اختیار کرتے ہیں، تیسرے واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور علیہ السلام حقوق العباد کے معاملہ میں کس قدر محتاط تھے۔ یہاں تک کہ حق طلب کرنے والا اگر آداب کو بھی ملحوظ نہ رکھے تب بھی اُس کا حق غصب نہیں کیا جاسکتا۔

یہ اور ان جیسے، اہم واقعات درحقیقت قرآن کریم کی عملی تفسیر ہیں کیونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر حصہ قرآن کریم کے احکام کی عملی تفسیر ہی ہو کر رہا ہے۔ آپ نے خدا کے جو احکام بندوں کو پہنچائے اُن پر عمل کر کے بھی دکھایا تا کہ دو باتیں ہمیشہ کے لئے واضح ہو جائیں۔ ایک تو یہ کہ خدائی احکام نہایت آسانی کے ساتھ ہر ماحول میں قابل عمل ہیں۔ قرآن کریم ایسی کتاب نہیں جس کو مقدس جان کر صرف تلاوت کیا اور پڑھا جائے۔ وہ صرف ایک علم نہیں جس کو حاصل کیا جائے بلکہ وہ ایک ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کو سدھارنے اور کامیاب بنانے والے قوانین ہیں جن پر عمل کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں بلکہ قرآن کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں لہذا اُس کے مطابق زندگی بسر کرنا فطری عمل ہے۔ اور اُس کے خلاف زندگی گزارنا غیر فطری طریقہ ہے جو کسی طرح انسان کو اس نہیں آسکتا۔

دوسرے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ داعی الی اللہ اُس وقت تک دعوت میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود اُن باتوں پر عمل کر کے نہ دکھائے جن پر وہ دوسروں سے عمل کرانا چاہتا ہے۔ بہر حال نبی کریم علیہ السلام



کا ہر کام قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ اسی لئے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

كَانَ خُلُقَهُ الْقُرْآنُ

کہ حضور علیہ السلام کے عادات و

اطوار قرآن کریم ہی تھے

قرآن کریم نے رحم کی دعوت دی تو حضور علیہ السلام نے رحم کر کے دکھایا، قرآن کریم نے عفو و درگزر کی تعلیم دی تو آپ نے صرف اپنوں ہی کی ہنسی بلکہ غیروں اور دشمنوں کی بھی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرمایا، قرآن کریم نے عدل و انصاف کا حکم دیا تو آپ نے ہر حالت میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔ چاہے اُس سے اپنوں کو فائدہ ہو یا نقصان۔ قرآن کریم نے بڑوں کا احترام کرنے اور چھوٹوں سے شفقت و محبت پیش آنے کا حکم دیا تو آپ کا یہی عمل رہا، قرآن کریم نے عورتوں کے ساتھ جس سلوک کی تعلیم دی آپ نے وہی اختیار فرمایا، غرضیکہ حقوق اللہ یا حقوق العباد، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، دینی معاملات ہوں یا دنیوی، حضور علیہ السلام کی زندگی کے تمام شعبے ہمارے سامنے ہیں جو قرآن کریم کے عین مطابق ہیں۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔ ایک مرتبہ بعض صحابہ کرام نے کفار کے مظالم سے تنگ آکر عرض کیا:

”یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے لئے بددعا فرمائیں“

آپ نے فرمایا:

”میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں میں تو تمام جانوں کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں“

حضرت طفیل ابن عمرو کو حضور علیہ السلام نے قبیلہ دوس میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا گیا وہ واپس حاضر ہوئے اور عرض کی:

”یا رسول اللہ قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے دعوت اسلام کو

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بس اب آپ ان کی تباہی کے لئے آئے ہیں۔“

لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ ضرور بددعا کریں گے۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے



اور بارگاہ الہی میں اس طرح عرض کیا:

اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا  
اے اللہ قبلہ دوس کو ہدایت  
دے اور انہیں مسلمان کر کے لا۔  
اب ہبہم مسلماً

(مسلم مناقب دوس)

حضرت ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے مکہ حاضر ہوئے کفار مکہ نے ان سے کہا تم نے اپنا دین کیوں چھوڑ دیا؟ آپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ آپ نے فرمایا: "میں دین محمدی کو اختیار کر چکا ہوں جو سب دینوں سے بہتر ہے اور خدا کی قسم اب میں تمہیں غلہ کا ایک دانہ نہ دوں گا۔" ثمامہ غلہ کے تاجر تھے اور اہل مکہ انہیں سے غلہ خرید کرتے تھے۔ جب ثمامہ نے مکہ والوں کو غلہ دینا بند کر دیا۔ تو وہ قحط میں مبتلا ہونے لگے، بہت چاہا کہ کسی طرح ثمامہ راضی ہو جائیں اور حسب معمول غلہ دینے لگیں۔ لیکن ثمامہ انکار ہی کرتے رہے۔ آخر کار مکہ کے تاجروں نے حضور کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی بد حالی بیان کی اور درخواست کی کہ ثمامہ سے غلہ دینے کی سفارش کر دی جائے۔ نبی کریم علیہ السلام نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اہل مکہ کو پہلے ہی کی طرح غلہ دیا جائے۔ حضرت ثمامہ نے حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی اور غلہ دینا شروع کر دیا۔

(صحیح بخاری)

بہر حال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے دشمنوں تک کے لئے نبرد عافرائی اور نہ ہی ان کو کوئی تکلیف پہنچائی کیونکہ آپ تو حسن اخلاق کے پیکر بن کر تشریف لائے تھے۔ جس کا مقصد ہی یہی تھا۔ کہ دشمنوں سے بھی اچھا برتاؤ کیا جائے اس اعتبار سے اگر ہم اپنے پس پیش کا مطالعہ کریں تو بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اخلاق کی جو تعلیم دی ہم نے اُسے کیسے فراموش کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیروں اور دشمنوں کے ساتھ تو اخلاق سے پیش آنا درکنار، ہم



تو اپنے عزیزوں، پڑوسیوں اور گھروالوں تک سے اچھا برتاؤ نہیں کرتے، ہم  
 کاروباری، سیاسی یا نظریاتی اختلاف کے باعث ایک دوسرے سے اس قدر  
 دور ہو گئے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں نہ کسی کی عزت باقی رہی، نہ دولت محفوظ  
 رہی، ہم ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں  
 لیکن سب ہی ایک دوسرے سے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے ہیں، صبح سے  
 شام اسی فکر میں ہوتی ہے کہ کس طرح اپنے بھائی کو لوٹا جائے اور کس طرح  
 اپنے ہی بھائی کے فریب سے بچا جائے، کس طرح دوسروں پر برتری حاصل  
 کی جائے۔ اور کس طرح دوسروں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ جب کہ ہمیں ایک  
 برادری ہونا چاہیے، ایک گھروالوں کی طرح پوری قوم کو رہنا چاہیے۔  
 ایک دوسری کی عزت و آبرو اور مال و دولت کا محافظ ہونا چاہیے، سادگی  
 کفایت شعاری، دیانت داری اور باہمی میل و محبت ہمارے امتیازی نشان  
 ہونے چاہئیں۔ دیکھیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے عمل سے

ان باتوں کی کس طرح تعلیم دی۔

حضور علیہ السلام کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ اپنے جو تون کو خود  
 گانٹھ لیا کرتے تھے۔ ضرورت پڑتی تو اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے، اپنی  
 بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، جب کوئی آپ سے ملنے آتا تو اس کا بیہ  
 احترام کرتے تھے، بسا اوقات اپنی چادر مہانوں کے لئے بچھا دیتے تھے جب  
 کسی سے ملنے تو پہلے خود سلام کیا کرتے تھے۔ جب کسی سے مصافحہ کرتے  
 تو پہلے ہاتھ نہ چھوڑتے تھے، لوگوں سے نہایت تواضع اور محبت سے ملنے  
 تھے، بچوں کو کھیلا دیکھتے تو انہیں گلے لگا لیتے، ان سے باتیں فرماتے تھے۔  
 یتیموں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ محفل میں جگہ ہوتی تشریف فرما ہوجاتے  
 تھے۔ اگر کوئی اپنا دکھ بیان کرتا تو پوری ہمدردی سے سنتے اور کسی نہ کسی طرح  
 اس کی مدد بھی فرماتے تھے، اگر کوئی غلطی کرتا تو اس کو معاف فرما دیتے تھے۔  
 عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ خاص نرمی سے پیش آتے تھے، اپنی بیویوں کا



پوری طرح حق ادا فرماتے تھے اُن سے محبت اور مزاح کی باتیں کر کے اُن کا دل خوش کرتے، گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے، جب کوئی وعدہ کرنے تو اُس کو پورا فرماتے تھے، زندوں کی طرح مُردوں کا بھی خیال رکھتے تھے اور اُن کے لئے ہمیشہ مغفرت و بخشش کی دعا فرماتے رہتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے اُس کو دیکھتے ہی فرمایا یہ شخص اپنے قبیلہ کا بدترین فرد ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے بہت محبت کے ساتھ اُس سے گفتگو کی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں اُس شخص کے چلے جانے کے بعد میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ آپ نے تو فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا بدترین فرد ہے لیکن پھر بھی آپ نے اس سے بڑی توجہ اور محبت کے ساتھ گفتگو کی“

آپ نے فرمایا:

”اے عائشہ کیا تم نے مجھے کبھی کسی کے ساتھ بد خلقی سے پیش آتے دیکھا ہے؟ قیامت کے دن سب سے برا شخص وہ ہو گا جو لوگوں کے ساتھ بد خلقی سے پیش آتا ہو اور لوگ اُس کی بد خلقی ہی کی وجہ سے اُس سے کنارہ کرتے ہوں۔“ (ابوداؤد ج ۲)

ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا کچھ دکھ سنانے لگا اُس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا تم اپنی بات کرو گھبراؤ مت میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یہ سن کر اُس کو سکون ہوا اور بے تکلفی سے اپنی بات پوری کی۔

ایک دفعہ نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خود کھڑے ہوئے اور اُن لوگوں کی خدمت کرنے لگے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ آپ تشریف



رکھیں اور ہمیں حکم دیجئے۔ ہم خدمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔  
 ”ہمیں ان لوگوں نے اپنے ملک میں میرے صحابہ کا بہت احترام کیا تھا  
 ان کا میرے اوپر احسان ہے میں چاہتا ہوں کہ بذاتِ خود ان کی خدمت کروں  
 اور ان کے احسان کا بدلہ چکاؤں۔“

(شفافاضی عیاض)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن میں خود حضور علیہ السلام  
 کے ساتھ تھا۔ آپ نے کوہِ احد کو دیکھ کر فرمایا۔ اگر یہ پہاڑ بھی میرے لئے  
 سونا بن جائے۔ تب بھی میں پسند نہ کروں گا کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے  
 پاس تین راتوں سے زیادہ رہے سوائے اُس رقم کے جس سے میں اپنا قرض  
 ادا کر سکوں۔ (بخاری کتاب الاستقراض)

حضرت سہل ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر آپ  
 کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی:  
 ”یا رسول اللہ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اور آپ کے پہننے  
 کے لئے لائی ہوں۔“

حضور علیہ السلام کو اُس وقت چادر کی ضرورت بھی تھی۔ لہذا آپ نے  
 اُس کو قبول فرمایا۔ پھر آپ ایک دن چادر پہنے تشریف لائے۔ صحابہ کرام میں  
 سے کسی نے کہا:

”یہ چادر کس قدر خوبصورت ہے یا رسول اللہ یہ مجھے عنایت فرمادیکجئے۔“  
 کچھ دیر بعد نبی کریم علیہ السلام مجلس سے اٹھے اور اندر تشریف لے گئے پھر  
 واپس تشریف لائے تو آپ کے دوسری چادر بندھی ہوئی تھی اور وہ چادر لٹھی  
 ہوئی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے اُس صحابی کو بلایا اور چادر دے دی۔

وہاں موجود دوسرے حضرات کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی جب حضور  
 علیہ السلام اندر تشریف لے گئے تو لوگوں نے اُس صحابی کو جس نے چادر مانگی  
 تھی، بہت لعن طعن کیا اور کہا کہ تمہیں حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ معلوم



ہے پھر تم نے اُن سے کیوں ایسا سوال کیا۔ اُس صحابی نے کہا "مستم خدا کی میں نے یہ چادر صرف اس لئے مانگی ہے کہ جس دن مر جاؤں تو یہ چادر میرا کفن بنے، حضرت سہیل فرماتے ہیں اُن صحابی کی آرزو پوری ہوئی اور جب اُن کا انتقال ہو گیا تو اُسی چادر میں اُن کو دفن کیا گیا۔

(صحیح بخاری باب حسن الخلق)

اس واقعہ سے جہاں حضور علیہ السلام کے حسن اخلاق کا پتہ چلتا ہے وہاں صحابہ کرام کے ایمان اور خوش عقیدگی کا بھی اندازہ کیا جاتا ہے کہ صحابہ کو یہ یقین کامل تھا کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جسم سے لگا ہوا کپڑا ہمارا کفن بن جائے تو ہمارے جسم کو جہنم کی آگ چھو بھی نہیں سکتی۔ بے شک عام مسلمانوں کو صحابہ کی طرح اگر حضور علیہ السلام کا کپڑا نصیب نہ بھی ہو تو آپ سے محبت اور آپ کی اتباع و پیروی ہی جہنم سے آزادی اور گناہوں کی بخشش کے لئے کافی ہے۔

حضور علیہ السلام اپنے گھر والوں اور خدام کے ساتھ بھی نہایت تواضع اور محبت سے پیش آتے تھے اور گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہ کہا۔ جب بھوک محسوس ہوتی تو قبول جاتا کھا لیا کرتے تھے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ کی خدمت کی لیکن کبھی آپ نے اُن سے ترشی اور سمنٹی سے بات تک نہ کی۔ آپ کو کسی کے بیمار ہونے کا پتہ چلتا تو خود عیادت کے لئے نثر لیتے جاتے تھے جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازے میں شریک ہوتے اور مرنے والے کے رشتہ داروں کو تسلی دیا کرتے تھے اگر کوئی دعوت کرتا تو محبت سے اس کو قبول فرماتے، معمولی لوگوں اور غلاموں تک کی دعوت کو خوشی سے قبول فرماتے تھے۔



حضرت ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں کسی بات پر عرصہ کی حالت میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی:

”اے ابو مسعود جان لو کہ جتنی قدرت مہمیں اپنے اس غلام پر ہے اُس سے کہیں زیادہ تم پر تمہارے خدا کو قدرت حاصل ہے“

میں نے مڑ کر دیکھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ میں گھبرا گیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اس غلام کو خدا کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں آپ نے فرمایا:

”اے ابو مسعود اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو جلا دیتی“

راہد اور کتاب الادب باب حق الملوک

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ ہم اپنے خادم کو دن بھر میں کتنی دفعہ معاف کیا کریں۔“

آپ خاموش رہے۔ دوبارہ اُس شخص نے یہی سوال کیا۔ پھر بھی آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر اُس نے پوچھا تو آپ نے فرمایا ”ستر بار“ یعنی اگر تمہارا غلام ایک دن میں ستر بار بھی غلطی کرے تو بھی تم اس کو معاف کر دیا کرو۔“

راہد اور کتاب الادب باب حق الملوک

نبی کریم علیہ السلام کے اخلاق و عادات کے یہ چند واقعات آپ کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے اور یہ واضح کر دینے کے لئے کافی ہیں کہ آپ کی ذات سرچشمہ اخلاق اور سیکرہ اخلاق ہے اور آپ کی یہی خوبی ہے جس نے آپ کو دنیا اور تاریخ انسانیت کے خود ساختہ لیڈروں اور مصلحین سے ممتاز کیا اور دنیا کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ بلاشبہ آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا یہ یتیم بچہ، عرب کے رنگیتانوں میں پر دان چڑھنے والا یہ عظیم انسان ہی درحقیقت انسانیت کا مصلح، رہبر اور رہنما ہے۔ اس نے دنیا کو جو درس اخلاق دیا اس کی نظیر نہ آج تک پیش کی جاسکی اور نہ قیامت تک اس جیسا محسن انسانیت پیدا ہو سکتا ہے۔



آئیے اس محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کی کیفیت اُن حضرات کی زبانی بھی سنیں جو سالہا سال اور مدتوں ان کے ساتھ رہے اور انہوں نے ہر اعتبار سے آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا۔

نبی کریم علیہ السلام کی پہلی بیوی اور مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجہ الکبریٰ جنہوں نے زندگی کے پچیس برس آپ کے ساتھ گزارے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام پر پہلی وحی نازل ہونے کے موقع پر آپ کو ان الفاظ کے ساتھ تسلی دی تھی۔

خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی ننگین نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مقررہ ضلوع کا بار اٹھاتے ہیں۔ عزیزوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

(بخاری باب بدالوحی)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اُمتِ مسلمہ پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے دیگر اہمات المؤمنین کی بہ نسبت سب سے زیادہ حضور علیہ السلام کے عادات و اخلاقِ امت تک پہنچانے کا کام کیا۔ آپ نے فرمایا، ”نبی کریم علیہ السلام کبھی کسی کو بُرا بھلا نہ کہتے تھے، برائی کے بدلے برائی نہ کرتے تھے، بلکہ درگزر کیا کرتے تھے۔ اور معاف فرما دیتے تھے“ (جامع ترمذی و شمائل ترمذی)

آپ کو جب دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو اُن میں سے جو آسان ہوتی اُس کو اختیار فرماتے۔ جب کہ وہ خلافِ شرع نہ ہو، آپ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے انتقام نہ لیا، آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہ کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو یا کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا، آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہ فرمائی جب کہ وہ ناجائز نہ



ہو، آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خوش اور  
 مسکراتے ہوئے آتے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے  
 تھے، باتیں مھڑ مھڑ کر اس طرح کرتے تھے کہ یاد کرنے والے  
 آسانی سے یاد کر سکیں۔“

(شامل ترمذی، طبقات ابن سعد، صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد)  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور علیہ السلام کے زیر تربیت پر وان چڑھے،  
 اور آغاز نبوت سے آپ کی عمر کے آخری دن تک آپ کے ہمراہ رہے ایک  
 مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُن سے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 اخلاق و عادات سنانے کی فرمائش کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح  
 گویا ہوئے:

آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور  
 تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا  
 کلمہ زبان سے نہیں نکالتے تھے، غیب جو اور تنگ گیر نہ تھے،  
 کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اعراض فرما  
 لیتے تھے۔ اور کوئی آپ سے اُس کی اُمید رکھتا تو اُس کو مایوس  
 کرتے اور نہ ہی ایسی بات کو منظور فرماتے تھے بلکہ خاموشی اختیار  
 فرما لیتے تھے، اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور  
 کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور  
 جو بات مطلب کی نہ ہو اُس میں دخل دینا، دوسروں کے متعلق  
 بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہ کہتے تھے کسی کی  
 غیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی لٹہ میں نہ  
 رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا،  
 جب آپ کلام کرتے تو صحابہ اس طرح سر جھکا کر سنتے جیسے  
 اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جب آپ چپ ہو جاتے



تب وہ آپس میں بات چیت کرتے تھے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک اُس کی بات ختم نہ ہوتی آپ توجہ سے سنتے رہتے، لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکھ ا دیتے، جن باتوں پر تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل سے سنتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و اکرام کا شکر یہ ادا کرتا تو قبول فرما لیتے، جب تک بولنے والا خود چُپ نہ ہو جاتا۔ آپ درمیان سے اُس کی بات نہ کاٹتے، نہایت فیاض، نہایت راست گو نہایت نرم طبع، نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی اچانک آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے قریب ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔

(شامل ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی رسول ہیں جنہیں دس برس سے زیادہ نبی اکرم علیہ السلام کے دربار میں ایک خادم، ملازم کی حیثیت سے شب و روز حاضری کا موقع نصیب رہا ہے انہوں نے مختلف مواقع پر مختلف انداز سے نبی کریم علیہ السلام کے اخلاق و عادات کو بیان کیا ہے۔ ان کی چند روایات ملاحظہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ بیان فرماتے ہیں :-

نبی کریم علیہ السلام ایک مرتبہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کے لئے پانی مانگائیں نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ آپ کے بائیں طرف حضرت ابو بکر سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دائیں طرف ایک بدو (دیہاتی)، بیٹھے تھے۔ آپ نے دودھ پی لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بتانا چاہا کہ باقی دودھ ان کو دے دو۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ”دائیں طرف والے کا حق ہے“ یہ کہہ کر بقیہ دودھ بدو کو



نحایت فرما دیا۔

(بخاری شریف)

ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے دیکھا کہ مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہوئی ہے آپ نے خود ایک کنکر اٹھایا اور دست مبارک سے گندگی کو صاف کر دیا اور فرمایا "آئندہ ایسا نہ کیا جائے۔"

(سنن نسائی، کتاب المساجد)

نبی کریم علیہ السلام سب سے زیادہ شجاع بہادر تھے، ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے۔ لوگ مقابلے کے لئے تیار ہونے لگے لیکن سب سے پہلے جو باہر نکلا وہ خود حضور علیہ السلام تھے آپ نے یہ بھی انتظار نہ کیا کہ گھوڑے کی زین کسی جائے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر آپ سوار ہو کر ان تمام مقامات کو دیکھ آئے جہاں سے خطرہ ہو سکتا تھا اور واپس آ کر لوگوں کو اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ نہیں۔

(صحیح بخاری)

ایک مرتبہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے اپنا پیٹ کپڑے سے کس کر باندھا ہوا ہے میں نے وہاں موجود لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اور بھوک کی وجہ سے پیٹ باندھ لیا ہے۔

(مسلم شریف)

ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے کسی کام سے بھیجا چاہا میں نے منع کر دیا اور باہر چلا آیا، فوراً ہی کسی نے پیٹھ سے میری گردن کپڑی میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ پھر پیار



سے فرمایا۔ ”انص! جس کام کے لئے کہا تھا۔ اب تو چلے جاؤ“  
میں نے عرض کیا اچھا جاتا ہوں، اسی واقعہ کے سامنے حضرت  
انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ”میں نے دس برس حضور علیہ السلام  
کی ملازمت کی۔ لیکن آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ انس تم نے یہ کام  
کیوں کیا یا کیوں نہ کیا اور نہ ہی آپ کبھی ناراض ہوئے۔ (ابوداؤد کتاب اللاب)

حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ  
کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں گا لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز  
آتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ یہ خیال کر کے کہ اگر اس بچے  
کی ماں جماعت میں ہوگی تو اُس کو اپنے بچے کے رونے سے تکلیف  
ہو رہی ہوگی۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ”تم میں  
سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک  
کہ وہ دوسروں کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا  
ہے اور جب تک وہ دوسروں سے بے غرض صرف خدا کے لئے  
محبت نہ کرے۔“

(مسند امام احمد ج ۳)

یہ ہیں چند نمونے اُس ذاتِ اقدس کے خلقِ حسن کے جس کو خدا نے مسلمانوں  
کے لئے اُسوہ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور جس کے خلق کو ”خلقِ عظیم“ کا  
نام دیا گیا جو انسان کا حسین ترین زیور ہے اور خدا کی بڑی نعمت ہے یہی وجہ  
ہے کہ آپ اس نعمت کے ملنے پر ہر وقت خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے اور  
فرماتے تھے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي  
حَسَنَ خَلْقِي وَخَلَقَنِي  
خدا کا شکر ہے جس نے میری  
صورت اور سیرت دونوں کا



کو حسین بنایا۔

(مشکوٰۃ شریف)

ترمی خلق کو رب نے جمیل کیا تیرے خلق کو رب نے عظیم کہا  
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہادتِ خالقِ حسن واداکِ قسم  
یہ پیکرِ اخلاقِ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ بھی  
اچھے اخلاق و کردار کو اپنائے اور "خیر اُمت" کی حیثیت سے دنیا کے سامنے  
اعلیٰ و کامیاب زندگی گزارنے کا نمونہ پیش کرے۔ اسی لئے تو آپ نے فرمایا۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ اِيْمَانًا  
اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

مومن کامل وہ ہے جس کے

اخلاق اچھے ہوں۔

(مشکوٰۃ شریف)

صرف ظاہری عبادتوں میں کمال پیدا کر کے اپنے آپ کو مستفی اور مومن کامل  
سمجھ لینا بہت بڑی خود فریبی ہے۔ کمالِ ایمان یہ ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی،  
عبادتوں کی پابندی کے ساتھ حقوق العباد کو بھی ادا کیا جائے۔ والدین، بیوی،  
بچوں، اعزاء و اقارب کے حقوق کو تلف کرنے والا عبادت گزار شرعیّتِ مطہرہ  
کی نظر میں نہ مستفی ہے اور نہ ہی مومن کامل۔ پھر فرمایا گیا،

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ  
حَرَامٌ دَمُهُ وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ

ہر مسلمان پر اپنے مسلمان بھائی کا خون،  
مال اور عزت و آبرو حرام ہے۔

(مشکوٰۃ شریف)

الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ  
وَلَا يَخْزِلُهُ وَلَا يَحْقِرُوهُ

مسلمان کا مسلمان بھائی ہوتا ہے  
نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے  
چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر

سمجھتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

مسلمان کی "اخوة" بھائی بندگی کا یہ درس مسلم معاشرے کا ماحول ایسا چاہتا  
ہے جیسے ایک گھر کا ماحول ہوتا ہے جس میں شوہر و بیوی اور ان کے بچے،



لڑکیاں رہتے ہیں۔ نہ وہاں کوئی کسی کی چوری کرتا ہے، نہ کوئی کسی کو بُری نظر سے دیکھتا ہے، نہ کسی کو کسی سے اپنی جان کا خطر ہوتا ہے۔ معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا پورا معاشرہ ایسا ہی مطلوب ہے ”وہ چاہتے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی کی دولت، عزت، بیوی، بیٹی پر بُری نظر نہ ڈالے بلکہ ایک دوسرے کی ہر چیز کا محافظ بنے۔“ اب مسلمانوں کا معاشرہ جس میں یہ خوبی نہ ہو بلکہ چوری ہو، ڈکیتی ہو، زنا و بدکاری، قتل و غارت ہو، رشوت ستانی، ایک دوسرے کو دھوکا دینا کمال سمجھا جاتا ہو، عزور و تکبر، ریاد نمود، شان ہو، ظلم و ستم ادا بن جائے۔ ایسا معاشرہ ”مومنین کا ملین“ کا معاشرہ ہرگز نہیں کہلا یا جاسکتا، ایسے معاشرے کے مسلمانوں کو اپنی ظاہری عبادتوں پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے اپنے نفس سے، اپنے ماحول سے جہاد کرنا چاہیے

نبی کریم علیہ السلام نے ہر حال میں خدا کی مخلوق سے حُسن اخلاق، میل و محبت اور نرمی کے ساتھ پیش آنے اور اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی اور آپ نے اپنی زندگی میں اس حقیقت کو ایک نمونہ کے طور پر پیش فرمایا کہ ایک انسان دنیاوی اور ظاہری وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی صرف اپنی اچھی عادتوں اور بہترین اخلاق سے اپنے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے، اپنے عوام کی تکمیل کر سکتا ہے اور بگڑی ہوئی قوم چاہے کتنی ہی سخت ہو اس کو راہِ راست پر لاسکتا ہے۔ بلاشبہ آپ کا کمال حُسن اخلاق اتنا عظیم تھا جس نے آپ کی شخصیت کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے ممتاز کیا۔ حق وہی ہے جو صاحب قصیدہ بردہ شریف نے ان الفاظ میں بیان کیا:

فَأَقِ الْيَتِيمَ فِي خَلْقٍ وَفِي خَلْقٍ      وَ لَمْ يَدَّ الْنُفْسَ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ  
 ”نبی کریم علیہ السلام کو خلقت اور اخلاق میں انبیاء پر فوقیت حاصل ہوئی۔ اور ان کا سا علم اور ان کا سا کرم کسی کو نصیب نہ ہوا۔“



خدا وہ وقت لائے کہ مسلمان حضور علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھیں اور اس  
 حقیقت کو تسلیم کریں کہ پُر سکون زندگی حاصل کرنے کے لئے کسی قوم کے پاس ایسا  
 عظیم نمونہ اور طریقہ نہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت  
 کو عطا فرمایا اور اگر امت اس کو اپنالے تو دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے  
 اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہم سب کو اپنے نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرمائے (آمین)









نعمتیں تو بے شمار ہیں لیکن جس نعمت پر اظہار احسان خالق کے ثبانیان ہے وہ صرف بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس نعمت پر خدا کا احسان جتلانا ہی اس کے سب سے بڑی، نعمتِ عظمیٰ ہونے کا واضح ثبوت ہے اور احسان تو اسی پر جبلیا جاتا ہے جو نعمت سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ پس وہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے رسول کی رسالت کا اعتراف کیا، ان کی اتباع و پیروی کا عہد کیا اور وہ اس کے بدلے خیر امت قرار پائے۔

دنیا کی تمام نعمتیں عارضی اور فانی ہیں کہ وہ ملتی ہیں تو یا تو کچھ دن بعد چھین لی جاتی ہیں اور یا انسان مرجاتا ہے اور یہ نعمتیں خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔ ماں، باپ، بیوی، بچے، گھر، دولت، سامان آسائش سب نعمتیں ہیں لیکن سب ہی چھلتی رہتی ہیں یا چھوٹی رہتی ہیں لیکن نعمتِ عظمیٰ اور اس کی معرفت ملی ہوئی نعمتیں ابدی ہیں کہ نہ چھلتی جاتی ہیں اور نہ چھوٹی ہیں۔ جیسے ایمان، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام نیکیاں، کہ ان کی برکتیں مسلمانوں کو اس دنیا میں بھی ملتی ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان ہی کا ثواب کام آتا ہے اور خود وہ نعمتِ عظمیٰ اگرچہ ہماری نظروں سے اوجھل پردے میں ہے لیکن بخدا نہ وہ ہم سے چھوٹی ہے اور نہ چھوٹے گی وہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حال کو دیکھتے اور ہماری باتوں کو سنتے ہیں۔ جب ہم ان کا ذکر کرتے ہیں تو وہ ہماری طرف توجہ فرماتے ہیں اور جب ہم درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں تو وہ اس کو سنتے ہیں اور صرف یہی نعمتِ عظمیٰ قیامت میں بھی ہمارے کام آئے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک دن نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا: "یا رسول اللہ قیامت کے دن ہم آپ کو کہاں تلاش کریں؟" آپ نے فرمایا: "میں تین مقامات پر سے کسی ایک مقام پر موجود ہوں گا۔ یا تو میزان پر جہاں میری امت کے اعمال کا وزن ہو گا کہ اگر کسی کی نیکیاں کم ہوں گی



تو میں اُنہیں پورا کر دوں گا اور یا تم مجھے حوضِ کوثر پر پاؤ گے کہ میں اپنی پیاسی اُمت کو برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ مٹیھا، دودھ سے زیادہ سفید پانی پلاتا ہوں گا۔ جس کے پینے کے بعد پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اور یا تم مجھے پل صراط پر دیکھو گے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ایک راستہ ہے جس پر سے خیریت کے ساتھ گزرنے والے جنت میں داخل ہوں گے اور اس سے کٹ جانے والے جہنم میں گر پڑیں گے میں یہاں اپنی اُمت کے خیریت سے گزر جانے کی دعا کرتا ہوں گا۔ آت بَ سَلِّوْا اٰتٰتٰی اے میرے رب میری اُمت کو سلامتی سے گزار دے۔

(مدارج النبوة ص ۴۹۱)

کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے

رضائیل سے اب وجد کرتے گزریے  
کہ ہے رب سلم صدائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
یہ اُس رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے جو:

تمام جانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ  
رحمۃ للعالمین فرماتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً  
لِّلْعٰلَمِیْنَ اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر  
رحمت سارے جانوں کے لئے

(الانبیاء: ۱۰۶)

آپ کو تمام جانوں کے رب نے تمام جانوں، اپنی تمام مخلوق کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا کہ رب تمام جانوں کا پالنے والا ہے لیکن اُس کی ربوبیت کا ذریعہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہی تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن ہر چیز کی خلق اور پیدائش کا سبب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جیب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر اپنے



کلام کا شرف بخشا اور اپنی کتاب تو ریت عطا فرمائی تو حضرت  
موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

”الہی تو نے مجھے ایسی نعمت عطا فرمائی جو مجھ سے پہلے کسی  
کو نصیب نہیں ہوئی۔“

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ہم نے تیرے دل کو متواضع

پایا تو اس مقام سے نوازیو:

پس تمہیں جو کچھ ہم نے دے دیا

فخذ ما آتیتک وکن

اس پر شکر کرو اور موت تک

من الشاکرین وملت علی

توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

التوحید وحب محمد

کی محبت پر قائم رہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ارشاد سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے یا اللہ

توحید کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کیوں ضروری ہے

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کی امت نہ ہوتے تو میں جنت

لولا محمد وواہتہ لَمَا

دوزخ، سورج، چاند اور رات

خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ

دن، مقرب فرشتے، انبیاء کسی کو

وَالشَّمْسَ وَلَا الْقَمَرَ وَلَا

پیدا نہ کرتا اور اے موسیٰ تجھے

الَّيْلَ وَلَا النَّهَارَ وَلَا مَلَكًا

بھی پیدا نہ فرماتا

مُقَرَّبًا وَلَا نَبِيًّا مُرْسَلًا

د موہب

لَا آيَاتِكَ

یہ ایک اہم شہادت ہے اس حقیقت پر کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیدائش ہی تمام مخلوق کے وجود کا ذریعہ اور سبب ہے، حق تو یہ ہے

کہ رب کی ربوبیت کے اظہار کا سبب بھی وجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی سے ثابت ہوتا ہے

لَوْلَا كَلِمَاتُ مُحَمَّدٍ لَمَا أَظْهَرْتُ

تو اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی



النَّبِيُّ بَيِّنَةٌ

رب ہونے کو ظاہر نہ کرتا۔

(مدارج النبوة)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہوا!  
 جان ہیں وہ جان کے جان ہے تو جان ہے  
 خدا کی رحمت سے مایوسی و ناامیدی کی مخالفت قرآن کریم سے ثابت  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا  
 عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا  
 مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ  
 آپ فرمادیجئے کہ اے میرے  
 وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں  
 پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے  
 ناامید مت ہو۔

(الزمر ۵۳)

جانوں پر ظلم اور زیادتی کرنے والوں یعنی گناہوں اور برائیوں میں مبتلا  
 ہو جانے والوں کو مایوسی و ناامیدی سے منع کیا جا رہا ہے اور رحمت کا  
 سہارا پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ وہی رحمت ہے جو خدا کی سب سے  
 بڑی نعمت بھی ہے اور کائنات کے وجود کا سبب بھی۔ جس کا حصہ انسانوں  
 جانوروں، جنوں فرشتوں، پتھروں، درختوں، زمینی مخلوق، آسمانی مخلوق سب  
 ہی کو ملتا ہے تو اس پر ایمان لانے والے اس سے محبت کرنے والے، اس  
 سے نسبت قائم کرنے والے، اس کی پیدائش کی خوشیاں منانے والے، اس  
 سے کیوں کہ مایوس و ناامید ہوں، ہم سب گناہگار ہیں، برائیوں میں مبتلا ہیں  
 لیکن آج رحمت عالم کے در پر بھکاری بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنے  
 گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو جائیں اور نبی مکرم علیہ السلام کی اتباع و  
 پیروی کا عزم کر لیں تو ضرور ہمارے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔  
 اور دنیا و آخرت میں ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا نصیب



یہی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی پیدائش پر اظہارِ مسرت  
حکم الہی کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ  
فَبَدَّلْكَ فَلْيَفْرَحُوا

تم کہہ دو کہ اللہ کے فضل اور  
اس کی رحمت اور اسی پر چاہیے

کہ خوشی کریں

(یونس: ۵۸)

جس رحمت پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے ہم یہاں جمع ہیں۔ اور  
جس کے در سے ہم رحمت کی بھیک مانگ رہے ہیں وہ ہم سے بھی یہی  
چاہتے ہیں کہ ہم بھی دوسروں پر رحم کریں۔ فرمایا گیا۔

لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ

الناس  
اس پر رحم نہ کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

کہو مہربانی تم اہل زمین پر

خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

یہ اس مقدس نبی کا یوم پیدائش منایا جا رہا ہے جو:

ہے جس کے خزانوں میں اپنے در کے بھکاریوں کے

رُوفٌ وَرَحِيمٌ لئے رحم ہی رحم، کرم ہی کرم ہے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ  
أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا  
عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ  
بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

بے شک تمہارے پاس

تشریف لائے وہ رسول تم

ہی میں سے جن پر تمہارا شفقت

میں بڑا نادر شوار ہے جو تمہاری

بھلائی کے بچہ چاہنے والے

رحم فرمانے والے ہیں۔

(التوبہ: ۱۲۸)



سبحان اللہ ہمیں کیا عظیم و شفیق نبی نصیب ہوا جس کو ہماری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے وہ ایسے رؤف و رحیم ہیں کہ امتوں کے لئے دنیا کی فلاح و بہبود اور آخرت کی نجات کا خود ہی انتظام فرماتے ہیں۔ وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں صرف اللہ کا پیغام ہی نہ پہنچایا بلکہ زندگی گزارنے کے ایسے طریقے بھی سکھائے جن کو اپنانے والے دنیا میں آرام و سکون بھی پاسکتے ہیں اور ایک بہترین قوم بھی کہلا سکتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں حکومت کرنے، تجارت کرنے کے طریقے سکھائے، اعزاز و اقرباء، دوست و احباب سے تعلقات قائم رکھنے کی تعلیم دی، انہوں نے ہمیں دنیا میں امن قائم کرنے، آپس میں محبت کرنے کی تاکید فرمائی، انہوں نے ہمیں ظلم، بے انصافی، عزت و تنگدستی، جہالت اور انسانوں کو تباہ کرنے والی ہر چیز کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فرمایا۔

- امیری مال کی کثرت کا نام نہیں بلکہ امیری دل کی امیری کا نام ہے۔ (بخاری مسلم)
- جو شخص مستغنی بنتا ہے خدا اُس کو مستغنی بنا دیتا ہے۔ اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع نعمت نہیں دی گئی۔ (بخاری مسلم)
- وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی وجہ سے جنگ کرے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے۔ (ابوداؤد)
- ظلم قیامت کے دن تارکیوں کا سبب ہوگا۔ (بخاری مسلم)
- رحم صرف بد نصیب ہی سے پھینا جاتا ہے (ترمذی)
- انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو تم دیکھ لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔ (ابوداؤد)
- قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (بخاری شریف)
- جو چاہتا ہے کہ اُس کے رزق میں کشادگی ہو اور عمر میں زیادتی تو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (بخاری شریف)



● باپ بہشت کے دروازوں میں سے ہے اب تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر اور چاہے تو اس کو کھودے۔ (ابن ماجہ)

● خدانے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے (بخاری و مسلم)  
● جو شخص اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (بخاری)

● وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کر ائے اچھی باتیں کہے اور اچھی باتیں پہنچائے۔ (بخاری و مسلم)

● جس نے کسی مسلمان کو دنیا کی تکلیف سے نجات دلائی اللہ اُس کو قیامت کی تکلیف سے نجات دے گا۔ (مسلم)

● تم میں سے ہر شخص اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی برائی دیکھے تو اسے دور کرے۔ (ترمذی)

● جو دل چاہے کھاؤ اور جو دل چاہے پہنو جب تک فضول خرچی اور تکبر تمہارے پاس نہ آئے۔ (بخاری شریف)

● جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی پسند کرو تم کامل مسلمان ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

● دنیاوی ساز و سامان کو اپنے لئے ضروری و لازم نہ جانو کہ وہ دنیا کی طرف تمہاری رغبت کا سبب بن جائے۔ (ترمذی)

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے تو میری مخلوق پر خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (ترمذی)

● بہادر وہ نہیں ہے جو لوگوں کو بچھاڑ دے بہادر وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے اوپر قابو پالے (بخاری و مسلم)

● صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور خدا اپنے بندے کو معاف کرنے سے عورت دیتا ہے اور جو شخص خدا کے لئے انکساری کرتا ہے خدا اُس کا مرتبہ بلند

کرتا ہے۔ (مسلم)



- تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ (بخاری)
- جس نے انسان کا شکر یہ ادا نہ کیا اُس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا۔

(ترمذی)

- خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو اس حال میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے اور اس پر خدا کی تعریف کرے یا ایک گھونٹ پیے اور اس پر خدا کی تعریف کرے۔ (مسلم)
- پانی کے برتن میں پیتے وقت سانس لینے اور مچھونک مارنے سے منع

فرمایا۔ (ابن ماجہ)

- جس شخص کے سر اور داڑھی کے بال ہوں اُس کو چاہیے کہ ان کو اچھی طرح رکھے۔ (ابوداؤد)

یہ چند ارشادات مومنہ ہیں اُس رؤف و رحیم آقا کی تعلیم کا جو ہماری دنیا کو سدھارنا، سفوارنا اور ہمیں ایک بہترین قوم بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہماری اُخروی نجات کے لئے خدا کی اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی اتباع و پیروی کی دعوت دی۔ اور ہم سے یہ وعدہ بھی فرمایا۔

شفاعتی لاهل الکباۃ قیامت کے دن میری شفاعت

گناہگاروں کے لئے ہے۔

(شکوۃ شریف)

وہ ایسے رؤف و رحیم ہیں کہ گناہگاروں کا بھی سہارا بنتے ہیں بے شک ہم گناہگار ہیں لیکن خوش نصیب ہیں کہ ان سے اظہارِ محبت کر رہے ہیں۔ ان کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کے سہارے پر ہم یقین و اعتماد کرتے ہیں۔ اے حضرت فرماتے ہیں۔

بد سہی، چور سہی، مجرم ناکارہ سہی

اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کہہ یا تیرا

حضرت علامہ امام بوسعیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ بردہ شریف میں



فرماتے ہیں:

هُوَ الْجَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ  
لِكُلِّ هَفِيءٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

وہی حبیب ہیں کہ اُمید کی گئی اُن کی شفاعت کی ہر شدت و مصیبت میں جو سختی کے ساتھ اُن کے غلاموں پر نازل ہو چکی ہے۔

یہ اُس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سالگرہ کا مقدس دن ہے جو:

انسانی زندگی کے لئے ایک ایسا بہترین نمونہ ہیں جن کی

اُسوۂ حسنہ ہر ادا قابل عمل ہے۔ فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن  
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

بیشک تمہارے لئے اللہ کے

رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ

ہے۔ اُس کے لئے جو اللہ اور

آخرت کے دن کی اُمید رکھتا ہو۔

اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔ (النجم: ۴۱۳)

پس جو رسول نمونہ ہو، ہر اُممتی کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کو اُس کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اور یہ یقین رکھے کہ بہتر زندگی وہی ہوگی جو رسول کی زندگی کے مطابق گزرے گی۔ اسی لئے فرمایا گیا

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ  
عَنْهُ فَانْتَهُوا

اور جو کچھ تمہیں رسول دے وہ

لو اور جس سے منع کرے اُس

سے رُک جاؤ۔

(المحشر: ۷)

انسان کی فلاح و ہیو و رسول کے دامن سے وابستہ ہے پس اُسے چاہیے کہ رسول کی دی ہوئی چیز کو اپنائے۔ چاہے اُس میں بظاہر دشواری معلوم ہو اور رسول نے جن چیزوں سے منع فرمایا اُن کو چھوڑ دے، اُن سے نفرت کرے۔ یہ بظاہر اُس عمل میں کتنا ہی نقصان نظر آتا ہو اسی میں انسان کا فائدہ ہے



اور یہی خدا کی خوشنودی کا ذریعہ بھی ہے

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ  
أَطَاعَ اللَّهَ  
جس نے رسول کا حکم مانا بیشک  
اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جس کام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے میں اُسے  
کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں آپ کے حال سے کسی بات کو چھوڑ دوں  
تو مجھے ڈر ہے کہ میں سنت سے منحرف ہو جاؤں گا۔

(بخاری کتاب الجنائز)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

میں نے حضور علیہ السلام کو بغیر چھنے اُٹے کی روٹی کھانے دیکھا۔

اس لئے میرے واسطے بھی آنا چھانا جایا کرے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا۔

”اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ

دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔“ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضور

علیہ السلام کو شور بے میں لوکی کے ٹکڑے تلاش کر کے کھاتے

دیکھا اس دن سے میں لوکی بہت پسند کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع و پیروی اسی یقین کے ساتھ

معتنی کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے

ہمیں انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور یہی حال ہر زمانہ میں ان نیک و

منفقی مسلمانوں کا رہا جن کے اسمائے گرامی کامل مسلمانوں کی فرست میں آتے

یہ مسلمانوں کی توشان یہ ہے



مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو  
ادھر حکم محمد ہو ادھر گردن جھکائی ہو

انسان بہر حال اپنی زندگی گزارنے کے لئے ایک رہبر اور رہنما کا محتاج ہے اور جب ہم ان راہبروں اور رہنماؤں پر نظر ڈالتے ہیں جو یا تو انسانوں پر مسلط ہو گئے اور یا انسانوں نے اپنی ناقص عقل پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو اپنا راہبر بنا لیا۔ ہمیں وہ ہرگز اس قابل نظر نہیں آتے کہ ان کو رہبر تسلیم کیا جائے۔ نہ وہ انسانوں کے مزاج سے واقف، نہ انہیں انسان کی فطرت کا علم، نہ ماضی پر ان کی نظر، نہ مستقبل ان کے سامنے، ان کی تعلیمات نہایت پوچھی اور ناقص، جو کہیں اُس پر خود عمل کر کے دکھانہ سکیں، یہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں انسانوں کے لئے اُسوہ حسنہ اور رہبر کامل بنا کر اُس خدا نے بھیجا جو انسان کا خالق ہے۔ لہذا اُس نے ان کو انسان کی ضروریات کے مطابق علم بھی عطا فرمایا، عقل بھی اور عمل کی قوت بھی، ان کی تعلیم ایسی کامل و مکمل ہو گئی کہ کسی چیز کی کمی باقی نہ رہی۔

کس چیز کی کمی ہے آقا تیری گلی میں

دنیا تیری گلی میں عقبی تیری گلی میں

ایسا رسول کامل مل جانے کے بعد انسان کو کسی دوسرے کے در پر جانے

کی کیا ضرورت باقی رہی اور اگر کوئی جاتا ہے تو جایا کرے۔ وہ کیوں جائے جس

نے اس اُسوہ حسنہ کا کلمہ پڑھ کر اپنی گردن میں ان کی غلامی کا طول ڈال لیا

ہے اور ان کو اپنا رہبر تسلیم کر لیا ہے، ہمیں فخر ہے اور ہر مسلمان کو فخر ہونا

چاہیے کہ ہمارا رہبر جن خوبیوں اور کمالات والا ہے آج دنیا اُس کے مقابلے

میں کسی کو پیش نہ کر سکی اور نہ قیامت تک اُس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اُس کا

دربار عام ہے جو چاہے ان کو اپنا رہبر تسلیم کرے اور کامیابی و کامرانی کی

نشانت لے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دئیے ہیں دُربے بہا دئیے ہیں



آج اُس نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے جو:  
 بن کر دنیا میں تشریف لایا۔ مقام نبوت جو انسانیت کا  
خاتم النبیین اعلیٰ ترین مقام ہے۔ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر  
 ختم ہو گیا اور وہ جو اول خلق ہیں آخری نبی قرار پائے۔ ان کی بعثت کے ساتھ  
 ہی نبوت اپنے عروج و کمال کو پہنچ گئی۔ اب کون ان سے اعلیٰ و اکمل ہو سکتا  
 ہے جس کو تاج نبوت پہنایا جائے۔ اور ان میں کون سی کمی ہے جس کو پورا کرنے  
 کے لئے کسی اور کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔ آخر انسانی زندگی کا کون سا پہلو  
 باقی ہے گا جس کی رہبری کے لئے کوئی دوسرا رہنما بھیجا جائے۔ ان کے بعد کسی  
 نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ پس اعلان کیا گیا

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ  
 رِّبَّائِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ  
 وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے  
 مردوں میں سے کسی کے باپ  
 نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول اور  
 سب نبیوں میں آخری نبی ہیں

(الاحزاب: ۴)

نبی تو دنیا میں دین سکھانے آتا ہے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 بہترین سکھایا وہ کامل و مکمل ہے۔ یہ دین گذشتہ ادیان کی طرح قومی اور وقتی  
 نہیں بلکہ ہر دور اور ہر قوم کے لوگوں کی کامیابی کا ضامن ہے خود خدا فرماتا ہے

آلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ  
 دِينَكُمْ وَآمَمْتُ عَلَيْكُمْ  
 نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ  
 لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا  
 دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی  
 نعمت پوری کر دی اور تمہارے  
 لئے اسلام کو دین پسند کر لیا۔

(المائدہ: ۳)

دین کامل ہو گیا، انسان پر خدا کی نعمت پوری ہو چکی اور اسلام خدا  
 کے لئے پسندیدہ دین قرار پا چکا تو اب کسی نبی کی کیا ضرورت باقی رہی؟



اب نبی دنیا میں آکر کیا کام کرنا گذشتہ نبی تو تاروں کی مانند تھے جو آفتاب ہی سے فیض حاصل کر کے تاریکیوں کو وقتی طور پر چھانٹتے رہے۔ اب تو خود آفتاب نبوت طلوع ہو گیا۔ نہ تاریکی رہی اور نہ تاروں کی گنجائش رہی پچھلے نبیوں کی شریعت اور دین بھی ختم ہو چکے کہ آفتاب کے سامنے تاروں کی چمک کہاں ٹھہر سکتی ہے۔

فَإِنَّ شَمْسُ فَضْلِ هُمْ كَوَالِبِهَا  
يُنْظِرُونَ النَّوَارَ لَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب فضل الہی ہیں اور گذشتہ انبیاء اس آفتاب کے تارے ہیں جو لوگوں کو تاریک زمانہ میں ہدایت کی روشنی دکھاتے رہے۔ ہاں وہ دین کامل جو نبی آخر الزمان نے ہمیں عطا فرمایا اگرچہ قیامت تک رہے گا لیکن اس کی تبلیغ و اشاعت ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے محروم نہ رہیں تو یہ کام خود خاتم النبیین نے ان افراد کے سپرد فرمایا جو اس دین کا علم حاصل کریں گے اور ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کے باعث فیضان نبوت ان پر جاری ہوتا رہے گا۔ یہ ہیں حضرات علماء کرام جن کے لئے نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں

ترمذی و ابن ماجہ

یہ نبی کے وارث ضرور ہیں مگر نبی ہرگز نہیں۔ اس اُمت پر یہ خدا کا فضل ہے کہ ہر دور میں علماء کی جماعت پیدا ہوتی رہی اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری ہی رہے گا۔ یہ علماء خادم شریعت اور مبلغ دین ہوتے ہیں۔ نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کو پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں۔ اس راہ میں آنے والے مصائب کو برداشت کرتے ہیں۔ جو سیکھتے ہیں وہی سکھاتے ہیں۔ دین میں کسی تبدیلی یا تغیر کا اہمیت کوئی حق حاصل نہیں۔ دین کی خدمت اور پیغام رسول کی اشاعت کے بدلے ان کو جو مقام حاصل ہے اس کا ذکر



خود اس نبی نے کیا جس نے ان کو اپنا وارث بنایا ہے فرمایا گیا  
 وَإِنَّ الْعَالَمَ لَيَسْتَغْفِرُ  
 لَكُمْ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْجِبْتَانِ  
 فِي حُجُوفِ الْمَاءِ وَإِنَّ  
 فَسَلَّ الْعَالِمُ عَلَى الْعَابِدِ  
 كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ  
 عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ  
 اور بیشک عالم کے لئے زمین و  
 آسمان کی تمام مخلوق اور پانی میں  
 سمندر کی مچھلیاں دعائے مغفرت  
 کرتی ہیں اور بیشک عالم کا مرتبہ  
 عبادت گزار پر ایسا ہے جیسے  
 چودھویں کے چاند کی فضیلت  
 دوسرے ستاروں پر

(ترمذی و ابن ماجہ)

بہر حال نبی کریم علیہ السلام اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ ختم نبوت آپ کا وہ  
 وصف ہے جس کا انکار کفر ہے اور اس کا منکر واجب القتل ہے۔ اس پر  
 ہمیشہ اہل اسلام کا اتفاق و اجماع رہا ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ  
 علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وَدَعْوَى النَّبُوَّةِ بَعْدَ  
 نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ كُفْرٌ بِالْإِجْمَاعِ  
 ہمارے نبی صل اللہ علیہ وسلم کے  
 بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع  
 کفر ہے۔  
 یہ دن ہے اس کی سالگرہ کا جو:

نورِ عالم  
 ہو اظلم و ستم، جو روحِ جفا کی تاریکیاں چھپیں، دلوں کی سیاہی  
 ہٹی، جو دل اس دل کے سامنے آیا روشن ہو گیا۔ جو چہرہ اس کے چہرے  
 کے سامنے آیا چمک اٹھا۔

چمک بچھ سے پاتے ہیں سب پانے والے  
 میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اللہ فرماتا ہے:



فَتُدْجَاءُكُمْ مِنَ اللَّهِ  
نُورًا وَكِتَابٌ مُبِينٌ  
بے شک تمہارے پاس اللہ  
کی طرف سے ایک نور آیا اور  
روشن کتاب

(المائدہ ۱۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:  
وَالنُّورُ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ لِأَنَّهُ يُهْتَدَى  
بِهِ كَمَا سُمِّيَ سِرَاجًا  
اور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
ہیں کیونکہ آپ کی نورانیت سے  
ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسا  
کہ آپ کو سراج مینر فرمایا گیا۔

(تفسیر مدارک)

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں تحریر فرماتے

ہیں:-

ر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے ہی کی وجہ سے دھوپ و  
چاندنی میں آپ کا سایہ نہ تھا اور اسی وجہ سے آپ کے جسم اور  
کیڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔  
اس نور کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا  
نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ  
ذَٰلِكَ يَأْتِي اللَّهُ الْإِنَّ  
يَتِمُّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ  
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے  
منہ سے بجھا دیں لیکن اللہ اپنے  
نور کو پورا ہی کرے گا چاہے  
کافر برا ہی مانیں۔

(التوبہ ۳۲)

اس آیت کے متعلق حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں  
يَقُولُ يُرِيدُونَ أَن  
يَهْلِكُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ چاہتے  
ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو



(تفسیر درمشور)

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن

پھونکنوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

یہ نور اس وقت چمک چکا تھا جب نہ وقت تھا نہ زمانہ، نہ زمین تھی  
نہ آسمان اچاند و سورج تھے نہ تارے، خود نور عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
فرماتے ہیں:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي

سب سے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا فرمایا میرا نور ہے

میرے اُتاد مکرم عزالی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی  
دامت برکاتہم العالی اپنے ایک مقالہ میں اس حدیث کو مدارج النبوة  
سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”کثیر التعداد جلیل القدر ائمہ کا اس حدیث کو قبول کرنا، اس  
کی تصحیح فرمانا، اس پر اعتماد کر کے اس سے مسائل کا استنباط کرنا  
اس کے صحیح ہونے کی روشن دلیل ہے خصوصاً سیدنا عبد العزیز  
ناہلسی رضی اللہ عنہ کا حدیقہ ندیہ کے مبحث ثانی نوع ستین من  
آفات اللسان فی مسئلہ ذم الطعام میں اس حدیث کے  
مستعلق ”الحديث الصحيح“ فرمانا صحت حدیث کو زیادہ واضح  
کر دیتا ہے ان مختصر جملوں سے ان حضرات کو مطمئن کرنا مقصود  
ہے جو اس حدیث کی صحت میں متردد رہتے ہیں۔“

(مقالات کاظمی ج ۱ ص ۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے  
ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: ”اے جبریل تمہاری عمر  
کتنی ہے؟“ تو جبریل نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں



اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب پر ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد  
چمکتا تھا اور میں نے اُسے بہتر ہزار مرتبہ چمکے دیکھا ہے" تو آپ نے فرمایا  
وَعِزَّةَ رَبِّي أَنَا ذَا لِكَ  
الْكُفْبُ  
مجھے میرے رب کی عزت کی قسم  
ہے میں ہی وہ تارا ہوں۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۷)

حضرت آدم علیہ السلام جو ابوالبشر تمام انسانوں کے باپ، انسان  
اول، زمین پر خدا کے پہلے خلیفہ اور نبی ہیں ان کے متعلق حضرت امام  
قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد  
حکم دیا "اے آدم اپنا سر اٹھاؤ" جب انہوں نے سر اٹھایا  
تو عرش کے پردوں پر ایک نور دیکھا تو خدا سے عرض کیا "اے  
رب یہ نور کیا ہے" پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ ایک نبی کا نور  
ہے جو تمہاری اولاد میں ہوگا۔ آسمان پر اُس کا نام احمد اور  
زمین پر محمد ہوگا۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اے آدم میں نہ تمہیں پیدا  
کرتا اور نہ ہی زمین و آسمان کو"

حضرت ابن عباس و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک  
مرتبہ بعض صحابہ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا "یا رسول اللہ آپ نبی کب  
بنائے گئے" جواب میں آپ نے فرمایا:

كُنْتُ بَنِيًّا وَآدَمُ بَيْتَ  
الرُّوحِ وَالْجَسَدِ  
میں اُس وقت نبی ہو چکا تھا۔  
جب آدم علیہ السلام روح اور  
جسم کے درمیان تھے۔

(بخاری و مشکوٰۃ)

بہر حال حضور علیہ السلام کا نور ہونا اور اس نور کا تمام مخلوق سے پیدا  
کیا جانا واضح ہے اسی نور کی نبوت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کیا



جی کہ یہ کائنات وجود میں بھی نہ آئی تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ  
النَّبِيِّينَ لَمَّا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ  
كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ  
رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ  
لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُنَّهُ  
فَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ  
عَلَيْ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا  
أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا  
وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

اور یاد کرو جب اللہ نے  
پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔  
جب میں تم کو کتاب و حکمت  
دوں پھر تمہارے پاس وہ  
رسول تشریف لائے جو تمہاری  
کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم  
ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور  
ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا  
کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر  
میرا ذمہ لیا۔ سب نے عرض  
کیا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو  
ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ  
اور میں اب تمہارے ساتھ  
گواہوں میں ہوں۔

(العمران - ۸۱)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام  
نبیوں سے یہ عہد حضور علیہ السلام کی رفعت شان کا مظاہرہ فرمانے کے  
لئے لیا گیا۔ اور اس عہد کو اتنی اہمیت دی گئی کہ عہد کرنے والوں کو آپس  
میں ایک دوسرے پر گواہ بنایا گیا۔ اور پھر عہد لینے والا خدا خود بھی اس  
پر گواہ بنا۔

اس نور مقدس کا پہلا امین ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا  
اور اس کو ان کی پیشانی میں رکھا گیا جس کی وجہ سے آپ کی پیشانی چمکنے  
لگی اور اسی کی عظمت کے باعث آپ مسجود ملائکہ بنے۔ حضرت علامہ



امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

بے شک فرشتوں کو آدم  
علیہ السلام کے لئے سجدے  
کا حکم اسی واسطے دیا گیا تھا  
کہ آدم علیہ السلام کی پیشانی  
میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ أُمِرُوا  
بِالسُّجُودِ لِأَجْلِ أَنْ نُورَ  
مُحَمَّدٍ كَانَ فِي جَبْهَةِ  
آدَمَ

اور اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی  
جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:  
جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہوا تو انہوں  
نے عرض کیا "اے میرے رب بوسیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
مجھے معاف فرما دے" اللہ نے فرمایا اے آدم تم نے محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا جب کہ ابھی تو میں نے  
ان کو بظاہر پیدا ہی نہیں فرمایا۔ آدم نے عرض کیا "اے  
میرے رب جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح  
پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر  
لا الہ الا اللہ محمد س سول اللہ لکھا ہوا دیکھا پس  
میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا  
ہے وہ یقیناً تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا ہے"  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا بیشک وہ تمام  
مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور جب تو نے  
ان کے وسیلہ کے ساتھ معافی چاہی ہے تو اے آدم میں  
نے تمہیں بخش دیا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا  
ہی نہ فرماتا۔

(ذرقانی علی المواہب)



حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

أَنْتَ الَّذِي لَمَّا نَقَّ سَلَا أَدَمُ  
مِنْ نَزَلَتِكَ فَانزَ وَهُوَ آبَاكَ

آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کو وسیلہ بنایا  
تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ نور مقدس ان کے سب سے  
چھوٹے بیٹے حضرت ثلث علیہ السلام کے پاس امانت رہا۔ اور پھر  
ہمیشہ پاک پشتوں اور پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ  
تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر نبی اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا  
فرمایا اور یہ نور ان کی پیشانی میں منتقل ہو گیا۔ جس کی برکت سے وہ ان  
تمام آزمائشوں میں کامیاب و کامران ہوتے رہے جن کا تذکرہ قرآن  
میں موجود ہے اور تمیہ کعبہ سے فارغ ہو کر آپ نے اسی نور کے چمکنے کی  
دعا کی۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

أَنَا ذُغْوَةُ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ وَ  
بَشَارَةُ عَيْشِي  
میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا  
اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری  
ہوتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

پھر یہ امانت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نصیب ہوئی جس کی  
برکت سے آپ کو ذبیح اللہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے  
ان دونوں حضرات یعنی ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی یادوں کو قیامت  
تک کے لئے محفوظ فرما دیا۔ اسماعیل علیہ السلام کی چالیس پشتوں کے  
بعد حضرت عدنان کا نام آتا ہے اور ان کی بیس پشتوں کے بعد نبی کریم  
علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور  
حنور علیہ السلام کے درمیان ساٹھ پشتوں کا فاصلہ ہوا اور نور محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم کے یہ تمام امین اس نور کی برکت سے ہر قسم کی برائی اور بدکاری



سے محفوظ رہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

كَيْسَ فِي ابَائِي مِنْ لَدُنَّ  
ادم سَفَاحَ كُلِّ نَاكِاحٍ  
حضرت آدم سے لے کر میرے  
آباؤ اجداد تک کوئی زانی نہ

ہو اسب نے نکاح کیا۔

(مواہب لدنیہ)

ابولعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمودہ روایت کی یعنی  
خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

”میرے اسلاف میں سے کبھی کوئی مرد و عورت بطور سفاح  
(بلا نکاح) نہیں رہے۔“ کبھی کا مطلب یہ ہے کہ جس قربت  
کو میرے نسب میں دخل بھی نہیں مثلاً حمل ہی نہ ٹھہرا ہو

وہ بھی بلا نکاح نہ ہوئی۔ یعنی آپ کے سب اصول ذکور و  
اناث ہمیشہ برے کام سے پاک رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو  
اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ کی طرف مہذب و مصفی کر  
کے منتقل کرتا رہا جب کبھی دو شعبے ہوئے جیسے عرب و  
عجم پھر قریش و غیر قریش و علی ہذا تو میں بہترین شعبے میں رہا۔  
(مقالات کاظمی ج ۱ ص ۶۸)

## ظہور نور

جمع طیبہ میں ہوئی بنا ہے باڑ انور کا

صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اب اس نور کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے اور خاندان بنو ہاشم

کے فرزند عبدالمطلب کی پشانی اس سے منور ہے جس کی برکت نے اہل  
عرب میں معزز و مکرم بنا دیا ہے۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ:



جسم سے خالص مشک کی خوشبو آتی تھی، حضور علیہ السلام کا  
 نور آپ کی پیشانی میں چمکتا تھا، قریش سخت قحط کے وقت  
 آپ کا ہاتھ پکڑ کر کوہِ شیبہ پر لے جاتے اور آپ کے ذریعہ  
 خدا کا قرب چاہتے اور آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے تو  
 اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے نور کی برکت سے ان کی دعا  
 قبول فرماتا، قحط دور ہو جاتا اور سارے عرب بارانِ رحمت سے سیراب  
 ہو جاتا تھا۔ (زرقانی)

حضرت کعب اجبار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ  
 نبی کریم علیہ السلام کا نور مبارک جب حضرت عبد المطلب کو ملا  
 اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن وہ حطیم میں سوئے ہوئے  
 تھے۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہے  
 سرمے میں تیل بڑا ہوا ہے اور حسن و لباس کا لباس زیب تن ہے  
 وہ اپنی یہ حالت دیکھ کر حیران ہوئے۔ ان کے والدین ان کو  
 کاہنوں کے پاس لے کر گئے اور سب حال بیان کیا۔ کاہنوں  
 نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو نکاح کا حکم دیتا ہے چنانچہ  
 پہلے آپ کا نکاح صفیہ بنت خدیج سے ہوا۔ جن سے حارث  
 پیدا ہوئے اور صفیہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ نے دوسرا  
 نکاح فاطمہ بنت عمرو سے کیا جن سے باقی اولاد اور حضرت عبداللہ  
 پیدا ہوئے۔

عبد المطلب کو زمزم کا کنواں کھودنے کا شرف بھی حاصل ہوا جو  
 ایک عرصہ سے بند پڑا تھا۔ اس وقت ان کا صرف ایک بیٹا حارث تھا انہیں  
 اسی دوران خیال آیا کہ اگر میرے اور بیٹے ہوتے تو یہ کام میرے لئے کتنا  
 آسان ہو جاتا۔ انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا کی کہ:  
 ”اے رب کعبہ اگر تو مجھے پورے دس بیٹے عطا فرمائے تو میں ان میں



سے ایک کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا۔  
 عبد المطلب کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دس بیٹے عطا  
 فرمائے جو اُن کی نظروں کے سامنے جوان ہوئے۔  
 ایک دن عبد المطلب کعبہ میں سو رہے تھے کہ خواب میں دیکھا کہ ایک  
 کھنہ والا کھ رہا ہے۔

”عبد المطلب اس گھر کے رب کے لئے جو نذر مانی تھی اس کو  
 پورا کر دو“

عبد المطلب گھبرا کر اُٹھے اور ایک مینڈھا ذبح کر کے عزیزوں کو کھلا  
 دیا۔ دوسرے دن پھر خواب میں وہی آواز آئی کہ:  
 ”اے عبد المطلب اس سے بڑی چیز قربان کر دو“  
 آپ نے بیدار ہو کر اونٹ ذبح کیا اور عزیزوں کو کھلا دی۔ تیسرے دن  
 سوئے تو پھر آواز آئی کہ:

”اس سے بڑی چیز قربان کر دو“

آپ نے سوال کہ اس سے بڑی کیا چیز قربان کروں جواب ملا:  
 ”عبد المطلب اپنے بیٹے کی قربانی کر و جس کی تم نے نذر مانی تھی“  
 عبد المطلب نے بیدار ہو کر سب بیٹوں کو جمع کیا اور سارا حال بیان کیا  
 بیٹوں نے عرض کیا:

”آپ ہم میں سے جس کو چاہیں قربان کر دیں۔ عبد المطلب نے کہا کہ قرعہ انداز  
 کر لی جائے جس کا نام نکلے گا اس کو ذبح کیا جائے گا۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت  
 عبد اللہ کا نام نکلا جو سب سے چھوٹے، سب سے حسین اور عبد المطلب  
 کے بہت چہیتے تھے ان کی پشت میں نور عالم منتقل ہو چکا تھا جس سے  
 اُن کی پیشانی چمکتی تھی۔

عبد المطلب پیارے بیٹے کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور مکہ سے باہر چل دیئے۔ ادھر قریش کے  
 سرداروں اور عام لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ عبد المطلب کے پیچھے ہوئے۔ عبد المطلب نے



عبداللہ کو لٹا کر گلے بوجھری رکھی ہی تھی کہ ایک شور برپا ہو گیا، اسے عبدالمطلب! رُک جاؤ۔ ہم تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنے دیں گے۔ کیونکہ اگر تم نے بیٹے کو ذبح کر دیا تو انسانوں میں ہمیشہ کے لئے یہ طریقہ جاری ہو جائے گا چلو کسی کاہن کے پاس چل کر اس کا بدل معلوم کریں یا تم اپنے رب کے سامنے عذر پیش کرو وہ ضرور تمہیں معاف کر دے گا!

عبدالمطلب اپنی قوم کے ساتھ ایک کاہنہ کے پاس پہنچے جس کا نام قطبہ تھا اور اس کو سب حال بتایا اس نے پوچھا تمہارے یہاں ایک انسان کا کتنا خون بہا مقرر ہے جواب ملا "دس اونٹ" اس نے کہا بس دس اونٹوں اور اس نوجوان کے نام کا قرعہ ڈالو اور جب تک قرعہ میں اونٹ نہ نکلیں قرعہ اندازی کرتے رہو۔ اس طرح کہ ہر مرتبہ دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ کاہنہ کے کہنے کے مطابق قرعہ اندازی کی گئی۔ یہاں تک کہ جب سو اونٹ اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بہت خوش ہوئے سو اونٹ ذبح کئے گئے۔ عربوں اور اہل عرب میں تقسیم کئے گئے۔ یہ قربانی اونٹوں کی نہ تھی بلکہ حضرت عبداللہ ہی کی قرار پائی اسی لئے نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا

اَنَا ابْنُ الذِّيْحَيْنِ

میں دو فریبیوں کا بیٹا ہوں۔

یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ دونوں اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش ہوئے اور میں ان کا بیٹا ہوں یہ واقعہ سیرت کی اکثر کتابوں میں موجود ہے اور اس کو مواہب لدنیہ سے حضرت علامہ کاظمی صاحب نے بھی اپنے ایک مقالہ میں نقل فرمایا ہے، یہ واقعہ نبی کریم علیہ السلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی عظمت اور ان کا شرف ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عرب اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ کو بڑی ہی محبت اور احترام کی نظروں سے دیکھتے اور ان کو ایک ممتاز شخصیت کا مقام دیتے تھے درحقیقت یہ برکت تھی نوز محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس



کے آپ آخری امین تھے۔

حضرت عبداللہ جو ان کے ہونے تو ان کے حسن و جمال، اخلاق حمیدہ اور بلند مقام کے باعث مکہ کی حسین و جمیل عورتیں ان سے تقرب حاصل کرنے کی آرزو کرتیں۔ جب کہ عبدالطلب کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے ان کا نکاح کر دینا چاہتے تھے۔

ایک خشمی عورت نے جو نہایت ہی حسین، دولت مند، توریت کی عالمہ اور کلہ منہ تھی، حضرت عبداللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ساری دولت کی پیش کش کی اور آپ کے قرب کی آرزو مند ہوئی۔ لیکن حسرت عبداللہ نے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے برائی سے محفوظ رکھا۔ چند ہی دن کے بعد آپ کا نکاح وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ سے ہو گیا اور پہلے ہی ہفتہ میں نور عالم کی امانت دار بن گئیں یعنی حمل قرار پا گیا۔

حضرت عبداللہ پھر ایک دن اسی خشمی عورت کے قریب سے گزرے اُس نے آپ کو بغور دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ آپ نے پوچھا "آج تجھے کیا ہوا کہ میری طرف توجہ بھی نہیں کرتی۔" وہ کہنے لگے میں نے تمہاری پیشانی میں ایک نور چمکتا دیکھا تھا جس کو حاصل کرنے کی عرض سے میں تمہارے قریب ہونا چاہتی تھی لیکن آج مجھے وہ نور تمہاری پیشانی میں نظر نہیں آ رہا۔ معلوم ہوتا ہے تم نے کسی عورت سے صحبت کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "تو نے سچ کہا میرا نکاح ہو گیا ہے اور میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہے" اس عورت نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "بڑی خوش نصیب ہے وہ عورت جو تمہارے بچے سے حاملہ ہوئی ہے جو عظمت اس کو ملی اور جو مقام اُس کا ہو انہ کسی کا ہو اور نہ کسی کا ہو سکتا ہے۔"

مدارج النبوق

وہ جس کے نور سے چمکتی تھی پیشانی اسی کی تھی میں طالب اسی کی تھی میں دیوانی



مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے  
یہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، نعمت عنلمی، رحمتہ للعالمین، رؤف ورحیم،  
أسوہ حسنہ، خاتم النبیین اور نور عالم بن کر اس تاریک عالم کو چمکانے کے  
لئے جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم میں پہنچا اور آپ اس کی حاملہ  
ہوئیں تو آپ پر جو کیفیات طاری ہوئیں اور جو عجائبات پیش آئے، مستبر

وایات کے مطابق ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام جہانوں میں  
اعلان کر دیا جائے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا نور راج  
شب اپنی والدہ کے رحم میں منتقل ہو چکا ہے اور عنقریب ہی  
تمام عالم اس سے منور ہونے والا ہے اس آواز کو جن والنس  
کے علاوہ تمام مخلوق نے سنا۔ خدا نے انہیں قوت گویائی عطا  
فرمائی اور سب نے آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دی  
کہ مبارک ہو اب وہ آنے والا ہے جس کی رحمت سے صرف انسانوں  
ہی کو نہیں بلکہ تمام مخلوق کو حصہ نصیب ہوگا۔ اب وہ آنے والا  
ہے جو دنیا سے ظلم و ستم اور برائیوں کی تاریکیوں کو چھانٹے گا  
اس شب بت اوندھے ہو گئے، کعبہ نے مقام ابراہیم کی طرف  
جھک کر سجدہ کیا، اس میں موجود سب سے بڑا بت ہبل اوندھا  
ہو گیا۔ ہزاروں برس سے فارس میں جلنے والی آگ بجھ گئی، کسری  
کے محل کے کنگرے لوٹ گئے۔ قیصر کی عمارتوں میں دراڑیں پڑ  
گئیں، شیطان اپنے پیلوں کو جمع کر کے ماتم کرنے لگا، جنوں  
اور شیطانوں کا آسمانوں پر داخلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا، حالت  
حمل میں عام طور پر عورتوں کو جو تکالیف رہتی ہیں، حضرت آمنہ  
کو ایسی کوئی تکالیف نہ ہوئیں۔ بلکہ آپ اپنی طبیعت پر فرحت و  
سرور محسوس کرتی تھیں اور آپ کا چہرہ چمکنا تھا، خواب کی



کی حالت میں آپ کو نبی آخر الزمان کی ماں بننے پر مبارک باد کی آوازیں  
 سنائی دیتی تھیں۔ نبی کریم علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں:  
 ثُمَّ اِنَّا فِیْهَا سَرَاتٍ فِیْ مَنَامِهَا      پھر بے شک میری ماں نے  
 اِنَّ الَّذِیْ فِیْ بَطْنِهَا      خواب میں دیکھا کہ ان کے  
 نُورٌ      پیٹ میں نور ہے۔

۵      هَذَا وَفَدَّ حَمَلَتْ اُمُّ الْحَنِيْبِ بِهٖ  
 وَكَيْسٍ فِیْ حَمْلِهَا كَرَبٌ وَكَأَضْرَبٌ

یہ تو ہو چکا کہ آپ کی والدہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے حمل میں نہ کچھ کرب  
 تھا نہ کوئی تکلیف تھی۔

۶      از بہار لطف تو سر سبز باغ کائنات  
 وز نسیمِ فضا تو شاداب تر و من الصفا

دنیا میں اس نور کے چمکنے سے پہلے ہی اس کے آخری امین حضرت عبداللہ  
 کی وفات ہو گئی جن کی عمر ابھی پچیس برس ہی کی تھی۔ فطرتاً آپ کی رفیقہ حیات  
 کو محبوب شوہر کی جدائی نے متاثر کیا اور وہ خاصی غمزدہ ہوئیں لیکن جس  
 نور کی وہ حاملہ تھیں اسی سے انہیں سہارا ملا کہ وہ غمزدوں کا سہارا ہی بن کہ  
 دنیا میں تشریف لانے والا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ کے انتقال  
 پر فرشتوں نے خدا سے عرض کیا کہ رب تیرا آنے والا نبی یتیم ہو گیا "مندا  
 نے فرمایا" بس خود اس کا حافظ و مددگار ہوں" (سوا جب لہ نیہ)

بقول حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے "حضور علیہ السلام کو  
 اس لئے یتیم کیا گیا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کی اعلیٰ تربیت اور خوبیاں ایک  
 اپنے سرپرست کے باعث ہیں" حقیقت یہ ہے کہ بعثت الہی نے اپنے  
 محبوب کو اپنے سوا کسی کا محتاج نہ بنایا۔ دنیا میں آنے سے پہلے ہی باپ کا  
 سایہ اٹھا، ابھی پچھ برس کی عمر بھی نہ ہو پائی تھی کہ ماں بھی رخصت ہو گئیں،



آٹھ برس کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے، چچا ابوطالب کو بھی ایک موقع پر فرمایا کہ "اگر تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہے تو مجھے تمہارے کسی تعاون کی ضرورت نہیں" ان ظاہری اور مادی سہاروں کو صرف یہی ثابت کرنے کے لئے ختم کیا گیا تھا کہ وہ نبی جو خود سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آیا کسی اعتبار سے دنیا والوں کا محتاج نہیں بلکہ دنیا تو اپنے وجود میں بھی اسی کی محتاج رہی۔

وَكَيْفَ تَدْعُوا إِلَى الدُّنْيَا ضُرٌّ مِّنْ

لَوْلَا هُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ العَدَمِ

ضروریات ایسے شخص کو دنیا کا محتاج کیسے بنا سکتی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے

تو دنیا جو زمین ہی نہ آتی۔

باب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں اور وہ مہمان جس کے لئے زمین کا فرش بچھا یا گیا اور آسمانوں کا شامیانہ لگایا گیا۔ اب آتا ہے رات کی تاریکی چھٹ رہی ہے، صبح کے نور کے ساتھ خدا کا نور چمک رہا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہے ہر طرف بہار ہی بہار ہے ایسی بہار جس کے بعد نماز نہیں

رعیت با رہی برس رہی ہے ایسی رحمت جس کے بعد نہ رحمت نہیں۔ اس وقت کی کیفیت: خود حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں

آپ کے دادا عبدالمطلب حسب معمول کعبہ میں تھے اور میں

گھر میں اکیلی تھی کہ مجھے دردزدہ شروع ہوا۔ اسی دوران میں نے

ایک ہولناک آواز سنی جس سے میں ڈر گئی۔ اچانک ایک

سفید پرندہ ظاہر ہوا۔ اُس نے اپنا بازو میرے سینے پر

پھیرا جس سے ڈر اور درد جاتا رہا۔ مجھے سکون ہوا آنکھ کھولی

تو مہرے سامنے ایک پیالہ تھا میں پیاسی تھی۔ میں نے پیالہ لیا۔

اور اس میں جو کچھ تھا اُسے پی لیا۔ پھر ایک نور سا ظاہر ہوا تو

میں نے اپنے پاس کچھ عورتوں کو کھڑا دیکھا جو قدر و قامت اور



حسن و جمال میں عبد مناف کی لڑکیوں کی طرح تھیں۔ انہوں نے مجھے چار دن طرف سے گھیر لیا۔ میں حیران تھی کہ یہ کون ہیں اور ان کو کس نے میرے حال کی خبر دی۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا میں اسی فرعون کی بیوی ہوں اور دوسری نے بتایا کہ میں مریم علیہ السلام کی ماں ہوں اور یہ ہمارے ساتھ جنت کی جو رہیں ہیں۔ پھر میں نے اوپر نظر اٹھائی تو ہوا میں بیسٹار مردوں (فرشتوں) کو گھڑے دیکھا جن کے ہاتھوں میں چاندی کے برتن ہیں۔ پھر میں نے پرندوں کے جھنڈ دیکھے۔ جنہوں نے آکر میرے حجرے کو ڈھانپ لیا۔ ان کی چونچلیں زمرہ کی اور بازو یا قوت کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے تو میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھا اور میں نے تین جھنڈے دیکھے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ پر لگا ہوا تھا۔

(مدارج النبوت)

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا  
 قَدْ خَرَجَ لَهَا نَوْرٌ  
 آضَاءٌ لَهَا مَبْتَأُ قَصُودُ  
 الشَّامِ  
 میری والدہ کے لئے ایک  
 ایسا نور ظاہر ہوا جس سے  
 اُن کے لئے ملک شام کے  
 محلات روشن ہو گئے  
 (مشکوٰۃ)

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ  
 اُنہی ہے کس شان سے گرد سوار می وادہ

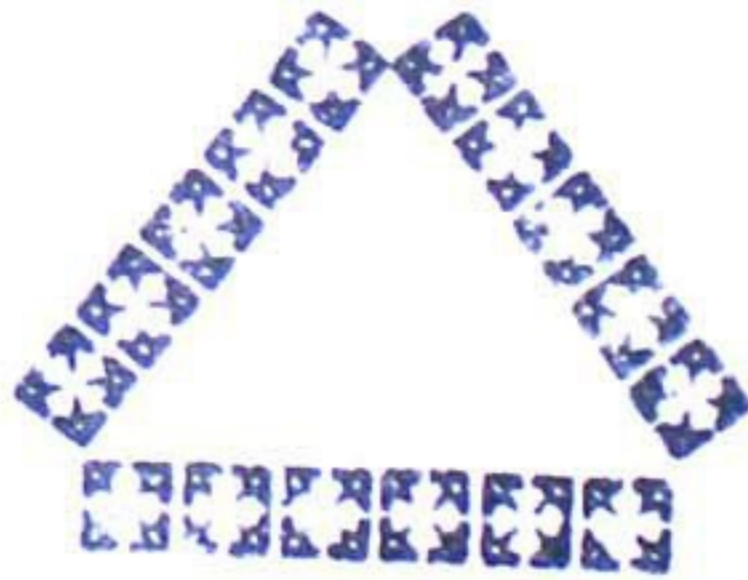
حضرت سفیہ بنت عبد المطلب فرماتی ہیں کہ بوقت ولادت میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی داہرہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور کے جسم مبارک کا نور چراغ کی روشنی پر غالب ہے اور اس وقت میں نے چھ عجائبات تماس دیکھے



اول یہ کہ جب آپ شکم مادر سے ظاہر ہوئے تو آپ نے سجدہ کیا۔  
دوسرے یہ کہ آپ نے سبر مبارک اٹھا کر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ  
فرمایا۔

تیسرے یہ کہ آپ کے جسم مبارک کے نور سے پورا گھر روشن ہو گیا۔  
چوتھے یہ کہ حسب دستور میں نے آپ کو غسل دینا چاہا۔ تو ایک غیبی  
آواز آئی "اے صفیہ تم تکلیف نہ کرو یہ قدرتاً غسل کئے ہوئے پید ہوئے ہیں  
پانچویں یہ کہ آپ مٹھون تھے اور آپ کا نال بھی کٹا ہوا تھا۔  
چھٹے یہ کہ جب میں آپ کو کرتہ پہنانے لگی تو میں نے آپ کے دونوں  
کاندھوں کے درمیان پیٹھ پر ایک گول نشان دیکھا جس پر لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ  
محمد ص سول الله لکھا ہوا تھا۔  
رطب الوردہ ص ۱۴۷  
ساری دنیا نور سے پر ہو گئی۔  
وَاعْتَلَدَتْ الدُّنْيَا نُوْرًا

رنگ بہت الجالس  
صبح طیبہ میں ہوئی بلبے بارانور کا  
بلاغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا  
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا  
مست بو میں بلبیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا  
رَبِّهِمْ اَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ  
وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ عَرَسَتْهُ  
سَيِّدِنَا وَمَوْ لَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ  
اٰجْمَعِيْنَ





## بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 ما اتاکم الرسول فخذواہ وما نہاکم عنہ فانتهوا  
 جو کچھ تمہیں رسول دے پس اُس کو لے لو اور جس سے وہ تم کو روکے پس  
 رُک جاؤ۔

مُحرمِ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے جس کے لئے نبی کریم علیہ السلام  
 نے ارشاد فرمایا۔

اکرموا شہرا لله المحرم  
 فمن اکرمه اکرم بالحجۃ  
 ونجا من الناس

اللہ کے مہینے محرم کی عزت کرو  
 جو اس کی عزت کرے گا جنت  
 میں اس کی عزت کی جائے گی اور

وہ جہنم کی آگ سے آزاد ہو جائیگا

یعنی حضور علیہ السلام نے واضح طور پر اس مہینے کی عزت کرنے کا  
 حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں خاص طور پر مسلمانوں کو  
 شریعت کی پابندی زائد کرنا چاہیے اور اپنا زیادہ وقت خدا کی عبادت  
 میں گزارنا چاہیے اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا:

من صام عشاء یام من  
 اول المحرم فکانما  
 عبدا لله عسرة  
 الالف سنة وقام لالیها  
 وصام نہارھا

جس نے محرم کے پہلے دس دنوں  
 میں روزے رکھے گویا اس نے دس  
 ہزار سال راتوں کو خدا کی عبادت  
 کی اور دنوں میں روزے رکھے۔



محرم کے پہلے دس دنوں میں روزہ رکھنے کا اتنا عظیم ثواب یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محرم میں خاص طور پر عبادت بہت پسند ہے جس کا اندازہ دوسری حدیثوں سے بھی ہوتا ہے لیکن محرم کی دس تاریخ جس کو یوم عاشوراء (عاشورے کا دن) کہتے ہیں۔ عبادتوں کے ثواب اور تاریخی واقعات کے اعتبار سے بہت ہی اہم ہے۔ نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

من صام یوم عاشوراء	جس نے عاشورے کے دن کا
کتب اللہ له ثواب عبادۃ	روزہ رکھا اللہ اس کو ساٹھ سال
ستین سنۃ قام لبا لہا	راتوں کو نماز پڑھنے اور دنوں میں
و صام نہار ہا	روزہ رکھنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔
دوسرے موقع پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:	
لو انفق مومن بملاء	اگر کوئی مسلمان اللہ کے لئے زمین بھر
الارض ذہبا ہادسک	سونا بھی خرچ کر دے تو بھی عاشورے
فضیلۃ یوم عاشوراء	کی عبادت کا ثواب نہیں پاسکے گا
فمن صام فیہ ففتح ثمانیۃ	تو جو کوئی عاشورے کے دن روزہ
البواب الجنۃ یدخل من	رکھے تو قیامت کے دن اس کے
ایہا شاء	لئے جنت کے آٹھوں دروازے
	کھول دینے جائیں گے جس سے چاہے
	وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

حضرت کثیر بن سلیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو ان کو روتے دیکھا وہ بیمار تھے۔ میں نے خیال کیا کہ مرض کی تکلیف کی وجہ سے رو رہے ہیں جب میں نے ان سے رونے کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ آج عاشورے کا دن ہے میں بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا مجھے صدمہ ہے کہ میں ایک عبادت سے محروم ہو گیا کیونکہ میں نے



حضور علیہ السلام سے سنا  
مَنْ صَامَ يَوْمَ عَاشُورَاءِ

جس نے عاشورہ کے دن روزہ  
رکھا اس کو جہنم کی آگ کبھی نہیں

لَعِيْمَةٌ النَّارِ ابَدًا

چھوئے گی۔

جس طرح عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا اتنا زائد ثواب ملتا ہے  
اسی طرح اس دن نماز پڑھنے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے، غریبوں کی مدد کرنے  
رشتے داروں اور مسلمان بھائیوں سے ملاقات کرنے، والدین کی خدمت کرنے،  
عزیزیکہ ہر نیکی کرنے کا بہت ثواب ملتا ہے۔





# شہادت سید امام حسین علیہ السلام



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ امواتٌ

بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں

نہیں خبر نہیں۔ (پہا بقرہ ۳۰۷ آیت ۱۵۲)

آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ مہینہ محرم کا ہے جس کا اہم تمہیں واقعہ سید امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہے اس موقع پر اسی واقعہ کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے نواسے شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پھینے بیٹے تھے ان کی ماں حضرت خورنوں کی سردار حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے بہت محبت تھی لہذا ان کے رونوں صاحبزادوں حسن اور حسین سے بھی بہت پیار تھا حسن و حسین سے حضور علیہ السلام کی محبت کا اندازہ لگانے کے لئے چند واقعات سنئے۔

ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب سے گزرے تو حسین کے رونے کی آواز سنی آپ گھر میں شہریب لائے اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کو فرمایا بیٹی حسین کو مت رلایا کہو مجھے ان کے



ردنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت حسین قریب بیٹھے تھے جب آپ سجدے میں گئے تو حضرت حسین آپ کی پیٹھ پر پوٹھ گئے حضور علیہ السلام نے پیارے نواسے کو اتارنے کی بجائے سجدے سے سراسر وقت تک نہ اٹھایا جب تک وہ خود پیٹھ پر سے نہ اتر گئے۔

نفسکہ نبی کریم علیہ السلام کو آپ سے بے حد محبت تھی جس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت حسین جب مدینہ منورہ میں مہر شعبان ۶۱ھ کو پیدا ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر نواسے کی ولادت کی مبارکباد دی اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی سنائی کہ آپ کے یہ پیارے نواسے خدا کی راہ میں شہید کیے جائیں گے یہ خبر اتنی عام ہو گئی تھی کہ حضرت علی و حضرت فاطمہ کے علاوہ تمام صحابہ کرام کو بھی پتہ تھا کہ اس نواسے رسول کی گردن پر پھری چلائی جائے گی لہذا نانا، ماں اور باپ کے علاوہ تمام صحابہ حضرت حسین کو خدا کا سپاہی اور دین کا محافظ جان کر ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے لئے دعا کیا کرتے تھے کہ :

اللہ اعط المحسین دبرا واجلنا : اے اللہ! حسین کو مصیبتوں پر صبر عطا فرما اور پیامبر کے دن ان کا بدلہ بھی عطا فرما۔

حضرت حسین کی عمر پانچ ہی برس کی ہوئی تھی کہ نبی کریم علیہ السلام دنیا سے پرہ فرما گئے اس طرح اگرچہ حضرت حسین کو حضور علیہ السلام سے فیض حاصل کرنے کا کوئی زائد موقع نہ ملا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں شریعت کی پابندی اور اسلام کی محبت و حفاظت کا جذبہ پیدا فرمایا تھا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اگر میں نے ہی اپنے نانا جان کے لئے ہوئے رین کی حفاظت نہ کی تو پھر کون اس ذمہ داری کو پورا کرے گا آپ نے اسی احساس کی وجہ سے شریعت کی پابندی کا بھی حق ادا کر لیا اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کو بھی پوری طرح سے ادا کیا۔



حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے بچہ مہینے بعد ہی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں اور والد مولائے علی رضی اللہ عنہ کو ۳۰ برسہ رمضان کی اکیس تاریخ کو شہید کر دیا گیا آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ۲۵ برسہ ربیع الاول میں شہید کر دیا گیا اس وقت ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اس طرح اب حضرت امام حسین تنہا تھے اور آپ پر تمام اہل بیت کی ذمہ داری تھی لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائی یہاں تک کہ رجب ۳۰ برسہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کے بعد ان کا لڑکا یزید مسلمانوں کا خلیفہ بنا اس وقت اس کی عمر پونیس سال کی تھی اور یہ آوار مزاج تھا اس کو شریعت وغیرہ کی پابندی کا کوئی خیال نہ تھا اس قدر بے غیرت تھا کہ پہلے ہی دن بھرے دربار میں اس نے علی الاعلان خود بھی تراب پی اور اس کے ساتھیوں نے بھی پی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو جب یزید کی اس حالت کا پتہ چلا تو آپ نے اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے اور اس کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کرنے کا بندھ کر لیا کیونکہ ایک متقی نیک انسان اور پھر تو اسے رسول ایک فاسق بدکردار شخص کو اپنا خلیفہ اور حاکم کیسے مان سکتا تھا اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیتے تو آپ کو اس کی خلافت شرع حرکتوں پر پھینک دیتی ہوتی پڑتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تمام بدکرداریاں جن پر حضرت امام حسین راضی ہوتے اسلام کا حصہ سمجھی جانے لگتیں اور شریعت میں داخل ہو جاتیں اس طرح صحیح اسلام اور اصل شریعت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے اور اسلام کے اس عظیم نقصان کا جواب خدا کے یہاں حضرت امام حسین کو دینا پڑتا لہذا انہوں نے اسلام کی پوری طرح حفاظت کرنے کا فیصلہ کیا لیکن دوسری طرف یزید نے بھی حضرت امام حسین سے اپنی خلافت منوانے کا فیصلہ کیا کیونکہ حضرت امام



حسین کے بیعت نہ کرنے کو یزید اپنی بڑی بے عزتی سمجھتا گویا  
 ”امام حسین علیہ السلام نے حفاظتِ اسلام کو اپنا مقصد بنایا اور

یزید نے اپنی عزت نفس کی حفاظت کا فیصلہ کیا،“

یزید اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مختلف طریقوں سے امام حسین سے

بیعت کا مطالبہ کرتا رہا اور امام حسین شریعت کی پابندی کرتے ہوئے بیعت کرنے

سے گریز کرتے رہے یہاں تک کہ اس سلسلے میں آپ پر سب سے پہلی مصیبت

یہ آئی کہ حالات سے مجبور ہو کر آپ کو مدینہ منورہ چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

آپ نے اس مصیبت پر صبر کیا اور ہم شعبان ۱۱ھ کو آپ مدینہ سے روانہ

ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اس وقت یہاں کے گورنر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ

عنه تھے جب ان کو امام حسین کے مکہ تشریف لے آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً آپ

سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور حالات معلوم کیے حضرت امام حسین

نے انہیں بتایا کہ یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو حکم دیا ہے کہ وہ مجھ سے

کسی بھی طرح یزید کے لئے بیعت لے لیکن میں ہرگز بیعت کرنے کے لئے تیار

نہیں میں نے خیال کیا کہ مدینہ منورہ میں یہ اختلاف اگر زائد ہو گیا تو یہ مدینہ

کی پاک زمین کی بے حرمتی ہوگی لہذا اب میں یہاں آ گیا ہوں خیال ہے زندگی

کے باقی دن خاموشی سے یہیں گزار دوں مجھے نہ کسی کی حکومت چاہیے اور

نہی دولت کی خواہش ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ

نہایت اطمینان سے یہاں رہیں اب آپ حاکم ہوں گے اور میں خادم آپ

کی تمام ضروریات کا انتظام کیا جائے گا اور کسی قسم کی آپ کو تکلیف نہ ہو

گی اور اگر یزید نے آپ پر کسی سختی کا فیصلہ کیا تو اس کا پورا ہی سختی سے مقابلہ

کیا جائے گا حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مکہ کے عام مسلمانوں

کو بھی آپ کے تشریف لانے کی بہت خوشی ہوئی اور ہر ایک نے آپ

کی ہر قسم کی مدد اور خدمت کرنے کا یقین دلایا لیکن چند مہینے ہی گزرنے



پائے نھے کہ عراق کے دار الخلافہ کوفہ سے آپ کے پاس خطوط آنے لگے۔  
 کوفہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دار الخلافہ  
 بنایا تھا وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو رہنے کا موقع ملا تھا اس لئے  
 اہل کوفہ آپ کو جانے بھی تھے اور آپ سے محبت بھی کرتے تھے، اس  
 لئے اہل کوفہ نے اپنے خطوں میں آپ سے محبت کو ظاہر کیا اور آپ کو  
 کوفہ بلایا اور اپنا یہ فیصلہ لکھا کہ جس طرح یزید کو آپ اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے  
 اسی طرح ہم بھی ایسے فاسق کو اپنا خلیفہ نہیں مانتے آپ نو اسہ رسول اور  
 اس وقت سب سے افضل میں ہم آپ ہی کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں  
 لہذا جس قدر جلد ہو سکے آپ شریف لے آئیں اس قسم کے خطوط برابر  
 آتے رہے بالآخر آپ کو کوفہ جانے کا فیصلہ کرنا پڑا کیونکہ  
 ”جب مسلمان کسی بدکردار فاسق سردار سے بزار ہو کر اور نیک  
 و متقی شخص کو اپنا حاکم بنانا چاہیں تو اس متقی شخص کو شرعاً مسلمانوں  
 کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیے“

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ  
 اور دوسرے اہل مکہ کو کوفہ روانہ ہونے کا فیصلہ سنایا تو سب نے مخالفت  
 کی لیکن آپ نے کہا میں شریعت کے خلاف نہیں کر سکتا جب اہل کوفہ  
 مجھے بلا کر اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں تو مجھے ضرور جانا پڑے گا ورنہ اگر انہوں  
 نے یزید کو خلیفہ مان لیا اور ان میں بھی یزید جیسی خلاف شرع حادثیں  
 پیدا ہو گئیں تو قیامت کے دن میں مجرم قرار پاؤں گا کہ میں نے ان کی گزارش  
 کو نہ مانا۔ پورا انہوں نے فاسق کو اپنا خلیفہ بنا لیا اور میرے تساہل کی وجہ سے  
 ان میں بھی فتنی و فحشہ پیدا ہو گیا بہر حال اختلاف رائے کے بعد طے پایا کہ حضرت  
 امام حسین خود جانے سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ  
 کو اپنا نائب بنا کر کوفہ روانہ کریں مسلم ابن عقیل کوفہ کے تمام حالات سے  
 مطلع کریں گے تو اس کے بعد کوئی دوسرا فیصلہ کیا جائے گا اس فیصلے کے



مطابق حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کونے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب آپ کو فہ پہنچے تو اہل کوفہ نے آپ کا بچہ احترام کیا اور آپ کے ہاتھ پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے بیعت کرنا شروع کر دی اس وقت کوفہ کے گورنر نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے بھی حضرت مسلم ابن عقیل کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا یہاں تک کہ مسلم ابن عقیل کے ہاتھ پر تقریباً تیس ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی۔

حضرت مسلم ابن عقیل نے حالات کو بہتر سمجھا لہذا ایک قاصد کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام کو تمام حالات کی خبر دی اور اپنی رائے ظاہر کی کہ آپ کو جلد سے جلد کوفہ پہنچ جانا چاہیے لیکن اسی کے ساتھ مزید کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ کوفہ پر تقریباً مسلم ابن عقیل کا قبضہ ہو چکا ہے اور کوفہ کے گورنر نعمان ابن بشیر بھی ان کی پوری مدد کر رہے ہیں مزید نے کوفہ کو قبضے میں کرنے کے لیے عبداللہ ابن زیاد کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا جو کہ نہایت ہی ظالم اور مکار شخص تھا یہ چھپ کر دھوکے سے کوفہ کے دارالامارت زکونہ ہاؤس میں داخل ہوا اس نے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے کوفہ میں اپنی حکومت کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی شہر کے تمام سرداروں کو طلب کر لیا اور ان سے کہا کہ تم اپنے اپنے قبیلوں پر کنٹرول کرو ورنہ تمہارے گھروں کو کھدوا دیا جائے گا اور تمہیں مع اہل عیال قتل کر دیا جائے گا شہر کے تمام سردار عبداللہ ابن زیاد کی اس سخت دھمکی سے کاٹپا گئے اور انہوں نے اپنے قبیلوں کو دارالامارت کی بچت پر چڑھ کر جمع کیا اور کہا کہ ہماری جائیں خطر سے ہیں لہذا تم لوگ مسلم ابن عقیل کا ساتھ چھوڑ دو اور ہر عبداللہ ابن زیاد نے ایسے لوگوں کے لیے سخت سزاؤں کا اعلان کر لیا جو مسلم ابن عقیل کے ساتھ تھے ہوں گے ان تمام دھمکیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ کے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے حالات ایک دم بدل گئے اور چند ہی دن میں مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کا کوئی سانحہ نہ رہا یہاں تک



کہ آپ کو کوئی کھانے کے لیے کھانا اور آرام کے لیے جگہ تک دینے کے واسطے تیار نہ ہوتا مختصر یہ کہ عبید اللہ ابن زیاد نے آپ کو اور آپ کے دو بچوں کو گرفتار کر لیا آپ کو ذی الحج کی تاریخ شہ کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے بچوں کو بھی شہید کیا گیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت کے واقعات آئندہ صفحات میں آگے آ رہے ہیں

مکہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا بیٹا ملا تو آپ نے کو ذ جانے کا فیصلہ کر لیا حضرت عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عباس عبداللہ ابن عمر اور مکہ کے تمام ہی لوگوں نے آپ کو ذ جانے سے روکا لیکن آپ نے فرمایا "جب ایک قوم فاسق حاکم سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے اپنا حاکم بنا رہی ہے تو اس کی درخواست کو نہ ماننا خلاص شرع ہے اور میں کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے قیامت کے دن ترمندہ ہونا پڑے" آخر کار سب لوگوں کو خاموش ہونا پڑا اور ۲ ذی الحج شہ کو حضرت امام حسین اپنے اہل و عیال اور عزیزوں کو لے کر مکے سے چل دیئے اس مقدس قافلے میں کل ۸۲ افراد تھے آپ جس دیہات اور آبادی سے گزرتے تھے وہاں کے بھی کچھ لوگ آپ کے قافلے میں شامل ہوتے گئے مقام ثعلبہ پر پہنچ کر آپ کو مسلم ابن عقیل اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت کی خبر کے ساتھ ہی کو ذ کا تمام حال معلوم ہوا جس سے آپ کو سخت سدم ہوا آپ کے ساتھ مسلم ابن عقیل کی اٹھارہ سالہ صاحبزادی بھی تھیں آپ نے ان کے سر پر بڑی محبت سے کچھ اس طرح ہاتھ پھیرا کہ انہوں نے معاملہ کو سمجھا اور بولیں کیا میرے باپ شہید ہو گئے ہیں اور میں یتیم ہو گئی حضرت امام حسین نے ان کو مسلم ابن عقیل کی شہادت کی خبر دی اور کہا! بیٹی صبر سے کام لو۔

کو ذ کے بدلے ہوئے حالات اور حضرت مسلم ابن عقیل کی شہادت



کی خبر کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں واپس ہونا  
 جاہئے باآگے چلنا چاہیے سب کی رائے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ منزل مقصود  
 کی طرف بڑھنا چاہیے ایک تو اس لئے کہ مسلم ابن عقیل کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے  
 دوسرے اس لئے کہ کوفے کے لوگوں کو ظالم و فاسق حاکم سے نجات دلائی  
 جائے نرضیکہ اہل بیت کرام کے قافلہ کا سفر جاری ہوا اور حضرت عبید اللہ ابن زیاد  
 کو خبر ملی کہ حضرت امام حسین کو ذہینچنے والے ہیں چنانچہ اس نے ایک بڑا لشکر روانہ کیا  
 جس کو ہدایت کی کہ امام حسین کو کوفے میں داخل نہ ہونے دیا جائے بلکہ کسی ایسے  
 جنگل میں اترنے پر مجبور کیا جائے جہاں ان کو کوئی آرام نہ مل سکے اور دریا کا  
 کنارہ بھی قریب نہ ہو حضرت امام حسین جب منزل سمراتہ پر پہنچے تو دوپہر کے  
 وقت آپ نے اس بڑے لشکر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا لشکر قریب ہوا تو آپ  
 نے معلوم کیا کہ لشکر کا سردار کون ہے پتہ چلا کہ بن یزید ریاحی اس لشکر کا قائد  
 ہے آپ نے حُر کو بلایا اور حال معلوم کیا حُر نے کہا مجھے عبید اللہ ابن زیاد نے  
 اس فرض سے روانہ کیا ہے کہ میں آپ کو بیابان جنگل میں روک دوں آپ نے  
 فرمایا لیکن میں تو خود کوفے نہیں آیا بلکہ مجھے یہاں کے لوگوں نے بلایا ہے میں  
 ان کا مہمان ہوں مجھے ان کے پاس جانے دو اگر عبید اللہ ابن زیاد کو میرے کوفے  
 میں رہنے پر کچھ اعتراض ہوگا تو میں اس سے ملاقات کر کے خود فیصلہ کر لوں گا  
 اور اگر کوفے میں میرا داخل ہونا بھی پسند نہ ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں  
 اور اگر کسی وجہ سے مکے میں بھی میرا رہنا گوارا نہ ہو تو میں کسی دوسری جگہ بھی جانے  
 کو تیار ہوں اسی کے ساتھ آپ نے حُر کو کوفیوں کے خط بھی دکھائے حُر نے  
 عبید اللہ ابن زیاد کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تمام باتوں کی خبر کی لیکن  
 عبید اللہ ابن زیاد نے امام حسین کی کسی بات کو قابلِ غور نہ سمجھا اور حُر کو آپ  
 کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا اور کہا یا تو حسین یرید کے ہاتھ پر بیعت کا اعلان  
 کریں ورنہ ان سے مقابلہ کیا جائے اور میرے دربار میں ان کا سر پیش کیا  
 جائے۔



حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب عبید اللہ ابن زیاد کا یہ جواب سنا تو آپ کو حالات کا اندازہ ہو گیا آپ اپنے قافلے کو لے کر واپس ہونے کی کوشش کرنا چاہتے تھے لیکن حُر نے کہا کہ میں آپ کو واپس نہیں ہونے دوں گا پھر آپ نے کسی قریب آبادی میں اترنے کا فیصلہ کیا لیکن حُر نے آپ کو ایک ایسے میدان میں پہنچا دیا جس سے دریا ئے فرات بہت دور تھا اور کہا کہ آپ یہاں اتر جائیں مجبوراً آپ یہاں اترے اور خیمے لگا دیئے یہ ۲ محرم ۶۱ھ کا دن تھا دوسرے ہی دن اس چھوٹے سے قافلے کے سامنے چار ہزار افراد کا ایک بڑا لشکر آپہنچا پتہ چلا کہ اس لشکر کا سپہ سالار عمرو بن سعد ہے جو سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا اس کے باپ نبی کریم علیہ السلام کے ان صحابہ میں سے تھے جن کو حضور علیہ السلام نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے لیکن ان صحابی کا بیٹا حکومت و دولت کے لالچ میں آکر نواسہ رسول کے مقابلہ پر آیا اور اُس نے جہنم کو اپنا، ٹھکانہ بنایا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد سے بھی گفتگو کر کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی لیکن عمرو نے عبید اللہ ابن زیاد کے احکام کے مطابق اہل بیت کرام پر سختی شروع کر دی یہاں تک کہ، محرم کو پانی بھی بند کر دیا گیا اور اس طرح عورتیں بچے سب پینے کے لیے بھی پانی کو ترس گئے آپ نے عمرو ابن سعد کو ہر چند سمجھانے کی کوشش کی جس میں کامیابی نہ ہو سکی اور ۹ محرم کو ان بد نصیبوں نے نواسہ رسول سے جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس جنگ کا کوئی خاص سامان نہ تھا بس وہاں چند تلواریں وغیرہ تھیں جن کو اہل عرب اپنی عادت کے مطابق سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے آپ نے اسی سامان کو ٹھیک کیا اور اپنے رفقار اور اہل و عیال کے ساتھ ساری رات خدا کی عبادت اور دعا کرتے گزار دی صبح نماز فجر کے بعد دشمن نے مقابلے کا اعلان کر دیا آپ نے بھی آپسے جاں



ناروں اور مجاہدوں کی صفیں ٹھیک کیں اس قافلے میں صرف بیس افراد سوار تھے اور باقی چالیس پیدل تھے اس طرح کل بہتر مجاہد تھے۔

حضرت امام نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک تقریر کی اور دشمن کو اس کے غلط اقدام سے روکنے کی پوری طرح کوشش کی لیکن عمرو ابن سعد نے جنگ شروع کرنے کا حکم دیا اور دشمن کی طرف سے تیرہ سنا شروع ہو گئے اور جنگ باقاعدہ شروع ہو گئی امام حسین کے جان نثار رفقاء اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن ایمان کے پختہ تھے لہذا ان چند مقدس بستیوں نے ہی دشمن کے عظیم لشکر کو تھوڑی ہی دیر میں تباہ کر ڈالا اور خود بھی اسلام کے محافظ بن کر دنیا سے ایسے رخصت ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے زندہ کھلانے لگے کیونکہ شہید کو مردہ نہ کہا جاسکتا ہے اور نہ خیال کیا جاسکتا ہے ان شہداء خاص طور پر قابل ذکر حضرات کے نام یہ ہیں۔

حضرت بریر رضی اللہ عنہ، حضرت و سب ابن عبد اللہ کلبی رضی اللہ عنہ، عمرو ابن خالد رضی اللہ عنہ، مسلم ابن عوسجہ، خوں ابن ریاحی، حضرت عبد اللہ ابن امام حسن، قائم ابن امام حسن، حضرت عباس علمدار، علی اکبر رضی اللہ عنہم۔

ان تمام جان نثاروں کے بعد بالآخر وہ وقت آگیا کہ خیمے میں خود تیس بچے اور بیچارہ زین العابدین ہیں اور دشمن کے مقابلے پر تنہا نواسہ رسول ہیں اب بظاہر کوئی ساتھی کوئی معاون و مددگار نظر نہیں آتا آپ نے خود دشمن کے مقابلے کے لئے فیصلہ کیا اور صبر و استقامت اور شریعت کی پابندی کی نصیحت کرنے ایک مرتبہ خیمے میں تشریف لائے سب سے ملے اور آخری دعائیں دے کر اور نہ صرف خیمے سے بلکہ دنیا سے رخصت ہونے کے لئے چلے لیکن چلتے چلتے بہن نے کہا معلوم نہیں آپ کے بعد ہم پر کیا مصیبتیں آئیں آپ خود ایک مصیبت تو کم کرتے جائیے اور وہ یہ کہ آپ کے صاحبزادے علی اصغر پیاسے بلک رہے ہیں ان کو دشمن کے سامنے پیش کر کے پانی کے چند قطرے ان کے منہ میں ڈلوادیں جیسے حضرت امام نے بہن کی خواہش پوری کرنے کے



یہ نھنے علی اصغر کو گود میں لیا اور دشمن سے کہا تمہاری دشمنی مجھ سے ہے، اس بچے نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا دیرانے فرات کے پانی کے چند قطرے، اس کو تو دے دو لیکن جواب میں ایک ایسا تیرا یا جو شیر خوار پیا سے علی اصغر کی گردن میں لگتا ہوا حضرت امام کے ہاتھ میں لگ گیا آپ نے تیرنکا لالہ علی اصغر کے حلق سے خون جاری ہو گیا اور یہ پیا سا ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا واپس آ کر بچہ بہن کو دیا اور کہا صبر کرو میرے پیارے علی اصغر کو دشمن نے تو پانی نہ دیا لیکن نانا جان نے توفیق کو تھ سے سیراب کر دیا آپ نے اس مصیبت کو بھی برداشت کیا اور اب میدان جنگ کی طرف چلے۔

حضرت امام حسین نے میدان میں آکر بھی سمجھانے کی کوشش کی لیکن دشمن نے کچھ سوچنے کی بجائے آپ پر تیر برسوں کے شروع کر دیئے مجبوراً حضرت امام کو بھی تلوار نکالنا پڑی شیر خدا حضرت علی کا شیر جس طرف رخ کرنا دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے دشمن یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور آخر کار آپ پر چاروں طرف سے تیر برسوں کے آپ کے مقدس جسم پر تینتیس نشان تیروں کے اور پچیس زخم تلواروں کے آئے جس سے آپ نہ حال ہو کر زمین پر تشریف لائے خدا کے دربار میں سجدہ شکر ادا کیا اور جام شہادت نوش فرما کر اپنے نانا جان سے جا ملے،

انا لله وانا الیہ راجعون

خولی ابن یزید نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹنا چاہا لیکن اس کا ہاتھ کاٹنے لگا پھر ایک دوسرے شخص سنان نے آپ کے سر مبارک کو تن سے جدا کیا یہ محرم کی ۱۰ تاریخ ۱۰ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کا ہولناک ترین دن تھا اس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی اس جنگ میں آپ کے ساتھ بہتر مجاہد شہید ہوئے جن میں سے اٹھارہ خاندان نبوت کے پھول تھے۔

اللہ تعالیٰ امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا کی طرح ہمیں اور تمام مسلمانوں کو بھی دین کی پابندی اور اسلام کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور ان حضرات کے صدقے میں ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے آمین







## حضرت مسلم ابن عقیل اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت



حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے جب کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلانے کے لئے خط بھیجے اور اپنا قاصد بھی بھیجا تو آپ نے مکے والوں کے مشورے کے مطابق منہ کوڑ جانے سے پہلے حضرت مسلم ابن عقیل کو اپنا نائب بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا حضرت مسلم نے اس فیصلے کو بخوشی قبول کیا اور جانے کے لئے تیار ہو گئے حضرت امام حسین نے ان کو اہل کوفہ کے لئے ایک خط دیا جس میں لکھا ”کہ میرے نائب مسلم ابن عقیل آ رہے ہیں جو لوگ مجھے اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں جب مسلم مجھے حالات کی خبر دیں گے تو حالات کے مطابق فیصلہ کروں گا“

حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر مکے سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے اور ساتھ اپنے دو بچوں کو بھی لے لیا آپ کو نے پہنچے تو وہاں کے لوگ بے حد خوش ہوئے اس وقت کوفے میں یزید کے مقرر کیئے ہوئے گورنر حضرت نعمان ابن بشیر تھے جو بہت نیک اور حضرت امام حسین کا بڑا ہی احترام کرتے تھے جب حضرت مسلم نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے پوری طرح حضرت مسلم کو اپنی مدد کا یقین دلایا حضرت مسلم نے کوفہ کے لوگوں سے حضرت امام حسین کے لئے بیعت لینا شروع کر دی چند ہی دن میں تقریباً اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے بیعت کی کوفے کی جامع مسجد میں حضرت



مسلم ہی نماز جمعہ اور پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے تھے جو حضرت مسلم نے یہ اندازہ کر لیا کہ یہاں کے حالات بہت اچھے ہیں تو آپ نے ایک شخص کو مکے حضرت امام حسین کے پاس روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ آپ جلد تشریف لے آئیں یہاں کے اکثر لوگ آپ کو حاکم مان چکے ہیں اور اب بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ کوفے کے ایک شخص مسلم بن یزید نے دمشق یزید کو خبر بھیجی کہ کوفے پر مسلم بن عقیل کا قبضہ ہو چکا ہے اور چند دن بعد حضرت امام حسین یہاں آکر حاکم بن جابئیں گے اس طرح کوفہ تمہاری حکومت سے نکل جائے گا یزید اس خبر سے بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورے کے بعد بصرہ کے حاکم عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ بھیجنے کا فیصلہ کیا اور عبید اللہ کو حکم دیا کہ کوفہ پہنچ کر وہاں کے حالات ٹھیک کر دو وہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو علیحدہ کر دو اور مسلم ابن عقیل کو کوفہ سے نکال دیا جائے یا قتل کر دیا جائے عبید اللہ ابن زیاد بہت ہی ظالم انسان تھا اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو سال تک ترکوں زبردست جنگ کی تھی حالانکہ اُس وقت اس کی عمر صرف پچیس سال کی تھی اس نے یزید کا حکم ملتے ہی کوفے کا رخ کیا جب اس کو تپہ چلا کہ کوفے کے لوگ روزانہ شام کو شہر سے باہر آکر حضرت امام حسین کا انتظار کرتے ہیں تو اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے حضرت امام حسین جیسا لباس پہن لیا اور اپنے چہرے پر ایک کپڑا ڈال لیا جب یہ شہر کے قریب پہنچا اور لوگوں کو تپہ چلا تو لوگ یہ سمجھ کر کہ حضرت امام حسین آگئے بہت خوش ہوئے، لیکن یہ کسی سے بات کیے بغیر سیدھا دارالامارہ (گورنر ہاؤس) کی طرف گیا لوگوں کو تعجب تھا کہ امام حسین کو ہم نے اتنی محبت سے بلایا اور یہ ہم سے کوئی بات تک نہیں کرتے اب عبید اللہ دارالامارہ میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ ایک بزرگ عمر باہلی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور پیچ پڑے اسے لوگو یہ حسین نہیں یہ تو عبید اللہ ابن زیاد ظالم ہے عبید اللہ یہ سنتے ہی تیزی سے دارالامارہ



میں داخل ہو گیا اور اس نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا اپنی تدبیروں اور سختی، دھمکیوں سے پورے شہر پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ وہ کوئی جو مسلم ابن عقیل پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے گھروں میں گھس گئے اور مسلم تنہا رہ گئے کوئی کی گلیوں میں آپ اپنے رہنے کے لئے جگہ تلاش کرتے تھے لیکن کوئی ان کو رکھنے کے لئے تیار نہ تھا یہاں تک کہ کوئی ایک معزز شخص ہانی بن عمرو کے مکان پر پہنچے یہ بزرگ بہت نیک دل تھے انہوں نے مسلم کو دیکھتے ہی اپنے گھر میں بلا لیا تمام حالات معلوم کرنے کے بعد مشورہ دیا کہ ”میں آج کل بیمار ہوں اور عبید اللہ ابن زیاد میرا اچھا دوست ہے جب اس کو میری بیماری کی اطلاع ہوگی تو وہ مجھے دیکھنے فرود آئے گا جب وہ مجھے دیکھنے آئے اور مجھ سے باتیں کر رہا ہو تو آپ پیچھے سے اس پر ایک دم حملہ کر دیں تو آنے والی تمام مصیبتیں یہیں ختم ہو جائیں گی۔“

ہانی ابن عمرو کے خیال کے مطابق عبید اللہ ہانی کے گھر پر آیا اور مسلم اپنا کام کرنے کے لئے تیار ہو گئے عبید اللہ بہت دیر تک ہانی سے باتیں کرتا رہا جب مسلم نے اپنا کام نہ کیا تو ہانی نے مسلم کو اشارے کیے لیکن وہ پھر بھی حملہ کرنے نہ آئے یہاں تک کہ عبید اللہ واپس چلا گیا ہانی نے مسلم سے کہا آپ نے اتنا اچھا موقع کیوں چھوڑ دیا مجھے بہت افسوس ہے حضرت مسلم نے کہا میں نے یہ موقع جان کر نہ چھوڑا بلکہ میں نے جب بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے روکا گیا اور یہ آواز سنائی دی کہ مسلم ابھی ایسا مت کرو عبید اللہ ابن زیاد کی بد عملی ابھی پوری نہیں ہوئی ہانی ابن عمرو نے یہ بات سن کر کہا تو ہمیں اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا چاہئے وہی ہوگا جو اس کی مرضی ہے اب آپ آرام سے یہاں رہیں میری زندگی میں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

ادھر عبید اللہ ابن زیاد نے حضرت مسلم ابن عقیل کی تلاش شروع کرادی مشورہ جاسوس معقل کو بڑے انعام کا لالچ دے کر اس کام کے لئے مقرر کیا گیا معقل جو بہت چالاک جاسوس تھا اس نے مکہ والوں کا سالباں پہنا اور کوفہ کی ہر مسجد میں جا کر نماز پڑھنا شروع کی اور نمازیوں سے حضرت مسلم کا پتہ معلوم کرنے لگا



ایک دن یہ اس مسجد میں پہنچا جو ہانی ابن عمروہ کے مکان کے قریب تھی یہاں اس کی ملاقات حضرت مسلم ابن عوسجہ سے ہوئی اس نے ان سے کہا کہ میں مکے سے آیا ہوں اور حضرت مسلم ابن عقیل کو تلاش کر رہا ہوں تاکہ کسی طرح ان کو کوفہ سے نکال کر لے جاؤں اور ان کی جان بچ جائے اگر آپ کو ان کا پتہ ہے تو بتا دیجئے پہلے تو مسلم ابن عوسجہ نے پتہ بتانے سے انکار کیا لیکن یہ خیال کر کے کہ اس میں حضرت مسلم ابن عقیل کا فائدہ ہوگا پتہ بتا دیا یہ معقل کو اپنے ساتھ لے کر ہانی ابن عمروہ کے مکان پر آگئے اور یہاں مسلم ابن عقیل سے ملاقات کرادی معقل نے حفرة مسلم کو کچھ دولت دی اور کہا کہ آپ میرا انتظار کریں میں آپ کو یہاں سے نکال کر مکے لے جانے کا انتظام کرتا ہوں معقل یہاں سے اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہوا سیدھا عبید اللہ کے پاس پہنچا اور بتا دیا کہ مسلم ہانی ابن عمروہ کے گھر ہیں عبید اللہ ابن زیاد یہ خبر سن کر سخت غصے میں آگیا اور ہانی ابن عمروہ کو اپنے دربار میں طلب کیا ہانی کو عبید اللہ کا پیغام پہنچا تو وہ سمجھ گئے کہ کچھ معاملہ خراب ہے حضرت مسلم سے رخصت ہو کر عبید اللہ کے دربار میں پہنچے عبید اللہ ان پر سخت ناراض ہوا اور ان سے مطالبہ کیا کہ مسلم ابن عقیل کو فوراً میرے سپرد کر دو لیکن ہانی نے انکار کر دیا گفتگو ہوتے ہوتے ہی تلواریں بھی نکل آئیں ہانی زخمی ہوئے لیکن انہوں نے عبید اللہ ابن زیاد کو زخمی کیا اور انعام کی آرزو رکھنے والے معقل کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا آپ نے عبید اللہ کے اور کئی افراد کو قتل کیا لیکن آخر کار آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔

اس وقت آپ کی عمر ۸۹ سال کی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۛ

حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کو جب ہانی ابن عمروہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو بیحد صدمہ ہوا اور آپ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ یہاں سے چل دیئے ایک نیک دل عورت نے آپ کو اپنے گھر میں پناہ دی لیکن اس عورت کا بیٹا عبید اللہ ابن زیاد کا درباری تھا اس نے عبید اللہ کو خبر کی اور مسلم کی گرفتاری کے لئے فوج کا ایک بڑا لشکر آگیا حضرت مسلم اس وقت فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے جب آپ نے لشکر آنے کی آوازیں سنیں تو آپ بھی مجبوراً میدان میں نکلے اور



فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ بچوں کے بیٹے آپ نے اس عورت کو نصیحت کی کہ کسی طرح ان دونوں کو قاضی شریح کے پاس پہنچا دینا وہ ان دونوں کو مکے بھیجنے کا انتظام کریں گے حضرت مسلم عبید اللہ ابن زیاد کی فوج کا مقابلہ کرتے رہے بڑی مشکل سے آپ کو قابو کیا گیا اور گرفتار کر کے عبید اللہ کے پاس لایا گیا یہاں عبید اللہ نے آپ سے بڑی بیہودہ باتیں کیں اور بہت ڈرا یا لیکن آپ نے اس ظالم کے سامنے حتیٰ یا ت کو ذرا بھی نہ چھپایا آخر کار عبید اللہ نے جلاد کو حکم دیا کہ انہیں محل کی چھت پر لے جاؤ اور نیچے پھینکو حضرت مسلم اسلام کے لیے اپنی جان پیش کرنے جا رہے تھے اور فکر صرف یہ تھی کہ حضرت امام حسین اگر کو فر پہنچ گئے تو ان کو بھی سخت مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا لیکن اس بات پر خدا کا شکر بھی ادا کر رہے تھے کہ نواسہ رسول کے نائب کی حیثیت سے شہید کیے جا رہے ہیں جلاد نے حضرت مسلم کو اوپر سے گرایا آپ نیچے گرنے سخت چوٹیں اسیں سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بظاہر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد عبید اللہ ابن زیاد نے ان کی گردن کاٹنے کا حکم دیا اس کام کے لیے ایک شخص بکیر ابن عمر آگے بڑھا لیکن فوراً ہی جھینٹا ہو بیٹھے بٹ گیا اس نے بتایا کہ مسلم کی لاش کے پاس ایک بہت ڈراؤنی شکل کا انسان مجھے نظر آیا جو سخت غصے میں تھا اور اپنے ہاتھ کی انگلیاں اپنے دانتوں سے دبائے ہوئے تھا اس کے بعد عبید اللہ نے ایک دوسرے شخص کو بھیجا جس نے حضرت مسلم کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ بھی فوراً بھاگ گیا اس نے بتایا کہ میں نے مسلم کی لاش کے پاس نبی کریم علیہ السلام کو کھڑے دیکھا تو میری ہمت نہ ہوئی کہ میں مسلم کی گردن کاٹوں آخر کار اس کام کو ایک بد نصیب شامی شخص کے سپرد کیا گیا اس نے حضرت مسلم کے سر کو جسم سے جدا کیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل کے صاحبزادے قاضی شریح کے پاس تھے جب قاضی شریح کو مسلم کی شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے محبت سے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھا انہیں پیار کیا اور رونے لگے بچے سمجھ گئے کہ ہم یتیم ہو گئے تو وہ



بھی رونے لگے اور کہنے لگے اب شہر میں ہمارا کوئی نہیں ہم کیا کریں گے قاضی شریح نے ان کو محبت سے رکھا چند دن بعد تپہ چلا کہ ایک قافلہ کونے سے گذر رہا ہوا کے جاہ ہا ہے قاضی شریح نے اپنے لڑکے سے کہا ان بچوں کو لے جاؤ اور قافلے کے سردار کے سپرد کر دینا اور کہنا کہ انہیں حضرت ایام حسین کے سپرد کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ حضرت مسلم شہید ہو گئے ہیں اور کونے کی حالت خراب ہے لہذا وہ یہاں تشریف نہ لائیں قاضی شریح کا لڑکا جب ان بچوں کو لے کر راستے پر پہنچا تو قافلہ نکل چکا تھا اس نے بچوں سے کہا کہ تم قافلے کے نشان دیکھتے ہوئے جلدی سے آگے چلے جاؤ اور قافلے میں شامل ہو جاؤ ان بچوں نے ہر چند قافلے سے ملنے کی کوشش کی لیکن نمل سکے یہ پریشان مارے مارے پھری رہے تھے کہ گھوڑوں پر سوار عبید اللہ ابن زیاد کے سپاہی یہاں پہنچے اور ان دونوں کو دھوکہ دے کر انہوں نے ان کو اپنے ساتھ بٹھایا اور سیدھا عبید اللہ کے دربار میں لے جا کر حاضر کر دیا عبید اللہ نے ان دونوں کو جیل بھیجنے کا حکم دیا بڑے صاحبزادے ابراہیم کی عمر آٹھ سال اور چھوٹے کی عمر صرف سات سال کی تھی دونوں قیام جیل پہنچ گئے۔

لیکن اتفاق سے جیل کا انچارج جس کا نام مشکور تھا بہت نیک تھا مشکور نے ان بچوں کی مصیبت کا حال معلوم کر کے جیل کے بجائے اپنے گھر رکھا ان کی خدمت کی اور ایک دن دونوں کو اپنے ساتھ لے جا کر کونے سے دور چھوڑ دیا اور اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ یہاں سے قریب ایک جگہ ہے جس کا نام قادسیہ ہے وہاں کا حاکم میرا بھائی ہے تم میری انگوٹھی دکھا کر اسے کہنا ہمیں ملے جانا ہے وہ تمہارا سب انتظام کر دے گا بچے چلے لیکن راستہ بھول گئے اور کونے ہی کے میدان میں پھرتے رہے پیروں میں چھالے پڑ گئے بھوک و پیاس کی وجہ سے جسم نڈھال ہو گیا ایک جگہ پانی نظر آیا وہاں جا کر پانی پیامتا ہاتھ دھویا اور کچھ آرام کے لئے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے تھوڑی ہی دیر میں ایک نوجوان لڑکی یہاں پانی لینے پہنچی اس کی نظر ان پریشان حال نوجوانوں پر



بڑی وہ ان کے قریب آئی تو یہ ڈرنے لگے لیکن اس نے بڑی ہی محبت سے ان کا حال معلوم کیا اور ان کو اپنے گھر لے جانے پر تیار کر لیا بچے جس گھر پہنچے اس گھر کی مالکہ بڑی نیک تھی اس نے صاحبزادوں کو نہلایا کھانا کھلایا اور آرام سے سلا دیا لیکن اس کا شوہر حادثہ ان بچوں کی تلاش کے لیے عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے مقرر تھا اور انعام کے لالچ میں کئی دن سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا ورنہ کے بعد گھر آیا عورت نے رات کو بچوں کو چھپا دیا شوہر سے پوچھا کہ تو کہاں تھا اس نے سب حال سنایا نیک بی بی نے کہا تو نے بہت برا کام اپنے ذمہ لیا ہے اس کی وجہ سے تو دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوگا اس نے بیوی کو ڈانٹا اور آرام کرنے لیٹ گیا۔

دونوں صاحبزادے بند کمرے میں دشمن ہی کے گھر سو رہے تھے کہ خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ دونوں سے فرما رہے ہیں اب تم جلد ہی ہم سے ملو گے یہ خواب دیکھتے ہی بڑے بھائی نے چھوٹے کو اٹھایا اور دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا خواب بیان کیا اور گلے مل کر رونے لگے کہ اب یقیناً ہم بھی شہید کر دیئے جائیں گے ان کی آواز حادثہ نے سنی کمرہ کھول کر دیکھا تو بیوی سے کہنے لگا میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں اور تو نے ان کو یہاں چھپا رکھا ہے اس نے بچوں کو مارنا شروع کیا اور کہا کہ میں ان دونوں کو دریا کے کنارے لے جا کر قتل کروں گا اور ان کے سر عبید اللہ ابن زیاد کو دے کر اپنا انعام وصول کروں گا یہ بچوں کو گھر سے مارتا ہوا دریا کے کنارے لایا بیوی نے اس کو روکا تو اس کو بھی مارا یہاں تک کہ یہ نیک بخت عورت بیہوش ہو کر گر پڑی حادثہ کے ایک بیٹے نے بھی اس کو اس ظلم سے روکنا چاہا لیکن دنیا کے لالچی نے اپنے بیٹے کو بھی قتل کر ڈالا اس کا ایک غلام آیا اور اس نے بھی حادثہ سے کہا کہ بچوں کو قتل نہ کر ان کو اسی طرح عبید اللہ کے پاس لے جا حادثہ نہ مانا جب غلام نے روکنا چاہا تو اس کو بھی قتل کر دیا اب ان دونوں بچوں کی طرف بڑھا یہ ننھے صاحبزادے اس کی خوشامد کرنے لگے رونے اور چیخنے لگے لیکن اس بد



نسیب نے ان دونوں کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پل  
 حادث نے ان ننھوں کو صرف دنیا کے لالچ میں شہید کیا لیکن اللہ تعالیٰ  
 ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ ضرور دیتا ہے اب ذرا سنیے کہ حادث کو کیسا انعام  
 ملا یہ اپنی کامیابی پر خوش ہوتا دونوں بچوں کے سرکاٹ کر عبید اللہ کے دربار میں  
 لایا اور کہا میں نے اپنا کام پورا کر دیا اب میرا انعام مجھے دے عبید اللہ نے کہا  
 یہ سرکس کے ہیں حادث بولا مسلم ابن عقیل کے دونوں بچوں کے عبید اللہ یہ سنتے  
 ہی تڑپ گیا اور بولا میں نے تو ان کو بچر کر لانے کا حکم دیا تھا شہید کرنے کو  
 کب کہا تھا اسے حادث یہ تو نے کیا غضب کیا اگر مزید نے مجھ سے بچوں کو مارا گا  
 تو میں کیا جواب دوں گا، حادث نے کہا تو میرا انعام نہ دینے کے لئے یہ باتیں  
 کہ رہا ہے عبید اللہ کو غصہ آیا اور اس نے وہاں موجود لوگوں سے کہا جس کا دل چاہے  
 حادث کو یہاں سے لے جائے اور مسلم کے بچوں کو شہید کرنے کے بدلے  
 میں اس کو جس طرح چاہے قتل کر ڈالے یہاں حضرت مقاتل موجود تھے انہوں  
 نے حادث کو لے لیا اور کوفہ میں اعلان کیا کہ صاحبزادگان مسلم کے قاتل کا  
 انجام جس کو دیکھنا ہو وہ دریا کے کنارے پہنچ جائے مقاتل حادث کو اسی جگہ  
 لے کر پہنچے جہاں اس نے دونوں بچوں کو شہید کیا تھا مقاتل نے یہاں اس  
 کی بیوی کو تڑپتے اور لڑکے اور غلام کی لاش پڑی دیکھی تو اور بھی غصے ہوئے  
 آپ نے حکم دیا کہ حادث کو لٹا کر اس کے ہاتھ پیروں میں کیلیں ٹھوکی جائیں۔  
 حادث نے مقاتل کو دولت کا لالچ دیا رجم کی درخواست کی لیکن انہوں نے  
 ایک سنی حادث کے ہاتھ پیر کاٹے گئے جسم کے ایک ایک حصے کو علیحدہ کر کے  
 سخت تکلیف کے ساتھ مارا گیا اور گڑھے میں دفن کر دیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے بچوں کی شہادت کا یہ  
 دردناک واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دین کی پابندی کرنے والوں پر ظلم و ستم ہوتے ہیں  
 لیکن ان منظالم کو برداشت کرنا ہی مسلمان کی کامیابی و کامرانی ہے سرکا  
 پھل ہمیشہ اچھا ہوتا ہے اور ظلم کا انجام بُرا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان بزرگوں کی  
 برکتیں عطا فرمائے آمین



# کربلا کے چہرہ شہداء

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُمْ أَمواتا

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے، انہیں مردہ گمان نہ کرو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعے کے علاوہ میدان کربلا میں شہید ہونے والے ہر محافظِ اسلام کی شہادت کا حال بڑا ہی درد ناک اور سبق آموز ہے لیکن یہاں چند شہداء کا حال بیان کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان حضرات کی طرح دین کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوباب ابن عبد اللہ کلبی یہ کوفے کے قریب ہی ایک دیہات کے رہنے والے تھے ایک دن شام کو گھر پہنچے تو ان کی نیک نخت ماں قمر بہت پریشان حال بیٹھی تھیں وہ سب ماں کی حالت دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور پریشانی کی وجہ معلوم کرنے لگے ماں نے کہا بیٹا میں نے سنا ہے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والے کربلا کے میدان میں بھوکے پیاسے لڑ رہے ہیں اور یزید کا لشکر ان پر ظلم کر رہا ہے اگر ہم ان کی کوئی مدد نہ کر سکیں تو ہماری زندگی پر افسوس ہے اور قیامت میں ہم نبی کریم علیہ السلام کی شفاعت کیسے پائیں گے وہب نے کہا کہ یہ حال میں نے بھی سنا ہے لیکن ہم ان کی مدد کیسے کریں ماں نے کہا بیٹا میں چاہتی ہوں کہ اپنے ساتھ تجھے لے کر چلوں اور امام کی خدمت



میں پیش کروں اور اگر ضرورت ہو تو تم سرفرت امام حسین پر اپنی جان قربان کر دینا میں نے تجھے بڑی مصیبتوں سے پالا ہے لیکن آج میں ہمیشہ کی کامیابی اسی میں جانتی ہوں کہ تیرے پیارے حسین پھرے کو خون میں لٹھڑا دیکھوں حضرت وہب نے ماں کو جواب دیا میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن ذرا بیوی سے بھی بات کر لوں کیونکہ ابھی چند دن پہلے ہی آپ نے میری شادی کی ہے اور اس نوجوان لڑکی کا میرے سوا کوئی سہارا نہیں ماں نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوی کی محبت تجھے آخرت کی کامیابی سے محروم کر دے حضرت وہب نے کہا میں شہادت کا بلند مقام حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلے سے کوئی نہیں روک سکتا حضرت وہب بیوی کے پاس پہنچے سارا حال سنایا اور کہا میں خدمت امام کے لیے جا رہا ہوں اور تجھے آزاد کرتا ہوں میرے بعد جس کے ساتھ چاہو زندگی گزارنا بیوی نے وہب کو پکڑ کر کہا نہیں تمہارا فیصلہ غلط ہے میں تمہیں اس شرط پر میدان میں جانے کو اجازت دیتی ہوں کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو تاکہ میں خود اپنے شوہر کو امام کی خدمت میں پیش کروں اور امام سے اپنی باقی زندگی ان کے گھر والوں کے ساتھ رہ کر گزارنے کی اجازت مانگوں اور ہاں مجھ سے یہ بھی وعدہ کرو کہ میرے بغیر تم جنت میں داخل نہ ہو گے حضرت وہب اپنی اس نیک نیت بیوی اور ماں کے ساتھ میدان کر بلا پہنچے

ماں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹے کو اور بیوی نے شوہر کو پیش کر کے قبول کرنے کی گزارش کی اور اجازت چاہی کہ ہم دونوں آپ کے گھر والوں کی خدمت کر کے اپنی زندگی گزاریں حضرت امام نے ان نیک نیت عورتوں کا تحفہ بھی قبول کیا اور ان کو گھر والوں کے ساتھ رہنے کی اجازت بھی دی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اس تحفے کے بدلے ہم تم دونوں کو جنت دلوائیں گے۔

حضرت وہب نے میدان کا حال دیکھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام



سے دشمن کے مقابلے میں جانے کی اجازت چاہی اجازت ملتے ہی دشمن پر لپکے اور کامیاب حملوں سے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا میدان سے واپس ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا ماں کیا تم اپنے بیٹے سے راضی ہو ماں نے جواب دیا راضی ہوں لیکن جاؤ اور نواسہ رسول پر اپنی جان قربان کر دیوی کے پاس آئے اور صبر کی تلقین کی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کیا آپ نے مجھے قبول فرمایا ہے جواب ملا ہم نے تمہیں قبول کیا اور اللہ اور اس کا رسول تم سے راضی ہیں آپ یہ خوشخبری سنتے ہی پھر پورے جوش کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر آئے دشمنوں نے موقع پا کر آپ کو گھیر لیا اور بالآخر آپ کا سرتن سے جدا کر دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام آگے بڑھے اور وہب کا سر اٹھا کر ان کی ماں کے پاس لائے اور کہا کہ تمہاری یہ قربانی قبول ہو گئی ماں نے صبر کیا بیوی نے اس سر کو گود میں رکھا چوما اور ایک چیخ مار کر اپنے شوہر پر قربان ہو گئی۔

میدان کربلا کے ایک مشہور شہید حضرت محمد بن ریاحی ہیں یہ اسی لشکر کے سردار تھے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں آنے پر مجبور کیا تھا انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے ملازم کی حیثیت سے انعام کے لالچ میں عبید اللہ کے حکم کو مانا تھا لیکن انہیں یہ خیال نہ تھا کہ نواسہ رسول پر کربلا میں اس قدر ظلم ہو گا جب میدان کربلا میں جنگ شروع ہوئی تو ان سے یہ حال نہ دیکھا گیا اور یہ عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے نکل کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے حضرت امام حسین سے معافی مانگی اور جان قربان کرنے کی اجازت چاہی حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کو قبول کیا اور میدان میں جانے کی اجازت دی کوفے کے اس مشہور بہادر کو میدان میں دیکھ کر عبید اللہ کا لشکر کانپ اٹھا لشکر کے سردار عمرو بن سعد نے ان کے مقابلہ کرنے کے لئے ایک مشہور پہلوان صفوان بن حنظلہ کو بھیجا اور کہا کہ پہلے حُر کو سمجھا کر لانے کی



کوشش کرو اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کا مقابلہ کر کے سرکاٹ لاؤ۔  
صفوان مقابلے میں آیا اور کہنے لگا تم بہت سمجھدار انسان ہو بڑے  
بہادر ہو آخر تم نے کیا سوچ کر حسین کا ساتھ دیا اور اس طرح نبرد جیسے  
بادشاہ اور ابن زیاد جیسے حاکم کو پھوٹا دیا اور تہ بردست العام سے محروم  
ہو گئے اب بھی غور کرو اور ہمارے ساتھ آکر مل جاؤ تمہیں اور زائد اپنی  
مرتبہ اور العام ملے گا حضرت نے صفوان کو جواب دیتے ہوئے کہا اے  
بد نصیب دنیا کا اور دنیا مرتبہ اور دولت کچھ نہیں میں نے عقل سے کام لیا ہے  
مجھے پتہ ہے کہ حضرت حسین پر جان قربان کر کے مجھے دنیا کی عزت اور آخرت  
میں نجات سب کچھ ملے گا مجھے تیرے فیصلے پر افسوس ہے کہ تو مسلمان  
ہو کر نواسہ رسول کے خون کا پیا سا ہے اور دنیا کے لالچ میں اپنی آخرت  
کو برباد کر رہا ہے میں تجھے سمجھاتا ہوں کہ اب بھی توبہ کر لے اور میری  
طرح جنت کا حقدار بن جا لیکن صفوان نے آپ پر ایک دم حملہ کر دیا جس  
کے جواب میں حضرت نے اس کو فوراً ہی ہلاک کر دیا اب جو دشمن بھی  
مقابلے کے لیے آتا حضرت نے اس کو بڑی آسانی سے ہلاک کر دیتے جہاں  
تک کہ دشمن نے آپ پر چاروں طرف سے حملہ کرنا شروع کر دیا مقابلہ  
کرتے کرتے موقع پا کر حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور  
عرض کرنے لگے کہ کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا حضرت امام نے فرمایا  
میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ اور اس کا رسول تم سے راضی ہو گئے۔  
میں دیکھتا ہوں کہ نانا جان کو تیرا کاپانی لینے تمہارا انتظار کر رہے ہیں آپ  
دوبارہ پورے جوش کے ساتھ میدان میں آئے جس طرف رخ کرتے دشمن  
کا صفایا کرتے چلے جاتے تھے ہر طرف سے آپ پر بھی تیروں اور تلواروں  
کے وار ہو رہے تھے آخر کار دشمن نے آپ پر قابو پا کر گھوڑے سے گرا دیا  
حضرت امام دشمن کے گھیرے میں لاش کو اٹھا کر لائے حضرت نے کے  
پھرے کو صاف کیا آپ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ تیرے قربانی قبول فرما



حضرت حمزہ کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت کرنے والے میدان کربلا میں شہید ہو چکے تو صرف خاندان کے بائیس نوجوان باقی رہ گئے اور دشمن نے مقابلہ اور سخت کردیا ان خاندانی نوجوانوں میں سب سے پہلے مسلم بن عقیل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے حضرت امام سے میدان میں جانے کی اجازت مانگی حضرت امام نے فرمایا تمہارے باپ اور دو چھوٹے بھائی پہلے ہی شہید ہو چکے ہیں اب میں تمہیں میدان جنگ میں بھیجنا نہیں چاہتا لیکن حضرت عبداللہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے شہادت کے بلند مقام سے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دشمن آپ پر حملہ کریں اور میں بیٹھا دیکھتا رہوں حضرت امام نے آپ کو اجازت دی ہاشمی خاندان کا پہلا نوجوان تھا جو میدان میں آیا ان کو دیکھ کر دشمن پریشان ہوئے حضرت عبداللہ نے شکر کے سردار ابن سعد سے کہا کہ میں تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں لیکن ابن سعد نے قدامہ ابن سعد کو مقابلہ کے لئے بھیجا حضرت عبداللہ نے اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس کو گرا دیا اپنا گھوڑا اپنے قافلے کی طرف پھوڑ دیا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے دشمن نے جب آپ کی بہادری کا اندازہ لگایا تو اور بھی گھبرائے لیکن پھر آپ کو چاروں طرف سے گھیرنے اور حملہ کرنے کا فیصلہ کیا حضرت عبداللہ چاروں طرف دشمن کا مقابلہ کرتے رہے آپ کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے تقریباً بیس مشورہ بہادروں کو آپ نے ختم کیا۔ اور آخر کار جام شہادت نوش کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے چند خاندانی نوجوانوں کی شہادت کے بعد خود میدان میں جانے کا ارادہ کیا لیکن حضرت امام حسن کے صاحبزادے حضرت عبداللہ آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے چچا جان یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم جوانوں کے ہوتے ہوئے آپ دشمن کے سامنے جائیں آپ پر جانیں



قربان کرنا ہماری ذمہ داری ہے آپ مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیں  
حضرت امام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ دشمن کا مقابلہ کر کے اس معاملے  
کو ختم کر دوں اگر میں شہید ہو جاؤں تو تم لوگ پرج جاؤ گے کیونکہ اصل میں دشمن  
میرے خون کے پیاسے ہیں تم واپس ملے چلے جانا اور اپنی زندگی سکون  
سے گزارنا لیکن صاحبزادہ امام حسن نے جواب دیا سکون آپ کے بعد زندہ  
رہنے میں نہیں بلکہ اُسے پہلے شہادت پانے میں ملے گا۔

حضرت امام نے آپ کو اجازت دی آپ نے ایک دم سردار  
شکر ابن سعد پر حملہ کر کے اس کو ختم کرنا چاہا لیکن وہ بھاگ کر پرج گیا صاحبزادہ  
حسن کو میدان میں دیکھ کر دشمن ایک دوسرے کو آگے بڑھانے کی کوشش  
کرنے لگے کسی کی خود مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی آخر کار پانچ سو سواروں  
نے ایک دم آپ پر حملہ کیا آپ نے بہادری کے جوہر دکھائے دشمنوں  
کا صفیا شروع کیا بڑے بڑے مشہور بہادر اس نوجوان کا شکار ہو گئے  
یہ حالت دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے دشمنوں نے مقابلہ روک دیا لیکن  
صاحبزادہ حسن نے خود دشمن پر لپک کر حملہ کیا اور دشمن کو پیچھے دھکیلتے  
چلے گئے اب آپ کا جسم بھی زخموں کی دجر سے کافی تڑپا تھا اس  
حالت میں پیچھے سے آپ پر حملہ کر کے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا گیا اور  
نبی کریم علیہ السلام کے خاندان کا ایک بیٹا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انا  
لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے بعد ان  
کے بھائی حضرت قاسم میدان میں آئے ابو بکر بن علی عمر بن علی عثمان  
ابن علی، عون ابن علی حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے سب ہی  
میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھا کر اسلام کی حفاظت اور حق کی حمایت کا  
سبق دیتے اور دنیا سے رخصت ہوتے گئے یہاں تک کہ اب اس بھر  
خاندان اور کھلتے ہوئے باغ میں عورتوں کے علاوہ صرف علی اکبر بیمار



زین العابدین اور دودھ پیتے نہتے علی اصغر رہ گئے تھے حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ان صاحبزادوں کو خاندان کا وارث بنا کر خود جام شہادت نوش کرنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن ابھی امتحان مکمل نہیں ہوا تھا اور بچوں کی لاشوں پر بھی صبر کرنا باقی تھا لہذا حضرت علی اکبر نے میدان میں جانے کی اجازت مانگی باپ نے اٹھارہ سالہ نوجوان بیٹے کے چہرے پر محبت بھری نظر ڈالی اور کہا اچھا جاؤ ہم تمہیں بھی خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر صبر کریں گے حضرت علی اکبر کی شکل بالکل نبی کریم علیہ السلام کی سی تھی حضرت امام حسین نے اس شبیر رسول کے سر پر اپنے ہاتھ سے بگڑی باندھی حیدری تلوار کمر میں لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں دیا اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت علی اکبر میدان میں پہنچے تو تھوڑی دیر کے لیے سناٹا ہو گیا آپ دشمن کو لٹکارتے رہے لیکن کسی کی مقابلے پر آنے کی ہمت نہ ہوئی آخر کار آپ خود آگے بڑھے اور کہا یا تو میدان چھوڑ دو اور ہمیں واپس مکے جانے دو ورنہ مقابلہ کرو لیکن دشمن نہ میدان چھوڑتا تھا اور نہ مقابلہ کرتا تھا علی اکبر نے خود حملہ کیا دشمنوں نے چھینا شروع کیا لیکن اس نوجوان نے ایسا مشہور سواروں کو ہلاک کیا آخر کار ہزاروں سواروں نے آپ کو گھیرا اور وار کئے ایسی حالت میں آپ حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے ابا جان پیاس بہت لگی ہے حضرت امام نے فرمایا میرے پاس پانی کا قطرہ بھی نہیں جو تمہیں دوں ہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ نانا جان تمہارے لئے حوض کوثر کا پانی لیے کھڑے ہیں باپ کا یہ جواب سن کر حضرت علی اکبر اور جوش میں آئے اور دشمن پر تیزی سے چلے آخر کار ابن نمیر کا ایک تیر آپ کے سینے پر اس زور سے لگا کہ پیٹھ تک پہنچ گیا جس سے آپ گھوڑے سے گئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے فوراً نظر کی لاش کو اٹھایا اور دعا کی کہ اے اللہ اس قربانی کو بھی قبول



فرما اور حضرت علی اکبر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ  
 راجعون ؎

جان نثاروں کے ان دردناک واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ  
 اسلام ایک ایسی دولت ہے جس پر مسلمان کو اپنی جان تک قربان کر  
 دینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے ہر زمانے میں اسلام کی حفاظت کے  
 لئے خون بہایا گیا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے  
 قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے!  
 اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

ہر مسلمان کو اسلام کی حفاظت کے لئے ہر وقت اپنی جان قربان  
 کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ اسلام کی حفاظت  
 کرتے ہوئے اگر جان جائے گی تو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوگی کیونکہ اللہ  
 تعالیٰ کا واضح اعلان ہے!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أحيَاءٌ وَلَكِنْ  
 لَا تَشْعُرُونَ اور اللہ کی راہ میں (دین کے لئے) قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو۔ وہ  
 زندہ ہیں۔ تمہیں ان کی زندگی احساس نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور شہادت  
 کا بلند مرتبہ نصیب فرمائے۔ آمین





## قاتلانِ حسین کا انجام

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ کے اس فیصلے کا اعلان ہے کہ ظلم کرنے والا اپنی ظاہری و مادی طاقت کے ذریعے کچھ دیر کے لئے فاتح اور کامیاب ہو کر خوش ہو جاتا ہے لیکن اس کو بہت جلد ظلم و ستم کی سزا بھگتنا پڑتی ہے، اس فیصلے کی بنیاد پر تاریخ سے ثابت ہے کہ نواسہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے رفقاء اور اہل بیت کو ام پرچین لوگوں نے ظلم و ستم اور انسانیت سونہرتا دیا، ان کا انجام نہایت ہی عبرت ناک ہوا چند ظالموں کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ہر ظلم کرنے والا عبرت حاصل کرے اور امام حسین علیہ السلام سے محبت رکھنے والوں کو قدرے سکون ہو۔

حادثہ جس نے حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کو انعام کے لالچ میں نہایت ہی بے دردی سے شہید کیا تھا وہ جب ان صاحبزادوں کے سر عبید اللہ ابن زیاد کے دربار میں لے کر پہنچا اور عبید اللہ کے سامنے اس نے سروں کو دکھتے ہوئے کہا کہ میں تیرے حکم کی تعمیل کر دی اب تو مجھے وہ انعام دے جس کا وعدہ کیا تھا بجائے انعام ملنے کے اس وقت حادثہ کا انجام یہ ہوا کہ عبید اللہ اس پر سخت ناراض ہوا کہ میں نے تجھے ان بچوں کو شہید کرنے کو نہیں بلکہ گرفتار کرنے کو کہا تھا اب اگر نیرید نے مجھ سے بچے طلب کئے تو میں کیا جواب دوں گا حادثہ نے عبید اللہ ابن زیاد سے سخت باتیں کیں عبید اللہ نے فوراً کہا حادثہ



کو جس کا دل چاہے دربار سے لے جائے اور جیسے چاہے قتل کر ڈالے  
یہاں ایک نیک دل بزرگ حضرت مقاتل موجود تھے انہوں نے حارث  
کو لیا اور حضرت مسلم ابن عقیل کے صاحبزادوں کے سر بھی ساتھ لیے  
اور اعلان کرایا کہ حارث کا انجام دیکھنے کے لیے کوفے کے لوگ جمع ہو  
جائیں آپ حارث کے ساتھ ایسی جگہ پہنچے جہاں اس نے بچوں کی جان  
لی تھی کوفے والے اس عبرت ناک منظر کو دیکھ رہے تھے کہ حضرت ،  
مقاتل نے حارث کے ہاتھ پیروں میں کیلیں ٹھکروا میں جسم کے ٹکڑے ،  
ٹکڑے اور جب حارث تڑپ تڑپ کر مر گیا تو اس کو ایک گڑھے  
میں دبا دیا۔

حارث کا یہ عبرت ناک انجام دردِ حقیقت عبید اللہ ابن زیاد کے لیے  
ایک تازیانہ تھا کہ جب دو بچوں کے قاتل کا یہ انجام ہوا تو اگر حضرت  
امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا گیا تو ان ظالموں کو کتنی سخت سزا ملے  
گی لیکن عبید اللہ تو حکومت و طاقت کے نشے میں تھا وہ یہ کب سوچ  
سکتا تھا کہ ظلم کی سزا اس کو بھی ملے گی۔

محکم ابن طفیل ، صفوان ، مقدمہ ، بختری یوسف یہ سب اور ان جیسے  
بہت بہادر عبید اللہ ابن زیاد کے لشکر میں شامل تھے جو حضرت امام  
حسین علیہ السلام کے مقابلے کے لیے دولت و حکومت کے لالچ میں  
آئے تھے۔ لیکن وہب ابن عبد اللہ کلبی ، خرا بن زید ریاحی ، عبید اللہ ابن مسلم ، علی  
اکبر اور ان جیسے جان نثاروں اور اسلام کے محافظوں نے میدانِ جنگ میں  
بھی ان ظالموں کے ٹکڑے کر ڈالے اور ان کے وہ تمام ارمان جو دلوں میں  
لیئے ہوئے میدانِ جنگ میں آئے تھے کچل گئے ان کے علاوہ لشکر کے سرداروں  
اور لیڈروں کو بچدلت و خواری نصیب ہوئی۔

جب امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہداء کے سر زید کے دربار میں  
پہنچے تو ہر ایک کو انعام کی توقع تھی بشیر ابن مالک نے حضرت امام کا مہر



یزید کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ میں نے تجھے خوش کرنے کے لیے اس دور کے سب سے بہترین افسان کا سر تیرا ہاتھ پیش کر دیا اب مجھے پورا پورا، انعام ملنا چاہیے لیکن یزید نے کہا کہ اگر تو ان کو سب سے بہتر جانتا ہے تو تو نے ان کو کیوں شہید کیا تو انعام کا مستحق نہیں بلکہ سزا دینے کے لائق ہے یزید نے فوراً جلا دیا کہ حکم دیا کہ گمراہی کے لئے بشر ابن مالک، اپنے کیے پر پکھتایا اور خدائی فیصلے کے مطابق ظالم کو سزا ملی جلا دئے ایک ہی دار میں بشر ابن مالک کی گمراہی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے یزید کا مقصد پورا نہیں ہوا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ امام حسین اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ اس کی عزت زائل ہو لیکن اب حضرت امام کی شہادت کے بعد لوگوں کی نظروں میں یزید اور بھی گمراہ اور اس کو عام طور پر ظالم کہا جانے لگا اس نے شہادت امام سے اپنی بیزاری اور لاعلمی ظاہر کرنے کے لیے وعدے کے مطابق کسی کو کوئی انعام نہ دیا بلکہ امام حسین کے بقیہ خاندان کی عزت اور احترام کرنے لگا اس طرح اس کی زندگی کا باقی حصہ نہایت ہی پریشانی اور کوفت میں گذرا اور بیع الاول ۳۳ھ میں نہایت ہی ذلت کی موت مرا۔ یزید کی موت کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مختلف طریقے سے لکھے گئے ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک دن اپنے دوست سرحون ابن منصور کے ساتھ شکار کو جا رہا تھا کہ ایک عیسائی پادری کے مکان کے سامنے گذرا پادری کی لڑکی جو نہایت حسین و خوبصورت تھی اپنے مکان کی چھت پر کھڑی تھی یزید کی اس پر نظر پڑی تو دیوانہ ہو گیا اور اس لڑکی کو حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا اور اپنے دل کا حال اپنے دوست سرحون کو بتایا لیکن سرحون خود اس لڑکی پر عاشق ہو چکا تھا اور اس کو اپنے لیے چاہتا تھا سرحون نے اس لڑکی سے تعلق قائم کر کے سارا حال بتایا اور کہا کہ یزید بہت ادا مزاج ہے اور حاکم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ



تجھے اپنی حکومت کے ذریعے حاصل کر لے لہذا تو اپنی حفاظت کا انتظام کر لڑکی بہت سمجھ دار تھی اس نے سرخون سے کہا ایک دن تم تیرے کو مجھ سے ملاقات کرنے کے بہانے یہاں لے کر آؤ سرخون نے بد کو لے کر لڑکی

کے گھر پہنچا لڑکی نے تیرے کو علیحدہ بلا کر کہا کہ میں تمہارے ساتھ تفریح کے لیے چلنا چاہتی ہوں لیکن تم اکیلے آکر مجھے لے جاؤ تیرے کا تو مقصد ہی یہی تھا دوسرے دن تیرے تنہا آگیا لڑکی بنا رہو کہ اس کے ساتھ ہو لی اب یہ دونوں شہر سے دور ایک پُر فضا مقام پر پہنچ گئے لڑکی نے اس سے محبت کی باتیں کیں تیرے شراب پیتا جا رہا تھا اور لڑکی سے آوارگی کی باتیں کر رہا تھا لیکن شراب و عشق کے نشے میں مست ہو کر اسے اپنے انجام کا کوئی خیال تک نہ آیا لڑکی نے جب اس کی بد مستی کا اندازہ لگا لیا تو بڑی تیزی سے اسی کی تلوار نکال کر اس پر پھر پور حملہ کیا پہلے ہی وار میں یہ بے قابو ہو گیا لڑکی اس کے سینے پر سوار ہو کر بولی ظالم تو نے اپنے نبی کے نواسے سے وفا نہیں کی تو میں اپنی زندگی تجھے کس امید پر سپرد کر سکتی ہوں آج تجھے اپنے ظلم کا بدلہ ملتا ہے لڑکی نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر ڈالے اور گھوڑے پر سوار ہو کر گھر پہنچ گئی یہاں کسی کو پتہ بھی نہ تھا کہ تیرے کہاں درباریوں نے تلاش شروع کر دی۔

سرخون نے خیال ظالم کیا کہ امیر المؤمنین شاید اس لڑکی کے ساتھ کہیں چلے گئے ہوں گے گھر آ کر دیکھا تو لڑکی موجود ہے اس سے امیر المؤمنین (بندہ) کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں درباریوں نے تلاش شروع کی شہر سے باہر نکل کر دیکھا تو ایک جگہ بہت سے مردار کھانے والے جانور چیل، کوسے اور کتے جمع ہیں خیال کیا کہ یہاں کوئی مردہ پڑا ہو کہ قریب آ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ تیرے کا آدنے سے زائد جسم جانوروں کی خوراک بن چکا ہے ان لوگوں نے شہر سے باہر اسی جگہ تیرے کو گڑھا کھود کر دفن کر دیا یہ ہوا اس ظالم کا انجام جس نے اپنی عزت



و حکومت کے لیے میدانِ کربلا میں خاندانِ نبوت پر ظلم کرانے۔  
 حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر سب سے  
 زائد ظلم عبید اللہ ابن زیاد نے کیا تھا اسی نے حضرت مسلم ابن عقیل رضی اللہ  
 عنہما ان کے صاحبزادوں اور ہانی ابن عمروہ کو شہید کرایا تھا، اسی  
 نے حضرت امام کے مقابلے کے لیے عمرو بن سعد کی قیادت میں ایک  
 زبردست لشکر میدانِ کربلا میں بھیجا اور عمرو بن سعد کو حکم دیا کہ ”حسین  
 اور ان کے اہل بیت کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچے دو اور ہر  
 طرح سے ان کو پریشان کر دو حضرت امام کی شہادت کے بعد جب  
 تمام سر عبید اللہ کے دربار میں پہنچے تو یہ ظالم ایک پھڑی لے کر بار بار حضرت  
 امام کے منہ پر مار رہا تھا دربار میں اس وقت حضرت زید ابن ارقم صحابی  
 بھی موجود تھے ان سے نہ رہا گیا انہوں نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر کہا لے  
 ظالم اس پھڑی کو ہٹالے قسم خدا کی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول  
 خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس چہرے کو بوسے دیا کرتے تھے اسی ظالم نے  
 امام حسین کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ”خدا کا شکر ہے جس نے  
 تمہیں ذلیل اور غارت کر کے تمہارے خاندان کو خوار کر دیا، حضرت زینب  
 نے ہمت کے ساتھ جواب دیا ”خدا کا شکر ہے جس نے اپنے نبی کے خاندان  
 میں ہمیں پیدا کیا اور ہمیشہ کے لیے پاک و صاف کر دیا“ عبید اللہ نے حضرت امام  
 کی شہادت کے بعد جامع مسجد کوفہ میں ایک بڑا جلسہ کیا اور اس میں کہا  
 ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے امیر المؤمنین زید اور اس کی جماعت کی مدد  
 فرمائی اور کذاب ابن کذاب حسین ابن علی (معاذ اللہ) اور اس کے ساتھیوں  
 کو غارت کیا اس کے علاوہ بھی اس نے ظلم و ستم میں کوئی کمی نہ کی لیکن ابھی  
 اس نے اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ اس کی ذلت و خواری کا دور  
 شروع ہوا۔

عمرو ابن سعد اور عبید اللہ ابن زیاد دونوں میں قتل حسین کے بارے میں



اختلاف ہونے لگا عبید اللہ ابن زیاد کے بھائی عثمان ابن زیاد نے کہا قتل  
 حسین سے تو یہ بہتر تھا کہ زیاد کا پورا خاندان ہمیشہ غلام بنا رہتا اس کی ماں مر جائے  
 نے کہا "اے ابن زیاد تو نے ابن رسول اللہ کو قتل کر دیا تجھے جہنم سے نکل  
 کر کبھی جنت نصیب نہ ہوگی" جب یزید کے دربار میں شہداء کے سر پہنچے  
 اور اس ظلم و ستم کی تفصیل سنی تو اپنے بے قصور ہونے کا اظہار کرتے ہوئے  
 کہا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا ابن سبیہ  
 (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین پر ظلم نہ ہونے  
 دیتا،"

اس طرح عبید اللہ ابن زیاد بھی یزید کی طرح دن بدن ذلیل و خوار  
 ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ یزید کی موت کے بعد ۶۴ھ میں مردان کے نمائندے  
 کی حیثیت سے موصل پر قبضہ کرنا چاہا تو کوفے سے مختار ثقفی نے اس کے  
 مقابلے کے لئے زہر دست فوج روانہ کی اس جنگ میں اس کے بہت  
 سے فوجی اور یہ خود مارا گیا مختار کی فوج کے سالار ابراہیم ابن اشتر نے حکم  
 دیا کہ عبید اللہ ابن زیاد کی لاش تلاش کی جائے فوجیوں نے کہا اتنی لاشوں  
 میں اس کو کیسے پہچانا جاسکتا ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس  
 کی ران میں ایک زخم ہے جس سے سخت بدبو آتی ہے۔

یہ زخم عبید اللہ ابن زیاد کے اس وقت ہوا تھا جب اس نے امام  
 حسین کے سر کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا تھا سر سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا۔ جو  
 بندوق کی گولی کی طرح عبید اللہ کی ران سے پار ہو کر زمین میں گھس گیا اس کے  
 اس زخم سے اتنی بدبو آتی تھی کہ اگر وہ تیز خوشبو استعمال نہ کرے تو کوئی،  
 اس کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا فریضیکہ اس زخم سے عبید اللہ کی لاش کو تلاش  
 کر کے نکالا گیا ابراہیم اشتر نے اس کا سر کاٹ دیا اور جسم کو جلوادیا خدا  
 کی قدرت دیکھئے عبید اللہ کا سر مختار ثقفی کے دربار میں آیا اور مختار اس  
 جگہ بیٹھا تھا جہاں عبید اللہ بیٹھا کرتا تھا اور عبید اللہ کا سر اس جگہ رکھا تھا جہاں



آج سے تقریباً چار سال پہلے عبید اللہ کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر دکھایا گیا تھا عبید اللہ کے ساتھ اس کے ساتھیوں کے کچھ سر بھی محتار کے دربار میں موجود تھے ابھی یہ سر یہاں رکھے ہوئے ہی تھے کہ ایک سانپ ظاہر ہوا جو تمام سردوں کو سونگھتا ہوا عبید اللہ ابن زیاد کے سر پر آیا اور منہ میں گھس کر ناک سے باہر آیا اور کئی مرتبہ اسی طرح کر کے سر کے اندر غائب ہو گیا۔

مختار ثقفی نے عبید اللہ ابن زیاد کے بعد ان تمام ظالموں کی تلاش شروع کرادی جنہوں نے حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں پر ظلم کیے تھے اور اب یہ ظالم کونے میں اسی طرح چھپتے پھرتے تھے جس طرح مسلم ابن عقیل کو چھپنا پڑا تھا۔

عمرو ابن سعد بھی محتار کے دربار میں حاضر ہو گیا یہ وہی شخص تھا جو میدان کربلا میں عبید اللہ ابن زیاد کی فوج کا سپہ سالار تھا اور عبید اللہ نے اس کو سے کی حکومت دینے کا وعدہ کیا تھا یہ اگرچہ مشہور صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لڑکا تھا لیکن بد نصیب نے حکومت کے لالچ میں اپنی عاقبت برباد کر لی اور حسین کے خون کا پیا سا ہو گیا اس کو اس بات پر فخر تھا کہ میدان کربلا میں امام حسین پر سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے، نضر ضیکہ مختار ثقفی نے اس کی تلاش شروع کرادی پہلے اس کے بیٹے حفص کو دربار میں لایا گیا محتار نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے حفص نے کہا میرے باپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے وہ کہیں نہیں نکلتا۔ مختار نے کہا اب وہ گوشہ نشین ہو گیا ہے اور عبید اللہ ابن زیاد کے زمانے میں اس نے سے کی حکومت کے لئے نواسہ رسول کا سر کاٹ دیا مختار نے عمرو ابن سعد کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور اس کی نظروں کے سامنے پہلے اس کے بیٹے کو قتل کرایا اور پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر عبرت ناک سزا دی جس میں عمرو بن سعد مر گیا دونوں کے سر کٹوائے



اور عمرو کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا یہ حسین ابن علی کا بدلہ ہے اور حفص کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا یہ علی اکبر کا بدلہ ہے۔

شمر ذی الجوشن بھی انہی ظالموں میں سے ایک تھا مختار نے جب اس کی تلاش شروع کرائی تو اس نے کوفے سے بھاگنے کی کوشش کی مختار نے اس کے پیچھے اپنے سپاہی دوڑائے جنہوں نے اس کو ایک جنگل میں جا کر پکڑا اور قتل کر ڈالا اور اس کی لاش کو کتوں کے سامنے ڈال دیا جنہوں نے سپاہیوں کے سامنے ہی اس کے جسم کی بوٹی بوٹی کر ڈالی۔

خولی ابن یزید، سنان بن انس، حسین ابن میر، عمرو ابن حجاج، عثمان ابن خالد یہ سب وہ خاص خاص لوگ ہیں جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت پر سخت ظلم کیئے تھے لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ان سب کی موت تہایت ہی عبرت ناک ہوئی قاتلان حسین میں سے بعض تو ایسے سخت امراض میں مبتلا ہوئے کہ پیاس پیاس کرتے ہوئے ہی ہلاک ہو گئے۔

بہر حال یہ واقعات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں پر ظلم تو ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ظالم کو بھی ضرور دنیا اور آخرت میں نلت و خواری اور سخت سزا ملتی ہے ظلم ایک ایسا عیب ہے جو بظاہر کامیابی و کامرانی کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ عیب جس شخص یا جس قوم میں بھی پیدا ہو جائے اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس عیب سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔







## کرسمس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام



(یہ مقالہ دسمبر ۱۹۷۲ء میں سر نیام (جنوبی امریکہ) میں  
قیام کے دوران ایک خصوصی مجلس مذاکرہ میں پیش کیا گیا)

دسمبر کا مہینہ عیسائی سال کا آخری مہینہ ہے جن ملکوں میں عیسائی بکثرت  
آباد ہیں یا ان کی حکومت ہے وہاں یہ مہینہ بڑی آب و تاب کے ساتھ آتا  
ہے اس کی رونق گھروں، بازاروں سب ہی جگہ نظر آتی ہے اس ملک  
(سر نیام) میں بھی اس مہینے کے آتے ہی ہر طرف چہل پہل نظر آنے  
لگتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے عیسائیوں کا سب  
سے بڑا تہوار بھی ہے جس کو کہ کرسمس کہا جاتا ہے جو عیسائیوں کے خیال کے  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے کہ کرسمس کے علاوہ اس مہینے  
کے ختم ہوتے ہی نئے سال کی آمد بھی ہے عیسائیوں کا نیا سال یکم جنوری  
سے شروع ہوتا ہے جس کے آنے پر یہ قوم ایسے ہی خوشی مناتی ہے جس  
رح کسی تہوار کو منایا جاتا ہے بہر حال دسمبر کہ کرسمس اور نئے سال کا قریبی  
مہینہ ہونے کی وجہ سے عیسائیوں کے نزدیک بہت ہی اہمیت رکھتا  
ہے۔

لیکن یہ بات نہایت ہی افسوسناک ہے اس ملک (سر نیام) اور  
عیسائیوں کے دوسرے ملکوں میں بسنے والے مسلمان دسمبر کے مہینے میں  
کرسمس اور نئے سال کی آمد کی خوشی اور رسومات میں عیسائیوں کے ساتھ



ایسے شامل ہو جاتے ہیں کہ ان کے وجود اور حیثیت کا بھی پتہ نہیں چلتا حالانکہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جس کے مذہب اسلام نے اس کو سب کچھ دے کر یہ سکھایا ہے کہ تم کسی جگہ اور کسی قوم کے ساتھ آباد ہو لیکن اپنی حیثیت اور اپنے وجود کو بالکل علیحدہ ایسا چمکتا دمکتا رکھنا ہے جیسے رات کی تاریکی میں ایک ستارہ چمکتا نظر آتا ہے، زرا غور کیجئے کہ کہ سمس کی رات کو عیسائیوں کی طرح جب مسلمانوں کے گھروں پر بھی روشنی ہوتی ہے تو کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ یہ گھر عیسائی کا ہے یا کسی مسلمان کا جب کہ سمس پارٹی میں مسلمان بھی ناحج گانے دیکھتا اور شراب پیتا ہے تو کیسے امتیاز ہو سکتا ہے کہ کون عیسائی ہے اور کون مسلمان اسی طرح کہ سمس اور نئے سال کی دیگر رسوم جو عیسائیوں کے لئے خاص ہیں مسلمان گھر بھی ان کو اختیار کر لیتے ہیں تو ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو عیسائیوں میں شامل کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ عیسائیوں کو موقع دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو بدنام کریں اسی لئے آج آپ یہ چرچا سنتے ہیں کہ مسلمان اسلام کو اختیار تو کرتے ہیں لیکن اسلام کے حکم اتنے ناقص یا سخت ہیں کہ وہ ان پر عمل نہیں کر سکتے اسی لیے وہ بھاری طرح رہتے اور ہمارے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں۔ عیسائی طرز زندگی کو اختیار کرنے والے اور عیسائیوں کے ساتھ ان کے تہوار میں شریک ہونے والے زرا سوچیں کہ ان کی بدعقلی اور لاپرواہی کی وجہ سے اسلام پر کیسا دھبہ آیا۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتا ہوں کہ جب ہمیں ہمارے مذہب نے خوشی اور مسرت کے دن عطا فرمائے ہیں تو ہمیں ان کو اس شان و شوکت کے ساتھ منانا چاہیے کہ ہم اقلیت ہونے کے باوجود یہ ظاہر کر دیں کہ ہمیں اپنے مذہب سے تعلق ہے ہم اس کی پابندی بھی کرتے ہیں اور بوقت ضرورت اس کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں ہمیں اپنے گھروں پر کہ سمس کی رات کو روشنی نہیں بلکہ ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی پر روشنی کرنا



چاہیے ہمیں کہ سمس پر نئے کپڑے نہیں بلکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر نئے کپڑے پہننا چاہیے ہمیں کہ سمس پر تہوار کی مبارکباد نہیں بلکہ عید میلاد النبی عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر مبارکباد دینا چاہیے ہمیں کہ سمس پر ایک دوسرے کو تحفے نہیں بلکہ اپنے تہواروں پر تحفے بھیجنا چاہیے۔

ہاں ہمیں اسلام پر اجازت ضرور دیتا ہے کہ ہم جن قوموں کے ساتھ آباد ہیں ان کو اپنا ملکی بھائی سمجھ کر ان کے تہواروں کی مبارکباد دے سکتے ہیں اور اگر ضرورت ہو تو تحفے وغیرہ بھیج سکتے ہیں اس ملک (سرنام) میں عیسائی ہمارے پڑوسی بھی ہیں، ہمارے کاروبار کے ساتھی بھی ہیں۔ اور بہت سی بنیادوں پر ہمارے ان سے تعلقات ہیں تو اسلام ہمیں دنیاوی معاملات میں غیر قوموں سے تعلقات کی اجازت دیتا اور ان سے درواری اور اچھے سلوک کی تعلیم بھی دیتا ہے لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ کسی غیر مسلم سے اچھا سلوک کرنے کی وجہ سے ہمارے مذہب کی بدنامی یا قانون کی پامالی نہ ہونے پائے مثلاً اگر عیسائیوں کے ساتھ درواری کے طور پر ہمیں کہ سمس پارٹی میں شریک ہونا پڑے تو اس کی اجازت ہے لیکن پارٹی میں شریک ہو کر ناخ گانے دیکھنا یا شراب یا کوئی دوسری حرام چیز استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

اسی طرح اگر ہم کسی عیسائی کو کہ سمس کا تحفہ بھیجنا چاہیں تو بھیج سکتے ہیں، لیکن تحفے میں شراب یا کوئی دوسری حرام چیز بھیجنا ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی کوئی حرام چیز تحفے میں قبول کی جاسکتی ہے۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ دسمبر کو ایک اہمیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے ختم ہوتے ہی یکم جنوری سے نیا سال شروع ہوتا ہے اس لئے سال کا پہلا دن عیسائی بہت ہی شان کے ساتھ مناتے ہیں ۳۱ دسمبر کو رات کے ۱۲ بجے کے بعد اس قدر زبردست آتش بازی ہوتی ہے کہ ساری رات نہ صرف جاگتے بلکہ ایسا محسوس کرتے گزرتی ہے جیسے ملک پر اس کے



کسی دشمن نے حملہ کر دیا اور وہ بے شمار لم برسا رہا ہے مجھے جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ ان چند گھنٹوں میں تقریباً پانچ لاکھ ڈالر کو آتشبازی کی نذر کر دیا جاتا ہے جس کا فائدہ کسی بھی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ محنت سے کمائی ہوئی دولت کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا کر تماشہ دیکھا جاتا ہے، کئی جگہ آگ لگنے کی وارداتیں بچوں کے جلنے اور بڑوں کے زخمی ہونے کے حادثات ہوتے ہیں اس طرح اگر غور کیا جائے تو حقیقت میں آتشبازی ایک قسم کی حماقت و بیوقوفی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسلام میں ازل تو نئے سال کے پہلے دن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہمارا مذہب تو ہر دن کی ابتداء اور انتہاء کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے اسی لئے ہر دن کے شروع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کی صورت میں اللہ کو یاد کرنے اور اس سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا اور ہر دن کے ختم ہوتے ہی مغرب کی نماز کی صورت میں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اگر نئے سال کے آغاز پر کوئی خاص اہتمام کیا جائے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں ہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلمانوں کا نیا سال یکم جنوری سے نہیں بلکہ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے لہذا مسلمان آپس میں اگر نئے سال کی مبارکباد دیں تو یکم جنوری کو نہیں بلکہ یکم محرم کو دیں لیکن نئے سال کا استقبال آتشبازی سے کرنا یہ تو میں بتا ہی چکا کہ یہ ایک حماقت کا مظاہرہ ہے اسلام حماقت اور فضول خرچی کے کاموں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسی لئے کسی بھی موقع پر مسلمانوں کو آتشبازی کی اجازت نہیں میں تمام مسلمانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس حرام اور بیکار کام میں ہرگز شامل نہ ہوں اپنے بچوں کو بھی آتشبازی کے لئے پیسے نہ دیجئے ان کو ابھی سے فضول خرچی سے بچنے کی عادت ڈالیے۔

دسمبر کے مہینے میں کرسمس کی چہل پہل کے ساتھ ہی مذہبی حلقوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چہرہ چاہی بہت ہونے لگتا ہے ایسا معلوم



ہوتا ہے کہ عیسائی صرف دسمبر ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے مٹی ہونے کا حق ادا کر دیتے ہیں خیر وہ ایک علیحدہ قوم ہیں ان کو حق ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اپنے یسوع کے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کہیں ہمیں اس سے بھی کوئی واسطہ نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں اگر وہ ان کو خدا کا بیٹا یا خدا مانتے ہیں تو اس کے جواب وہ وہ خود ہوں گے، ہمیں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ عیسائی حضرات یسوع مسیح کو قوت و طاقت والا خدا مانتے ہیں تو یہ عقیدہ کیسے رکھتے ہیں کہ "حضرت عیسیٰ کو نہایت ہی بے بسی کی حالت میں سو لی پر چڑھا دیا گیا" یہ تو ان حضرات کو خود سوچنا چاہیے کہ کیسا ان کے اس عقیدے سے یسوع مسیح کی قوت و عظمت ظاہر ہوتی ہے علاوہ ازیں انجیل مقدس کے مطالعے سے ہمیں تو کچھ ایسا پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ کا امتی کہتے ہیں انہی کے بزرگوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں (حواریوں) ہی نے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور باقی ان کی مصیبت کے وقت ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے

ملاحظہ ہو۔

۱۔ یہود اور حواری نے توفیس روپے یہودیوں سے لے کر حضرت مسیح کو گرفتاری کر لیا۔ (متی ۲۶/۱۴)

۲۔ پھر یہود اور اسکریوتی جو ان بارہ میں سے تھا درار کے پاس چلا گیا تاکہ اسے یسوع کو ان کے حوالے کر دے وہ یہ سن کر خوش ہوئے اور اس کو روپے دینے کا اقرار کیا اور وہ موقع ڈھونڈنے لگا کہ کسی طرح قابو

یا کر اس کو (یسوع) کو پکڑو اسے (مرقس ۱۴/۱۱)

۳۔ حضرت مسیح کی گرفتاری کے وقت پطرس حواری نے حضرت مسیح کی

میت کاتین دفعہ کھا کر انکار کر دیا اور اپنی جان بچالی۔ (متی ۲۶/۷۲)

۴۔ اسی وقت یسوع نے بھیر سے کہا کیا تم تلواریں اور لٹائیاں لے کر

مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو..... اس پر سب شاگرد (حواری)



اسے پھوڑ کر چلے گئے۔ رمتی <sup>۴</sup> <sub>۵۵-۵۶</sub> سے کوئی مطلب نہیں کہ عیسائی اپنے عقائد کے بہر حال ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ عیسائی اپنے عقائد کے ذریعے واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتے ہیں یا نہیں وہ تو ہم سے ہر طرح علیحدہ ہیں لہذا ان کی کوئی بات ہمارے قوت اور مذہب کو نقصان نہیں پہنچا سکتی وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا کام آسانی سے نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ جب بھی مسلمانوں کے سامنے اپنے عقائد و خیالات پیش کرنے ہیں تو انہیں ایسی منہ کی کھانی پڑتی ہے کہ وہ سٹپٹا جاتے ہیں لیکن افسوس اور فکر اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو حقیقت میں وہ گمراہ زائد گمراہ کر رہا ہے جو دعویٰ تو مسلمان ہونے کا کرتے ہیں اور تبلیغ اسلام کا ڈھونگ رہ جاتے ہیں لیکن وہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی ختم نبوت کا انکار کرتے اور حقیقت میں اپنے آپ کو مرزا غلام احمد قادیانی کا امتی یقین کرتے ہیں گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، کے مصداق اسلام اور مسلمانوں کو غیر فوج میں نقصان نہیں پہنچا تیں جتنا یہ نام نہاد مسلمان مرزائی یا احمدی و قادیانی پہنچا رہے ہیں اسلام کے خلاف مرزائی امت کی سازش صرف اس ملک (سریام) ہی میں نہیں بلکہ تمام غیر مسلم ممالک میں جاری ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ:

”مسلمانوں کو غیر مسلموں سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی کی امت سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کو کسی بھی حیثیت سے مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ان کی ابتداء ہی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے ہوئی ہے اور یہ ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر نقصان پہنچاتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے تمام علماء متفقہ طور پر حکومت پاکستان سے اس ٹولے کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور انشاء اللہ عنقریب ہی یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔“



جائے گا۔

اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ مرزائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقائد ہیں اور انہوں نے اپنے عقیدوں کے ذریعے کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا ہے تاکہ مسلمان باسانی فیصلہ کر لیں کہ جو کہ وہ اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے متعلق ایسے عقیدے رکھتا ہے وہ کس طرح مسلمان ہو سکتا ہے اور یہ یقین کر لیا جائے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو صرف اس لئے مسلمان کہتے ہیں کہ مسلمان ان کو اپنا جان کر ان کے فریب میں مبتلا ہو جائیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ علماء اہلسنت مرزائیوں کی سرکوبی اور ناموس رسالت کی حفاظت کے لئے ہر جگہ موجود ہیں علماء نے ہمیشہ اس قتنے کو کچلا ہے اور مسلمانوں کو اس کی سازشوں سے باخبر رکھا ہے اور جب تک اس روئے زمین پر علماء <sup>اہلسنت</sup> مرزائی عیسائیوں سے اسلام کا سودا کرنے کی سازش میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن و حدیث نے جو کچھ بتایا جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے اس کو آخر میں بیان کیا جائے گا پہلے میں مرزائیوں کے عقائد ان کے پیشوا اور نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کرتا ہوں اس وقت میں مرزاجی کی چند کتابیں لے کر آیا ہوں ان کے علاوہ بھی مرزاجی ہر کتاب میں یہ کافرانہ عقائد موجود ہیں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کوئی مرزائی ان عقائد کا منکر ہو تو وہ اور بھی زائد خطرناک ہے کہ وہ جس کو نبی یا مجدد سلیم کہتا ہے اس کی بتائی ہوئی باتوں کو نہیں مانتا ویسے شاید ہی کوئی مرزائی ان باتوں کا انکار کرے اس کا انکار یا تو کسی مجبوری کی وجہ سے ہو گا یا دھوکہ دینے کے لئے ورنہ تمام ہی مرزائی اپنے مرزاجی کے سچے عاشق ہیں اور ان کی ہر بات کو وحی الہی ہی سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) اب عبارتیں ملاحظہ فرمائیے اور ان پر غور کیجیے۔

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کا خاندان :



آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاندان بھی نہایت پاک و مطہر تھا تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کبھی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطرانہ کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۱)

۲۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا کہاں نہیں عجیب ہے۔

جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے نمود نچر پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰ کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قوی سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے (چشمہ مسیحی ص ۲۲ مصنفہ مرزا غلام احمد مٹھوہ بک پوتا ایف و تصنیف ربوہ)

عیسیٰ ابن مریم مریم کے خون اور مریم کی منی سے پیدا ہوا اور پھر خدا نے کہا کہ ہو جا تو ہو گیا۔ (براہین احمدیہ ص ۲۹ حصہ پنجم)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بد اخلاق اور بد کردار تھے۔

پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا انجیل کے درخت کو بغیر چیل کے ریچھ کر اس پر بد دعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا اور دوسروں کو یہ حکم بھی دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بد مذہبی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو دلہ الحرام تک نہہ دیا اور ایک وعظ میں یہودی علماء کو سخت سخت گالیاں دیں اور برے برے ان کے نام رکھے۔ (چشمہ مسیحی ص ۲۸)

مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے



بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا نام یہ نہ رکھا کیونکہ ایسے قصبے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔ (دافع البلاد حاشیہ ص ۱۱ مصنف مرزا غلام احمد مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس بومہ)

یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ (کشتی نوح حاشیہ ص ۱۱) آپ کو گالیاں دینے اور بد بانی کی اکثر عادت تھی (آگے چل کر) آپ کو کسی قدر تھبوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام اہم ص ۱۱) مردی اور رجولیت انسان کے صفات محمود میں سے ہے پھر یہ ہونا کوئی صفت نہیں (آگے چل کر) حضرت مسیح مردانہ صفت رجولیت کی اعلیٰ ترین صفت سے محروم ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل محسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے

(مکتوبات احمدیہ جلد سوم ص ۲۸)

۴۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گھڑی ہوئی کتاب ہے۔

مگر ہمارے رائے تو یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کی یہ انجیل ہے جو ہندوستان کے سفر میں لکھی گئی اور ہم نے بہت سے دلائل سے اس بات کو ثابت بھی کر دیا ہے۔ (چشمہ مسیح ص ۹)

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار۔

حق بات یہ ہے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور اس دن سے آپ نے معجزہ مانگے والوں کو گندی گالیاں دیں اور



ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اس روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا۔  
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۶)

غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں مسیح بیج کے جانور بنا دیتا تھا نہیں بلکہ صرف عمل الترتیب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لانا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی مگر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا اور مٹی در حقیقت ایک مٹی ہی رہی تھی جیسے سامری کا گوسالہ۔ (ازالہ ادہام حاشیہ ص ۳۲۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یعنی مردوں کا زندہ کرنا یا بیماروں کا اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں بلکہ بعض نبی اسرائیلی ایسے ہی گذرے ہیں کہ ان سب کاموں میں نہ صرف مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ (ازالہ ادہام ص ۵۵)

اور آپ عیسیٰ کے ہاتھ میں سوا مکرو فریب کے کچھ نہ تھا۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۶)

۴۔ حیات مسیح اور نزول مسیح کا عقیدہ لغو و باطل ہے ان کی قبر ہندوستان میں موجود ہے۔

اگر آپ زندہ برکات کے خواہاں ہیں تو اس مسیح کا نام نہ لو جو مدت ہوئی فوت ہو چکا اور ایک ذرہ اس کی زندہ برکات موجود نہیں۔  
(چشمہ مسیحی ص ۷)

اور کیا اسی زمانہ میں حضرت مسیح اپنے دعویٰ کے موافق آسمان سے اتر آئے؟ میں کہتا ہوں اتنا کیا ان کو تو آسمان پر جانا ہی نصیب نہیں ہوا یہی رائے یورپ کے محقق علماء کی بھی ہے بلکہ وہ صلیب پر سے نیم مردہ ہو کر بیچ گئے اور پھر پلوشیدہ طور پر بھاگ کر ہندوستان کی



راہ سے کشمیر میں پہنچے اور وہیں فوت ہوئے۔ (چشمہ مسیحی ص ۱۵)  
 یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہندوستان  
 میں آئے تھے اور حضرت عیسیٰ کی قبر سرینگر کشمیر میں موجود ہے جس  
 کو ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ (چشمہ مسیحی ص ۱۵)

اس زمانہ میں یہودی لوگ ایلیاس نبی کے دنیا میں دوبارہ آنے،  
 اور آسمان سے اترنے کے ایسے ہی منتظر تھے جیسے کہ آج کل بھارت  
 سادہ طبع مولوی حضرات عیسیٰ کے آسمان سے اترنے کے منتظر ہیں  
 مگر حضرت عیسیٰ کو ملاکی نبی کی اس پیشگوئی کی تاویل کرنی پڑی اسی وجہ  
 سے یہودی اب تک ان کو سچا نبی نہیں جانتے کہ ایلیاس آسمان سے نہیں  
 اترتا اس عقیدے کی وجہ سے یہودی تو واصل بہنم ہوئے اب اسی طمع خام  
 میں مسلمان گرفتار ہیں یہ سراسر یہودیوں کا رنگ ہے۔

(چشمہ مسیحی حاشیہ ص ۲۱)

مسلمان لوگ ایک نوحی مسیح کے منتظر تھے اور نیز ایک نوحی  
 مہدی کا بھی انتظار کرتے تھے اور یہ عقیدے اس قدر خطرناک ہیں کہ ایک  
 مفتری کا ذب مہدی موعود کا دعویٰ کر کے ایک دنیا کو خون میں غرق کر  
 سکتا ہے۔ (اسی صفحہ پر آگے) اس لیے اس نے مجھے مسیح موعود اور  
 مہدی موعود کا خطاب دے کر میرے پر ظاہر فرمایا کہ کسی نوحی  
 مہدی یا نوحی مسیح کی انتظار کرنا سراسر غلط خیال ہے بلکہ خدا ارادہ  
 فرماتا ہے کہ آسمانی نشانوں کے ساتھ مسیح کو دنیا میں پھیلا دے۔

(تحفہ قیصریہ ص ۱۹ تا یف مرزا غلام احمد)

دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر  
 سرینگر کشمیر میں موجود ہے اور یہ امر ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ آپ  
 یہودیوں کے ملک سے بھاگ کر نصیبین کی راہ سے افغانستان میں آئے  
 اور ایک مدت تک کوہ نمان میں رہے اور پھر کشمیر میں آئے اور ایک



سو بیس برس کی عمر پا کر سر ینگری میں آپ کا انتقال ہوا اور سر نیکہ محلہ  
خان یار میں آپ کا مزار ہے۔ (ستارہ قمرہ ص ۱۲)

ہائے افسوس لوگ اس بات سے کیسے بے خبر ہیں کہ ہر ایک  
فرد بشر کو موت لگی ہوئی ہے اور دوبارہ آنا کسی فوت شدہ کا یعنی حقیقی  
طور پر خدا تعالیٰ ہرگز تجویز نہیں کرتا اور کوئی صالح آدمی دو سونوں اور  
دو جان کنڈنوں سے ہرگز معذب نہیں ہو سکتا اس بیہوش خیال سے کہ مسیح  
بن مریم زندہ آسمان پر بیٹھا ہے بڑے بڑے فتنے دنیا میں پڑ گئے۔

(نشان آسمانی ص ۱۹ مصنفہ مرزا غلام احمد)

قرآن شریف میں تیس کے فریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم  
کے فوت ہونے پر دلالت ہیں کہ وہ ہی ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی  
کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا ہے اور اسی جسم کے ساتھ اتر گیا نہایت  
لغو اور بے اصل بات ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۳۲)

اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم  
اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو یہ ماننا پڑ گیا کہ فوت شدہ  
نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن وحدیث دونوں بالاتفاق  
اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز واپس نہیں آئے گا  
(ازالہ اوہام ص ۶۵)

اے میرے دوست مجھے اس بات کو ماننے اور قبول کرنے  
سے معذور تصور فرمائیے کہ وہی مسیح ابن مریم جو فوت ہو چکا ہے اپنے خاکی  
جسم کے ساتھ پھر آسمان سے اتر گیا۔ (ازالہ اوہام ص ۱۹۵)

خدا تعالیٰ کا بہشتیوں کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ کبھی اس سے نکالے  
نہیں جائیں گے پھر تعجب ہے کہ تجار سے علماء کیوں حضرت مسیح کو اس  
فردوس بریں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۸۸)

تیسری صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم



ہوتا ہے سوا کہ یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ مسیح کو آسمان سے اتار کر دکھلا دیں صالحین کی اولاد ہو مسجد میں بیٹھ کر تفریح و زاری کرو کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ دھکے ہوئے تشریف لادیں اور تم سچے ہو جاؤ ورنہ کیوں ناحق بدیتی کرتے ہو..... خدا سے ڈرو۔ (انزالہ ادہام ص ۱۵)

ایسی بہت سی عبارتیں مرزا جی کی تصانیف سے پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن مرزائیوں کے کفر و الحاد کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہیں۔ آپ ان عبارتوں پر غور کیجئے تو واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ اللہ کے جلیل القدر رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور بے عزتی کے لئے ہوئے طرز سے کی گئی ہے، کوئی تشریف آدمی کسی عام اور معمولی آدمی کی بے عزتی کے لئے بھی یہ طرز نہیں اختیار کر سکتا اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ کسی بھی نبی کسی بھی آسمانی کتاب یا صحیفے کا انکار کفر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا بھی انکار کیا گیا ہے جو کہ ان کے کمالات و معجزات قرآن کریم سے ثابت ہیں اس طرح حقیقت میں قرآن کریم کے ایک حصے کا انکار کیا گیا ہے اور قرآن کریم کے کسی حکم یا ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ان کے کمالات و معجزات کا انکار اور انکی حیات اور تولد کا انکار اس شدت سے کیوں کیا گیا تو ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ پس مثالی صورت کے طور پر یہی (غلام احمد) عیسیٰ بن مریم سے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ (انزالہ ادہام ص ۴۵۹)

۲۔ اور میں عیسیٰ مسیح کو ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا یعنی اس پر خدا کلام نازل ہوا ایسا ہی مجھ پر بھی ہوا اور جیسے اسکی نسبت معجزات منسوب کیے جاتے ہیں میں یقینی طور پر ان معجزات کا مصداق اپنے نفس کو دیکھتا ہوں بلکہ ان سے زیادہ (چشمہ مسیحی ص ۲۸)



۳۔ اور چونکہ اس نے مجھے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا تھا اور تواریخ  
طبع کے لحاظ سے یسوع مسیح کی روح میرے اندر رکھی تھی اس لیے  
ضروری تھا کہ گم گشتہ ریاست میں بھی مجھے یسوع مسیح کے ساتھ ،  
مشابہت ہوتی۔ (تحفہ قیصریہ ص ۲۸)

۴۔ میں نے عین بیداری میں جو کشفی بیداری کہلاتی ہے یسوع مسیح سے  
کئی دفع ملاقات کی ہے اور اس سے باتیں کر کے اس کے اصل  
روح اور تعلیم کا حال دریافت کیا ہے۔ (تحفہ قیصریہ ص ۲۹)  
۵۔ اگر کوئی طالب حق نیت کی صفائی سے ایک مدت تک میرے پاس  
رہے اور وہ حضرت مسیح کو کشفی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ  
اور دعا کی برکت سے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے ان سے باتیں بھی کر سکتا  
ہے اور ان کی نسبت ان سے گواہی بھی لے سکتا ہے۔

(تحفہ قیصریہ ص ۳۰)

۶۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا  
نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانہ کی  
نسبت توریت و انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے۔

(دافع البلاد ص ۳۳)

آپ نے اصل معاملے کا اندازہ ان عبارتوں سے کر لیا ہو گا کہ مرزا جی  
کو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دراصل اس لیے عداوت ہے کہ  
وہ خود ان کا بلند مقام لینا چاہتے ہیں اس سے کوئی پروا نہیں کہ اس جاہ  
پر سی سے ایمان باقی رہے یا نہ رہے۔

یہ ہیں عیسیٰ مسیح کے متعلق مرزائیوں کے عقائد اب ہر مسلمان فیصلہ  
کر سکتا ہے کہ جس گروہ کے خود ایسے عقائد ہوں وہ اسلام کی تبلیغ کیا کرتا  
ہو گا یقیناً اور اسلام کا بارہ اوڑھ کر اسلام کی بنیادوں کو کھوٹھلا کر رہا  
اور اپنے گروہ اور جماعت کو پھیلانے کا کام انجام دے رہا ہے۔ حقیقت



مرزائیوں نے اسلام کو بدنام کرنے کا نام ہی تبلیغ اسلام رکھا ہے میں  
مسلمانوں سے امید کرتا ہوں کہ اب وہ کسی بھی مرزائی کے لئے اپنے  
ذہن میں مسلمان ہونے کا خیال تک نہ پیدا ہونے دیں گے یاد رکھیے  
کہ -

شریعت اور ناموس رسالت کی حفاظت کے لئے مرزائیوں  
کو بالکل ایک علیحدہ قوم سمجھنا اور ان کے مذہب کو ایک علیحدہ  
مذہب جاننا اور ان سے غیر مسلموں جیسا برتاؤ کرنا لازمی ہے  
بالکل اسی طرح جیسے صحت و تندرستی کے لئے گندی اور مٹری  
ہونی چیزوں سے بچنا ضروری ہے -

اس ملک (سرینام) کے مسلمانوں کو تو میں عملی طور پر دکھا چکا ہوں  
کہ مرزائی مسلمانوں سے کتنے دور ہیں میں نے اسی سال (۱۹۷۲ء) ۱۳ مارچ  
کو مسلمانوں کے لئے اسلامی جھنڈا پیش کیا جس کو ہر مسلمان نے بڑے ہی  
شوق و محبت کے ساتھ قبول کیا اور آج پورے ملک میں مسلمان اسی  
جھنڈے کو استعمال کرتے ہیں یہ مسلمانوں کا ایک مذہبی نشان ہے اس  
سے ان کے وجود اور تعداد کا پتہ چلتا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہماری  
کوشش کے باوجود مرزائیوں نے اس جھنڈے کو لینے سے انکار کر دیا  
حالانکہ جب میں نے ایک عالم غلام احمد بشیر کو (جو ہالینڈ میں مقیم ہیں سرینام  
آئے تھے) ایک جھنڈا تحفہ دیا تو انہوں نے اس کو قبول بھی کیا اور اعتراف  
کیا کہ اس جھنڈے میں کوئی خرابی نہیں تو آپ کی جماعت (جماعت  
احمدیہ) اس کو کیوں منظور نہیں کرتی کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس غیر مسلم  
ملک میں غیروں پر بھی کسی طرح مسلمانوں کا اختلاف ظاہر نہ ہو یہ سوال  
میں نے اسی لئے کیا تھا کہ حق و باطل واضح ہو جائے مولانا موصوف نے  
میرے سوال کے جواب میں لکھا کہ جھنڈا تو مجھے پسند ہے اور آپ  
کا خیال بھی مناسب ہے واقعی اتحاد کی بہت ضرورت ہے لیکن جھنڈے



پر اگر حضور علیہ السلام کے مراد کا نقشہ نہ ہونا تو بہت مناسب تھا۔ اس آنری جیلے سے میں حقیقت سمجھ گیا کہ یہ مرزائی کسی ایسے طریقے سے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد نہیں کرنا چاہتے جس پر ظاہر ہو کہ وہ حضور نبی آخر الزماں علیہ السلام کے امتی میں کیونکہ پھر انہیں اپنے (تھوٹے) نبی کی نبوت کا چرچا کرنے کا موقع نہیں رہے گا۔ ہاں وہ ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے بھی ہیں اور گائے کا گوشت کھا کر منافقوں کی طرح نماز پڑھ کر مسلمانوں کو یہ دھوکا دینے کی کوشش کرنے میں کہ ان میں اور ہم میں صرف معمولی اختلاف ہے حالانکہ وہ خود تمام مسلمانوں کو کافر جانتے ہیں ان کے قائد مرزا غلام احمد نے انہیں یہ بتایا اور تمام مسلمانوں سے علیحدہ رہنے کا حکم بھی دیا ملاحظہ ہو۔

۱۔ جو شخص میرا مخالف ہے وہ عیسائی، یہودی، مشرک اور جہنمی ہے

(نزدول المسیح ص ۱۰۰ مصنف مرزا غلام احمد)

۲۔ تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوائے اسلام کرتے ہیں بالکل ترک

کرنا پڑے گا۔ (تحفہ گوڑو دیہ ص ۱۰۰)

اب آپ ذرا سوچئے کہ مرزا جی کے اس حکم کے بعد یہ لوگ کس طرح مسلمانوں سے خلوص و محبت کا رشتہ جوڑ سکتے ہیں یا کسی وقت بھی مسلمانوں کے کام آسکتے ہیں یقین نہ کھیئے یہ ہم سے ملنے ہیں۔

” ہمارے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے اور اپنے

جماعتی و ذاتی فائدے حاصل کرنے کے لیے ان کو عیسائیوں،

یہودیوں اور مشرکوں کی طرح ایک علیحدہ قوم سمجھنا چاہیئے

مجھے اس بات کی بیدخوشی ہے کہ اس ملک (سرینام) کی گورنمنٹ

کی طرف سے مردم شماری کے وقت جو فائدہ پُر کرایا جاتا ہے اس میں

مذہب لکھنے وقت مسلمان کے لیے یہ بھی کھنا ضروری ہوتا ہے کہ ذہنی

ہے یا احمدی، گویا گورنمنٹ اگرچہ غیر مسلم ہے لیکن وہ یہ حقیقت جان



جکی ہے کہ احمدی (مرزائی) ایک علیحدہ قوم ہیں انہیں اور اہل سنت و  
جماعت میں کوئی تعلق نہیں مسلمان تو پہلے ہی اس حقیقت کو جاننے ہیں،  
لیکن عمل نہیں کرتے میں گزارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو عملی طور پر یہ ثابت  
کرنا چاہیے کہ مرزائیوں سے ان کا کوئی مذہبی رشتہ نہیں۔

آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل  
اسلام کا جو عقیدہ ہے اس کو بھی مختصراً بیان کر دیا جائے تفصیل کے ساتھ  
انشاء اللہ اس کو کسی دوسرے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں اور مستحکم دلائل کے ساتھ مسلمانوں کا  
یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے خدا نے  
ان کو اپنی قدرتِ کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور بچپن ہی میں انہیں  
کلام کرنے کی قوت بھی عطا فرمائی۔ کہ وہ خود اپنی حقیقت اور اپنے مقام  
کو بیان کر دیں اور ان کی ماں حضرت مریم علیہا السلام تہمت سے محفوظ  
رہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی کتاب انجیل نازل فرمائی اور آپ کو انجیل  
کے علاوہ توریت کا علم عطا فرمایا اور یسوع انبیاء کی طرح آپ کے سر جسم کے گناہ  
اور برائیوں سے بچایا اور ہر قسم کے کمالات اور خوبیوں سے مزین فرما  
کر آپ کو اس زمانہ کے لحاظ سے معجزات بھی عطا فرمائے آپ مٹی کے

پرنڈ سے بنا انہیں چھو نکتے تھے جس سے وہ جاندار ہو کر اڑنے لگتے تھے آپ  
کوڑھ اور برص کے مرینوں پر ہاتھ پھیر کر ان کو اچھا کر دیا کرتے تھے، مردوں  
کو زندہ کر دیتے تھے، پھپھی ہوئی باتوں کو اور آئندہ ہونے والے واقعات کو  
بیان کر دیتے تھے جب دشمنوں نے آپ کو سولی دینے کی کوشش کی تو  
خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمان پر اٹھالیا اور ایک دوسرے  
شخص کو آپ کا ہم شکل کر دیا جس کو دشمنوں نے سولی پر چڑھایا لیکن  
جب انہوں نے اس کو خود سے دیکھا تو انہیں اختلاف پیدا ہو گیا اور  
بعض نے کہا کہ یہ عیسیٰ ہیں اور بعض نے انکار کیا بہر حال اب حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب



دنیا میں تشریف لائیں گے حضور علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کریں گے  
حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کریں گے قرآنی احکام پر  
عمل کریں گے اور اسی کو نافذ کریں گے آپ کے آتے ہی دنیا سے برائیاں  
مٹ جائیں گی اور عدل و انصاف کا دور ہوگا عقائد باطلہ رکھنے والے  
فرقے (بشمول مرزائی) تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ آپ دنیا میں نبیالیس  
سال قیام فرمائیں گے اسی عرصہ میں شادی بھی کریں گے آپ کے اولاد  
بھی ہوگی۔ آخر عمر میں حج بھی کریں گے حج سے فارغ ہو کر مکہ و مدینہ  
کے درمیان آپ کا انتقال ہوگا اور آپ کو نبی کریم علیہ السلام کے مزار  
اقدس میں آپ کی قبر شریف کے قریب ہی دفن کیا جائے

گا۔۔۔۔

مجھے یقین ہے کہ میرے اس مضمون سے یہ بات واضح ہو چکی کہ کس  
طرح ”اس گھر کو گھر کے ہی چراغ سے آگ لگی“ آج عیسائی مسلمانوں پر  
جو کچھ اعتراض کرتے ہیں اس کا موقع انہیں اس لیے نہیں ملا کہ اسلام انہیں  
ہے بلکہ یہ موقع اس لیے ملا ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا ڈھونگ رچانے والوں  
نے اسلام کے نام پر ایک نئے مذہب اور جماعت کی بنیاد رکھی اور وہ  
اسی کی تبلیغ کرتے ہیں اور بدنام اسلام ہوتا ہے اور مسلمان ہوتے ہیں۔  
اسی لیے بھد ضروری ہے کہ

” ایک مضبوط اور جامع پروگرام کے ذریعے فتنہ مرزاہیت کو  
ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے انشاء اللہ بہت جلد وہ وقت  
آنے والا ہے کہ اس فتنے کو کچلنے کی منظم تحریک چلے گی اور  
مجھے امید ہے کہ اس کی قیادت پاکستان ہی کے علماء اہل  
سنت کریں گے جنہوں نے اب تک اسی سلسلے میں بہت  
کچھ کام کیا ہے اور اب بھی کوششیں جاری ہیں۔  
اللہ ہمیں اسلام اور ناموس رسالت کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے

اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔



# اللہ کے ولی

انسان اشرف المخلوقات ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ نہ صرف اپنے خالق کی عبادت، معرفت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دنیا میں آیا، لیکن انسانوں کا ایک گروہ اپنے اس مقام کی حفاظت نہ کر سکا، وہ خالق کی عبادت کرنے کی بجائے مخلوق کا پجاری بن گیا، وہ خالق کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے دنیا کو اپنی معرفت کرنے لگا۔ وہ خالق کو راضی کرنے کی بجائے دنیا کے بتوں کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا، اس کے دل میں خالق کی محبت کی بجائے دنیا کی فانی چیزوں کی محبت نے گھربنایا، اس کی آنکھیں دنیا کے حسن و جمال سے خیرہ ہو گئیں۔ اس کے کان "داخی الی اللہ" کا آواز سننے کے لئے بہرے ہو گئے، اس کیفیت کے بعد اب اس میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا۔ اسی لئے فرمایا گیا۔

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ  
هُمُ أَضْلُ أُولَئِكَ هُمُ  
الضَّالُّونَ

وہ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ  
ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت  
میں پڑے ہوئے ہیں۔

والہ صراف ۱۳۶۹

ان سے زیادہ غافل اور کون ہو سکتا ہے جنہیں یہ تک احساس نہیں کہ وہ جن چیزوں سے محبت کر رہے ہیں، انہوں نے جن چیزوں کو اپنا دیتا اور آقا بنا رکھا ہے، وہ جن چیزوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ وہ سب بیوقوف



ہیں، چند روز سے زیادہ وہ ساتھ نہیں دے سکتیں، یہ لوگ کتنے غافل ہیں کہ ان کو دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ دنیا ان کے لئے بنائی گئی ہے اور نہیں دنیا کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے بلکہ دنیا کو ان کے قدموں میں گرنا چاہیے۔ پس ایسے غافل لوگ یقیناً جانوروں سے بدتر اور زیادہ گمراہ ہیں۔ اللہ اس گمراہ سے محفوظ رکھے۔

اور انسانوں کا ایک گمراہ وہ ہے جس نے اپنے "اشرف المخلوقات" ہونے کو سمجھا، تاج شرافت کا حق ادا کیا، مقصد حیات کو پورا کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز خدا کی عبادت میں صرف کئے، انہوں نے دنیا کی ہر چیز سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کی، انہوں نے دنیا کی چیز سے خدا کی مرضی کے مطابق فائدہ حاصل کیا، ان کے دل میں سوائے خدا کے کسی کی محبت پیدا نہ ہو سکی۔ یہی لوگ ہیں جن کا ذکر بڑے ہی مخصوص انداز میں کیا گیا۔

الَاٰنَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا

سِنُوْا بِشَيْكٍ اَدِيَاءَ اللّٰهِ كُوْنُوْا

خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَاٰلِهِمْ

يَخْذَلُوْنَ۔

برس: ۲۳

اس اشرف و اعلیٰ گروہ کا نام "اولیاء اللہ" رکھا گیا۔ "اولیاء ولی کی جمع ہے۔ جس کے معنی قریب، محب، دوست اور مددگار کے ہیں۔ وہ مسلمان جو اللہ کے دوست بن جاتے ہیں، اللہ سے محبت کرنے میں، اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں، اللہ کے دین کے مددگار بن جاتے ہیں "اولیاء اللہ" کہلاتے ہیں۔ صاحب روح البیان نے فرمایا۔

ولایت درحقیقت خدا اور اپنے نفوس کی معرفت کا نام ہے اور

اللہ کی معرفت اس سے محبت کرنا ہے اور نفوس کی معرفت ان کو

دشمنی کی نظر سے دیکھ کر خواہشاتِ نفس کو پامال کرنا ہے۔

(روح البیان)



ولی کے معنی پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ میدانِ ولایت نہایت وسیع ہے اس میں انبیاء و رسل، صحابہ، شہداء اور صالحین سب ہی شامل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مخصوص منعم علیہم بندوں میں شمار فرمایا۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے اُن کا سامنے ملے گا جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ۔

(النساء-۶۹)

انبیاء کرام علیہم السلام کو خدا نے نعمتِ نبوت سے نوازا جس

کے باعث ان کا مرتبہ انسانیت کا ایسا اعلیٰ ترین مرتبہ قرار پایا کہ ان کے اور کسی بھی مرتبہ والے انسان کے درمیان کوئی قدرِ مشرک باقی نہ رہی، انبیاء اپنے مقام میں بیگانہ و یکتا ہیں۔ کوئی ایسا عمل نہیں جس کے ذریعہ انسان مقامِ نبوت کو پاسکے، یہ مقام خدا داد ہے، وہی، اُس کا عطیہ ہے جس کے لئے اللہ نے خود ہی انسانوں کو چنا۔ اور خود ہی اُن کو اس منصب کا اہل بنایا۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ  
مَنْ سَأَلَتْ، اللہ خوب جانتا ہے۔ جہاں  
اپنی رسالت رکھے۔

(الانعام ۱۲۴)

تاجِ نبوت و رسالت نہ مانگنے والوں کو دیا جاتا ہے، نہ ہی کوشش کرنے والوں کو ملتا ہے بلکہ جو اس منصب کو چھونا بھی چاہتا ہے وہ مردود ہو جاتا ہے، نہ صرف اُس کی عبادتیں رائیگاں ہوتی ہیں بلکہ اُس کا ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ مرتد، واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو اس امانت کا اہل سمجھنے لگا۔ جس کو خدا اپنے منتخب بندوں کے لئے مخصوص فرما چکا ہے۔

سلسلہ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت نبی کریم علیہ السلام پر ختم ہو چکا، آپ تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار، اُن



سے اعلیٰ و افضل اور آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد آج تک نہ کوئی نبی آیا اور نہ ہی قیامت تک کوئی نبی پیدا ہوگا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں تشریف لا کر اپنی زندگی کے بقیہ ایام، نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کے امتی کی حیثیت سے پورے کہیں گے۔

ولایت کا دوسرا مرتبہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہے۔ جس کا ذریعہ صرف نبی کی زیارت و صحبت ہے۔ یہ مرتبہ انہی نوٹس نصیب مسلمانوں کا مقدر ہے جنہیں اپنے نبی کی زیارت و صحبت نصیب ہوئی کوئی عبادت گزار، متقی، پرہیزگار، مرتبہ صحابیت تک پہنچنا تو درکنار، کسی صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

جس طرح نبی کریم علیہ السلام انبیاء و رسل میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ اسی طرح آپ کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ انبیا رسالت کے یہ تارے مقدر والے تھے کہ انہیں زیارت و صحبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے اس مقام پر پہنچا دیا۔ جس کو ہزاروں برس عبادت کرنے والا بھی نہیں پاسکتا۔ یہ حضرات امت کے مقتدری ما پیشوا اور رہنما ہیں۔ ان کا احترام جہنم و ایمان ہے ان کے باہمی اختلافات بھی امت کے لئے باعث رحمت ہیں۔ ان کی برابر می کا دعویٰ یا ان پر تنقید کرنا۔ یا ان میں عیب و نقص تلاش کرنا، بڑی گمراہی اور بد نصیبی ہے کہ اس جماعت سے خدا راضی، یہ خدا سے راضی اور ان کی کامیابی رکامرانی کا خود خدا گواہ ہے فرمایا گیا:

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت

ہے، سنو! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

(انجیل لہ ۲۲)

مذہب شہادت بھی ولایت ہی کا ایک مقام ہے اس اعتبار سے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی بھی نیکی نہ کی لیکن اسے اللہ کی راہ میں اسلام کی جانشین



اشاعت کے لئے دین کو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دینے کا موقع مل گیا، وہ شہید ہو گیا یا اُس نے اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش کر دیا۔ تو یہ خوش نصیب بھی "اولیاء اللہ" کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ اور اس پر خدا کا یہ خاص انعام ہو گا کہ دنیا مرتی ہے لیکن یہ بظاہر دنیا والوں کی نگاہوں، اُن کے شعور و احساس سے اوجھل ہو جانے کے باوجود بھی زندہ کھلائے گا اور نہ ہی مردوں میں اس کا شمار ہو گا۔

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

(البقرہ ۱۵۲)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے برگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں، خوش ہیں اُس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے کھیلوں کی جو ابھی اُن سے نہیں ملے کہ اُن پر نہ کچھ اندیشہ اور نہ کچھ غم۔

(العمران ۱۶۰)

"حیاتِ ابدی" کے علاوہ ان شہداء پر اللہ کا یہ کرم بھی ہوتا ہے کہ اُن میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے زندہ واپس آجاتے ہیں۔ یعنی شہید نہیں ہو پاتے تو اگرچہ یہ "غازی" کہلا کر دنیا والوں کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں لیکن یہ دنیا والوں سے بہتر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کہ ان کا کردار بھی سدھر جاتا ہے اور مالِ غنیمت بل جانے کے سبب ان کی مالی حالت بھی بہتر ہو جاتی ہے۔ اور شہداء جیسا اجر و ثواب بھی ان کے لئے لکھ دیا جاتا ہے اور جو لوگ شہید ہو جاتے ہیں انہیں ان کی منزلِ مقصود جنت مل جاتی ہے کہ یہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوتے ہیں، اگر ان پر اللہ کے کچھ حقوق ہوتے ہیں تو اللہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور بندوں کے کچھ



حقوق ہوتے ہیں تو اللہ خود ہی حق والے بندوں کو راضی کر کے ان شہداء کا چھٹکارا کر دیتا ہے اور جنت میں یہ اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ ہر چیز ان کی جانی پہچانی سی ہوتی ہے وہاں انہیں کوئی اجنبیت اور غیرت محسوس نہیں ہو پاتی، اُن کا دل بالکل مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے۔ فرمایا گیا۔  
 اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے تو اللہ ان کے اعمال کو نافع نہ کرے گا، اُن کو راہ دے گا اور ان کا حال سنوارے گا اور ان کو جانی پہچانی جنت میں داخل کرے گا۔

(سورہ محمد، ۴، ۶۰۵)

غزنی کے نبوت، صحابیت اور شہادت مرتبہ ولایت ہی کے اعلیٰ مراتب ہیں۔ پھر صالحیت کا مقام ہے اس مقام کو پالینے والے مسلمان "سالمین" کہلاتے ہیں اور انہی مقدس حضرات کو عام اصطلاح میں "اولیاء اللہ" کہا جاتا ہے اور انہی کے مقام کو مرتبہ ولایت کہا جاتا ہے۔ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ۔

ولایت عامہ تمام مسلمانوں کو حاصل ہے کیونکہ انہوں نے بنی انرازاں صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا، ان سے رشتہ جوڑا اور ان کی اُمت میں شامل ہوئے۔ اُس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی جو خدا کا محبوب و پیارا ہے۔ لہذا اُمت بھی محبوب، پیاری، خیر اُمت ہے۔ اس اعتبار سے تمام امتیوں کو ولایت عامہ کا مقام حاصل ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا۔

اللَّهُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا  
 يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ  
 إِلَى النُّورِ  
 اللہ ولی ہے مسلمانوں کا انہیں  
 تاریکیوں سے نور کی طرف  
 نکالتا ہے۔

(البقرہ، ۲۵۷)

ولایت خاصہ عام مسلمانوں میں سے ان حضرات کو نصیب ہوتی ہے



جو متقی، پرہیزگار ہوتے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں اتباع رسول کا خیال کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے ارشاد ہوا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا  
يَتَّقُونَ  
یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور  
پرہیزگار ہی کہتے رہتے ہیں۔

(یونس ۶۳)

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید پر، حضور علیہ السلام کی رسالت پر

اور قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلبسی و سوسہ اندازی اور کوئی مہیبت اسے متزلزل نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نود سے جگمگا رہا ہوتا ہے، ان تمام اعمال اور اخلاق سے ان کا دامن یکسر میرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی، شرک خفی، اخفی، حسد، کینہ، غرور و تکبر اور ہوا و ہوس، غرضیکہ تمام اخلاق ذمیرہ سے وہ پاک ہوتے ہیں یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکرِ عجیب و نیا نہ کو وہ بلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا و شکر بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔“

(شیاء القرآن)

اولیاء کرام کے اسی تقویٰ کا ذکر ایک حدیث قدسی میں بھی ہے جس کو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

”بندہ نفعی عبادت سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک

کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت

کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے

اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔“

(بخاری شریف)

حدیث شریف میں ”نوافل“ سے مراد نفعی نماز ہی نہیں بلکہ فرائض کی ادائیگی



کے بعد جو بھی عبادت کی جائے وہ نفل عبادت کہلاتی ہے پس جو مسلمان منصب ولایت کی طرف قدم بڑھاتا ہے وہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے نفل عبادت کو بطور سواری اختیار کرتا ہے۔ فرض نمازوں کے علاوہ ساری ساری رات نفل نماز پڑھنے میں گزار دیتا ہے۔ فرض روزوں کے علاوہ ہمیشہ نفل روزے رکھتا ہے، فرض حج کے علاوہ بار بار نفل حج کرتا ہے، فرض زکوٰۃ کے علاوہ اپنی دولت غزبار و مساکین پر صدقہ و خیرات میں صرف کرتا رہتا ہے، جن لوگوں کے حقوق فرض ہیں ان کی ادائیگی کے علاوہ ساری مخلوق خدا کی خدمت کو اپنے لئے لازمی قرار دیتا ہے تو ایسے شخص سے خدا محبت کرنے لگتا ہے اور ولایت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرما دیتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد یہ ولی اپنی ہر قوت و صلاحیت میں عام انسانوں سے ممتاز اور بلند ہو جاتا ہے۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ولی کی تصریح کرتے ہوئے

فرماتے ہیں۔

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ولی اُس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الہی میں مستغرق رہے، شب و روز وہ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے اور اُس کا دل محبت الہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو، وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ یہی وہ مقام ہے جسے "فنا فی اللہ" کا مقام کہتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

عضو علیہ السلام سے پوچھا گیا "مَنْ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ" اولیاء اللہ کون ہیں

تو انہوں نے فرمایا:

أَتَذِينَ إِذَا رُوَاذِكِرَ اللَّهُ  
عَزَّ وَجَلَّ  
وہ لوگ جن کی زیارت سے  
اللہ عز و جل یاد آجائے۔

یعنی اولیاء کرام کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب عام لوگ ان کے دربار میں



آتے تو انہیں اللہ یاد آنے لگتا ہے وہ دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں، اپنے گناہوں اور برائیوں سے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہیں، اُن کا دل دنیا کے بھمیلوں سے ہزار ہونے لگتا ہے۔ بس وہ چاہتے ہیں کہ صرف اللہ اور اُس کے رسول کو یاد کریں، دین کی پابندی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کی یہ کیفیت صرف ولیوں کو اپنے سامنے دیکھ کر ہی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے ان دوستوں کے مزارات پر حاضر ہو کر بھی یہی حال ہو جاتا ہے، سخت سے سخت دل والے لوگ بھی یہاں حاضر ہو کر نرم پڑ جاتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگتے ہیں، چہرے فق پڑ جاتے ہیں، دل نادم و شرمندہ ہونے لگتا ہے، ایک ناقابل بیان عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دنیا والے محتاج ہو جاتے ہیں، جن کے واسطہ اور وسیلہ سے دنیا والوں کو رزق، فلاح و بہبود اور سکون ملتا ہے، جن کے دربار میں حاضر ہونے والوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، جن کے دامن سے وابستگی اخروی نجات کی ضمانت ہے۔ جن کے لئے فرمایا گیا۔

لَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ  
انہی کے لئے بشارت دنیاوی  
زندگی میں اور آخرت میں۔

(یونس ۶۴)

عام مسلمان تو اپنے مستقبل و انجام کار پر متفکر و پریشان نظر آتے ہیں لیکن ”اولیاء اللہ“ اپنے تقویٰ، عبادات، نزکیہ قلب اور حُب خدا و رسول میں کمال پیدا کر لینے کی وجہ سے اس مقام کو پالیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کے بہتر ہونے کی ان کو خوشخبری سنا دیتا ہے جس سے وہ مطمئن ہو کر پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں اور خدا کی مخلوق میں اُن کا بلند مرتبہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا



ہے اور فرماتا ہے "اے جبریل میں اپنے فلاں بندے سے  
 محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر" پس جبریل بھی اُس  
 سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان میں منادی کرتے  
 ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی  
 اُس سے محبت کرو تو سب اہل آسمان اُس سے محبت کرنے  
 لگتے ہیں پھر زمین میں اُس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے  
 اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبریل کو بھی اسے  
 ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے پھر جبریل آسمان پر اُس کے ناپسند  
 ہونے کا اعلان کرتے ہیں تو آسمان والے اُس سے نفرت کرنے  
 لگتے ہیں۔ پھر زمین پر بھی اُس سے بغض و نفرت پھیل جاتی ہے۔  
 "بشری" یعنی خوشخبریاں، اللہ کے ولیوں کو کبھی خواب میں سنائی جاتی

ہیں جس سے ان کے قلب مطمئن ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامٹ  
 رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے قول  
 لَہُمْ الْبُشْرٰی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ہٰی الرُّءِیَا الصَّالِحَةُ  
 یٰرَافَا الرُّءِیَا وَ تَرٰی لَہُ  
 یہ سچے خواب ہیں جو کوئی شخص  
 خود دیکھتا ہے یا اُس کے متعلق  
 تم دیکھتے ہو۔

یہ وہ خواب ہیں جن کا اعتبار کرنا شرعاً جائز ہو لیکن ایسے خواب جو  
 خلاف شرع ہوں، ناقابل اعتبار ہوں گے اور نہ ہی قابل عمل۔ مثلاً کوئی خواب  
 میں دیکھے کہ اللہ نے اُس سے نماز، روزے اور دوسری عبادتیں معاف کر  
 دی ہیں، تو اس قسم کے تمام خواب لغو ہیں، قابل بیان بھی نہیں۔ اللہ کے ولی  
 لغو اور بیہودہ خوابوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ جیسے حضور عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ  
 کے والد ماجد حضرت ابوصالح موسیٰ جتگی دوست کو خواب ہی میں بشارت،  
 خوشخبری ملی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اب صالح فرزند عطا فرمائے گا جو خدا کا



محبوب اور اُس کے ولیوں میں سب سے بلند مرتبہ والا ہوگا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں سلطان المسند مقرر کیا گیا اور ہندوستان جانے کا حکم ملا اور کبھی اللہ اپنے ولیوں پر فرشتے نازل فرماتا ہے جو ان کو حد کی طرف سے خوشخبریاں سناتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر قائم رہے، اُن پر فرشتے اترتے ہیں، کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے، ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے ہے اس میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہے اس میں جو مانگو، مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

(رحم السجدہ ۲۲)

آیت سے واضح ہے کہ اللہ کو رب مان کر اُس پر استقامت کرنے والوں (اولیائے کرام) کے پاس فرشتے آتے ہیں اور انہیں خوشخبری سناتے ہیں، کہ تم دنیا و آخرت کے ڈر اور غم سے آزاد ہو چکے ہو، تمہیں جنت مل چکی ہے، دنیا و آخرت میں ہمیں تمہارا معاون و مددگار مقرر کر دیا گیا ہے، دنیا بھی تمہاری ہے اور آخرت بھی تمہاری یہاں اور وہاں جو تم مانگو گے تمہارا رب تمہیں عطا فرمائے گا۔

اولیاء کرام کے بے شمار واقعات سے ثابت ہے کہ اللہ کے فرشتے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ سیدنا عوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس تو بچپن ہی میں فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ:

ایک مرتبہ حضور عوث پاک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ "آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا؟" تو آپ نے فرمایا کہ جب میں دس برس کا تھا اور اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھنے



جایا کرتا تھا تو فرشتوں کو اپنے پیچھے اور ارد گرد چلتے دیکھتا تھا

اور جب میں مکتب پہنچتا تھا تو وہ بار بار یہ کہتے سنائی دیتے تھے "اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لئے جگہ دو" اس واقعہ کو دیکھ کر ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ مجھے درجہ ولایت پر فائز کرے گا۔

یہ خوشخبریاں کبھی غلیبی آوازوں، جانوروں، درختوں اور پتھروں وغیرہ کے ذریعہ بھی سنائی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے بے زبانوں کو زبان عطا فرماتا ہے اور وہ انسانوں کی طرح اللہ کے ولی سے باتیں کرتے ہیں۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ ہی کا ایک واقعہ ہے۔

آپ کو ایک دن سیر کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ برس کی تھی، آپ گھر سے نکلے اور دیہات کے پُرسکون، پُرفضا ماحول میں گھومنے لگے۔ اچانک آپ کی نظر ایک بیل پر پڑی جو آپ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ رُکا، پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا اور بالکل انسان جیسی آواز میں بولا۔ "اے مجدد القادری تم اس لئے پیدا نہیں کئے گئے اور نہ ہی تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔"

غرضیکہ اولیاء کرام "کو خدا کی طرف سے خوشخبریاں ملتی ہیں، خدا ان سے محبت کرتا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے، آسمانوں پر فرشتے اور زمین پر انسان اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے ولی کو ایسی دائمی شہرت نصیب ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے بچنا چاہتا ہے۔ لیکن مخلوق خدا ان کے پیچھے دوڑتی ہے، لوگ ان سے عقیدت و محبت کو اپنی دنیوی فلاح اور نجات کا ذریعہ یقین کرتے ہیں، جہاں اللہ کا ولی بستا ہے، وہاں بستی آباد ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن اُس کی شہرت اور اُس سے عقیدت ختم نہیں ہوتی، دنیا کے بڑے بڑے سرداروں، بادشاہوں اور دولت مندوں کو مجلا دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے ولیوں کے مزارات



ہمیشہ مرجعِ خلافت بنے رہتے ہیں۔ آج بغداد شریف، حضورِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مشہور و معروف ہے اور لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے، اجمیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے، پاکپتن شریف حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے، دہلی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، محبوب الہی کی وجہ سے، ملتان حضرت شیخ بہاء الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے، بریلی شریف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اللہ کے ولیوں کے یہ مقام عارضی اور وقتی نہیں بلکہ اللہ فرماتا ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِحُكْمِ اللَّهِ  
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اللہ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے  
یہی بڑی کامیابی ہے۔

(یونس ۶۴)

ولایت خاصہ کے حصول کا اہم ترین اور بنیادی ذریعہ "بنی کریم علیہ السلام کی اتباع و پیروی ہے" جس کے بغیر قرب الہی کا تصور بھی محال ہے۔ کسی بھی ایسے شخص کو ولی جاننا جو شریعت کا پابند اور سنت نبوی کا پیروکار نہ ہو، بڑی گمراہی ہے۔ یہی فیصلہ الہی ہے۔

اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

(العمران ۳۱)

خدا کی محبت اور گناہوں کی مغفرت، ہی تو ولایت ہے اور یہ دونوں دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں۔ پس جو ولایت کا بلند مقام حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے بنی کریم علیہ السلام کی غلامی، پیروی اختیار کرنا ہوگی۔

حصولِ ولایت کا دوسرا حصہ کسی "ولی سے نسبت، اس کی محبت اور اس کی اطاعت ہے۔ ہر فن حاصل کرنے کے لئے صاحبِ فن کا شاگرد بننا،



اُس کی صحبت اختیار کرنا، اُس سے محبت کرنا اور اُس کے بتائے طریقوں پر عمل کرنا لازمی ہے، بغیر اُستاد کے کسی بھی علم فن میں کمال حاصل کر لینا ممکن نہیں۔ ولایت ایک عظیم اور دشوار فن ہے، علم ہے جس کے لئے اُستاد ناگزیر ہے کسی ولی کو اُستاد بنا لینا، اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کا سرید ہو جانا، خدا اور اُس کے رسول کی رضا، خدا تک رسائی، شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْخٌ فَتَيْحٌ  
الشَّيْطَانُ  
جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔ (روح البیان)

پیر را بگزین که بے پیرایی سفر  
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر (منہوی)

حضرت زبیر بن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتے ہو وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو۔ اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا ہو سکے اللہ کے ذکر میں اپنی زبان کو مصروف رکھو، جس سے محبت کرنا اللہ کے لئے کرو، جس سے نفرت کرنا اللہ کے لئے کرو۔

(تفسیر منظرہری)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا "یا رسول اللہ ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جو کسی ولی سے محبت تو کرتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے اُس کے برابر نہیں پہنچ پاتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ  
ہر شخص اُس کے ساتھ ہو گا جس سے اُس کو محبت ہو۔

بہر حال اولیاء کرام سے وابستگی محبت اور اُن کی صحبت اختیار کرنا



شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کا ذریعہ ہے، منزلِ ولایت تک پہنچنے کا راستہ ہے، دنیا و آخرت کی قلاح و بہبود کی ضمانت ہے، ان سے عداوت نفرت، "الامان والحفیظ"

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے:

مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ جَاءَ مِيرَةَ كَسِيٍّ وَوَلِيٍّ مِنْ دُشْمَنِ كَرِيٍّ

اَذْنُتُ بِالْحَرْبِ تُوْمِيسُ اُسُ سِى جِنِك كَا اَعْلَان

کرتا ہوں۔

(مشکوٰۃ شریف)

کون ہے جو خدا سے جنگ کی ہمت کرے، خدا سے جنگ کا مطلب دنیا و آخرت کی تباہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے پس مسلمانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ اللہ کے ولیوں کی صحبت اختیار کریں، ان سے محبت کریں، ان کے دامن سے وابستہ ہوں اور ولیوں سے محبت بھی ایسی ہو کہ:

مرید وہی ہے جو شیخ کے ارادے (مرضی) پر اپنے ارادے کو ختم کر دے اور جس نے بمقابلہ شیخ اپنی رائے پر عمل کیا۔ وہ مرید نہیں

(روح البیان)

ایک اہم بات یہ ہے کہ ولی کو پہچانا کیے جائے تو حق تو یہی ہے کہ "ولی را ولی می شناسد" ولی کو ولی ہی پہچان سکتا ہے یعنی جس کا قلب نورِ ایمان سے منور ہو اور وہ ایمان کی روشنی سے ولی کو تلاش کرے تو اپنا گوہر مقصود تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اگرچہ یہ کام بہت دشوار ہے۔

ولی کو پہچاننا خدا کی پہچان سے زیادہ دشوار ہے کیونکہ خدا کو اُس کے کمالات قدرت اور جمال سے باسانی پہچانا جاسکتا ہے لیکن ولی تو عام انسانوں کی طرح کھاتا، پیتا اور احکام شرع کی پابندی کرتا ہے جب کہ اُس کا باطن فقر کے انوار سے منور و

روشن ہوتا ہے۔ (روح البیان)



لیکن عام طور پر ولی کو اس کے تقویٰ پر بہتر کاری، اتباع سنت، محبت و عشق رسول، پیر کی اطاعت و محبت، مخلوق کے ساتھ اچھا اور نرم برتاؤ، حقوق العباد کی ادائیگی، ان تمام خوبیوں سے پہچانا جاسکتا ہے، ولی کامل کا نصیب ہو جانا بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس نعمت سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ایسے کاموں پر بھی قدرت عطا فرماتا ہے جن کو عام انسان نہ کر پاتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے مردوں کو زندہ کر دینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، آگ میں نہ جلنا، لوگوں کے دلوں کی باتیں بتا دینا، دلوں کی حالت بدل دینا، قبر کے مردوں کا حال دیکھ لینا وغیرہ، ولیوں کے ایسے کاموں کو کرامات کہا جاتا ہے جو شرعاً حق اور سچ ہیں قرآن کریم، احادیث اور واقعات و مشاہدات سے ثابت ہیں، کرامات کے حق ہونے پر امت کا اتفاق رہا ہے سوائے "معتزلیہ" کے کسی نے انکار نہیں کیا۔

آصف برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کے تخت کو مین سے اٹھا کر شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دینا، حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بند کمرے میں بے موسم پھلوں کا آنا، بغیر شوہر کے اُن کا حاملہ ہونا، ولادت سے فارغ ہونے کے بعد خشک درخت پر اُن کے لئے کھجوروں کا آنا، اصحاب کھف کا بغیر کھائے پئے، صدیوں زندہ رہنا، یہ وہ کرامات ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

اور حضرت اُسید و عباد رضی اللہ عنہما کی لاکھٹیوں سے اندھیری رات میں روشنی پھیلنا، حضرت جابر کے والد حضرت عبد اللہ کا غزوہ احد سے پہلے یہ خبر دینا کہ اس غزوے کا پہلا میں شہید ہوں گا۔" اصحیح بخاری ج ۱۱ کے بادشاہ کی قبر سے نوز ظاہر ہونا، روم کے جنگلات میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے لئے شیر کا رہبر بنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہوئے نہاوند شہر میں لڑنے والے لشکر اسلام کا حال دیکھنا اور انہیں سپاڑ



کی طرف متوجہ کرنا، حضرت ساریہ کا نہاوند میں حضرت عمر کی آواز سن لینا، یہ اور اس قسم کی بے شمار کرامات ہیں جن کا ذکر احادیث صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ دور صحابہ کے بعد آج تک امت میں کتنے "ولی پیدا ہوئے۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے ہاں یہ یقینی بات ہے کہ کسی زمانہ میں بھی یہ زمین اولیاء اللہ سے خالی نہ رہے اور نہ رہے گی۔ بے شمار اولیاء کرام ہیں جو آئے اور چلے گئے۔ ان کے حالات زندگی تک محفوظ نہ رہ سکے۔ جن اولیاء کی زندگی کے حالات موجود ہیں ان کی بے شمار کرامات کے واقعات بھی ہمیں معلوم ہیں۔ صرف بات پوری کرنے کی غرض سے یہاں چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ ابو الفضل بن حسن نخلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید خاص اور خلیفہ حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور کا قطب مقرر کرتے ہوئے وہاں جانے کا حکم دیا تو آپ نے عرض کیا۔

"لاہور میں تو پہلے ہی میرے پیر بھائی شیخ حسین زبجانی موجود ہیں تو مجھے وہاں کیوں بھیجا جا رہا ہے؟"

شیخ نے فرمایا:

"تو بروہ دور آنجا ساکن شو ترا پر سیدن حکمت چہ کار" یعنی تم وہاں جا رہے ہو تمہیں حکمت پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت علی ہجویری نے حکم کی تعمیل کی اور لاہور روانہ ہو گئے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ایک جنازہ دیکھا جس کے ساتھ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ یہ شیخ حسین زبجانی کا جنازہ ہے۔ آپ اُس کے ساتھ چلے گئے نماز اور تدفین میں شریک ہوئے اور آپ کو اپنے مرشد کی کرامت کا اندازہ ہوا اور معلوم ہوا کہ مجھے لاہور بھیجنے کی کیا حکمت تھی۔

(خزینۃ الاصفیاء)

۲۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دوران سفر آتش پرستوں کے ایک عبادت خانہ کے قریب پہنچ کر قیام فرمایا۔ یہ آتشگردہ



ایک پرفضا مقام پر تھا اور اس میں زبردست آگ جل رہی تھی۔ شام ہوئی تو اپنے اپنے خادم فخر الدین کو حکم دیا کہ اس آتش کدہ سے آگ مانگ لاؤ اور کھانا پکالو، فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ آگ لینے گئے تو آتش پرستوں نے سختی سے آپ کو آگ دینے سے منع کر دیا۔ آپ نے یہ بات مرشد کو آکر بتائی۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ خود اٹھے اور آتش پرستوں کے پاس تشریف لے گئے اور آتش پرستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”دوستو عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے جس نے ہم سب کو اور اس آگ کو پیدا فرمایا۔ تم پر افسوس کہ تم اس آگ کی عبادت کرتے ہو جس کو تم چلاتے ہو اور پھر وہ تمہیں جلاتی ہے، اگر تم اپنے اس طریقہ کو چھوڑ دو تو جہنم کی آگ سے آزاد ہو جاؤ گے۔“

حضرت خواجہ کی یہ نصیحت سن کر آتش پرستوں پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ ان کا بڑا پجاری کہنے لگا:

”تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو، یہ آگ تو ہماری نجات کا باعث ہے اس کی عبادت چھوڑ کر ہم کیسے نجات پاسکتے ہیں؟“

حضرت خواجہ نے فرمایا:

”اگر واقعی یہ آگ تمہاری نجات کا باعث ہے تو اس میں ہاتھ ڈال کر دکھاؤ اگر وہ نہ جلا تب تو تمہارا خیال درست ہو گا ورنہ تم اپنے عقیدے میں جھوٹے ہو۔“

پجاری یہ سن کر خاموش ہو گیا اس کی گرد میں ایک بچہ تھا اس سے بات کرنے لگا۔ محسوس ہی دیر بعد پولا۔

”آگ کا کام تو جلانا ہی ہے۔“

پجاری کی یہ بات سننے ہی حضرت خواجہ نے اُس کی گود سے بچہ چھینا اور آگ میں کود پڑے۔ سب پجاری حواس باختہ ہو گئے وہ خواجہ صاحب کے لئے تو نہیں اپنے بچے کے لئے پریشان تھے اور خواجہ صاحب کے



ساتھی آپ کے لئے متفکر تھے۔ کافی دیر ہو گئی اور سب نے یقین کر لیا کہ بچہ اور خواجہ صاحب جل چکے۔ آگ اتنی بڑھی اور تیز تھی کہ اس میں کچھ نظر نہ آسکتا تھا۔ اچانک دیکھا کہ خواجہ صاحب اور بچہ دونوں بالکل صحیح سلامت آگے سے باہر نکل رہے ہیں۔ آپ کے جسم یا کپڑوں پر آگ کا اثر تک نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آتش پرست حیران ہو گئے اور خواجہ صاحب سے پوچھنے لگے:-

”آپ کے پاس ایسی کیا چیز ہے جس کی وجہ سے آپ اس آگ سے بچے رہے؟“

آپ نے فرمایا:

”میرے پاس کچھ نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آگ اللہ ہی کے حکم سے جلاتی ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو آگ میں کوئی قوت نہیں، میرا یقین آگ پر نہیں۔ اس کے خالق خدائے وحدہ لا شریک پر ہے۔“

خواجہ صاحب کی اس کرامت اور گفتگو نے سب آتش پرستوں کے دلوں کی حالت بدل دی، وہ مسلمان ہو گئے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۳۔ حضرت عزیز نواز اجمیری خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے قیام اجمیر کے ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ ایک مرتبہ راجہ کے حکم سے آپ کی طرف ایک مست ہاتھی چھوڑ دیا گیا۔ جب آپ کو خطرہ ہوا کہ یہ ہاتھی مجھے اور میرے خادموں کو سخت نقصان پہنچا سکتا ہے تو آپ نے زمین سے تھوڑی مٹی اٹھا کر اس ہاتھی کی طرف پھینکی جس سے یہ ہاتھی پھتر کا ہو گیا اور آج تک اجمیر میں موجود ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ کے سمرقند میں قیام کے زمانہ کی بات ہے کہ آپ ایک مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ جو خواجہ ابو اللیث



سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے قریب مہتی۔ ایک دن کسی شخص نے اعتراض کیا کہ اس مسجد کی سمت قبلہ صحیح نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ مسجد کی سمت قبلہ بالکل ٹھیک ہے، بہت سمجھانے کے باوجود بھی وہ شخص نہ مانا تو حضرت عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کی گردن پکڑی اور کہا،

”لو اب دیکھو“

اس شخص نے دیکھا تو کعبہ بالکل سامنے نظر آیا اور مسجد کی سمت صحیح نکلی، اس شخص نے فوراً توبہ کی اور آپ کا مرید ہو گیا۔

۵۔ ایک دن حضرت خواجہ عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید پریشان حال روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ

”حاکم شہر نے مجھے بلا وجہ شہر سے نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں کہ اب کہاں جاؤں“

آپ نے فرمایا:

”نہ میں تمہارے شہر کے حاکم کو جانتا ہوں اور نہ ہی مجھے یہ علم ہے کہ اس کو تم سے کیا دشمنی تھی مگر مجھے ابھی خبر دی گئی ہے کہ وہ شخص اب دنیا میں نہیں۔ وہ مرید جب واپس اپنے شہر پہنچا تو پتہ چلا کہ حاکم شہر گھوڑے پر سے گرا اور مر چکا ہے۔“

۶۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الہی کی خدمت میں

ایک کیمیاگر جوگی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔

”آپ کے لنگر خانے کا خرچ بہت ہے۔ میں آپ کو سونا، چاندی بنانا سکھائے دیتا ہوں۔ پھر آپ کو کوئی دشواری نہ ہوگی؛“

آپ نے فرمایا مجھے سونے، چاندی کی کیا ضرورت ہے۔ میں جس چیز پر نظر ڈالتا ہوں وہ سونا، چاندی بن جاتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے ایک ڈھیلا اٹھایا اور پتھر پر پارا وہ فوراً خالص سونا بن گیا۔ آپ نے جوگی سے فرمایا



لو اس کو لے جاؤ اور اپنی ضرورت پوری کر دو جوگی آپ کی یہ کرامت دیکھ کر  
مسلمان ہو گیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۷۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی کا ایک  
بال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا جس کو آپ نے  
بصورت تعویذ محفوظ کر لیا تھا۔ اس بال سے بہت مریضوں کو شفا حاصل ہوتی  
تھی اور بہت سے لوگوں کے بگڑے کام بن جاتے تھے۔ لیکن اس کی خاص کرامت  
یہ تھی کہ اگر کسی کا کام بننا یا کسی کو شفا ملنا نہ ہوتی تو یہ بال اپنی جگہ سے غائب  
ہو جاتا تھا اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ کو تلاش کے باوجود نہ  
ملتا تھا۔ اور اگر کسی کا کام بننا ہوتا تھا اور کسی مریض کے لئے صحت یاب ہونا  
علم الہی میں مقدر ہوتا تھا تو وہ بال مل جاتا تھا اور خواجہ صاحب ضرورت مند کو  
دیا کرتے تھے اور اُس کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

۸۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں ایک  
بوڑھی روتی ہوئی آئی اور عرض کرنے لگی۔

”حضور میرا نو برس کا بچہ مدت سے غائب ہے۔ ہر طرح کی کوشش کی چکی  
ہوں لیکن نہ مل سکا۔ آج آپ کے دربار میں فریاد لے کر آئی ہوں۔ اگر آپ توجہ  
فرمائیں تو مجھے یقین ہے کہ میرا جگہ گوشہ مل جائے گا“  
خواجہ صاحب نے بوڑھی کی فریاد سن کر محضوڑھی دیر مراقبہ کیا اور فرمایا:  
”ماٹی گھر جا تیرا بچہ مل جائے گا“

بوڑھی گھر پہنچی تو بچہ پہلے سے ہی موجود تھا بچے نے بتایا کہ مجھے کوئی پکڑ کر  
روم لے گیا تھا۔ آج ایک شخص مجھے ستر سے باہر لے آیا اور کہنے لگا اپنی آنکھیں  
بند کرو۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کیں کچھ دیر کے بعد کھولیں۔ تو میں اپنے گھر میں تھا۔  
چند معروف اولیاء کرام کی کرامتوں سے متعلق یہ چند واقعات بطور نمونہ  
پیش کئے گئے جو اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے لئے کافی ہیں کہ اولیاء کرام کی  
کرامات حق ہیں۔ لیکن جہاں کرامات کا ذکر ہو وہاں اُس وقت تک بات مکمل



نہیں ہوتی جب تک کہ سید الاولیاء حضرت عوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر  
جیلانی رضی اللہ عنہ کی کرامات کو بیان نہ کیا جائے۔ علماء کا اس حقیقت پر اتفاق ہے  
کہ حضور عوث پاک رضی اللہ عنہ کی کرامات تمام اولیاء سے زیادہ اور بیشتر ہیں  
اور معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں۔ امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ:  
”حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی کرامات حد تو اتنے کو پہنچ  
گئی ہیں“

بہر حال بات پوری کرنے اور برکت حاصل کرنے کی غرض سے یہاں چند  
کرامات بیان کی جاتی ہیں۔

۹۔ ایک مرتبہ سیدنا عوث اعظم رضی اللہ عنہ چند خدام کے ہمراہ سوئیز کے  
قبرستان میں فاسخ خوانی خوانی کے تشریف لے گئے۔ ہر قبر پر تھوڑی تھوڑی  
دیر ٹھہرے لیکن شیخ حماد الدباس رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر آپ بہت دیر تک  
کھڑے رہے، جب آپ وہاں سے چلے تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار  
تھے۔ خدام نے عرض کیا

”سیدنا شیخ حماد کی قبر پر اتنی دیر ٹھہرنے کا کیا سبب ہے؟“

آپ نے فرمایا، یہ آج سے بائیس سال پہلے ۱۵ شعبان المعظم ۱۹۹۹ھ کی بات  
ہے کہ میں، شیخ حماد اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے جا رہا تھا  
جب ہم دریا کے پل پر پہنچے تو شیخ حماد نے دھکا دے کر مجھے پانی میں گرا دیا،  
اسی وقت سخت سردی کا موسم تھا اور دریا کا پانی برف کی طرف ٹھنڈا تھا میں  
نے گمے گمے گمے غسل جمعہ کی نیت کر لی، چند کناہیں میرے پاس تھیں وہ میں نے  
ہاتھ اور پنجا کر کے بھگنے سے بچائیں، باہر نکل کر میں نے اپنا جبہ نچوڑ کر پہن لیا۔  
لیکن سردی سے مجھے بہت تکلیف ہوئی، میرے ساتھیوں نے مجھے پھر پانی  
میں گرا کر انا چاہا لیکن شیخ حماد نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ:  
”میں نے تو ان کو امتحان کے لئے گرایا تھا مجھے معلوم ہے کہ ان میں پہاڑ کی  
سی استقامت ہے“



عوث پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ وقت تو گزر گیا مگر آج میں شیخ  
حماد کی قبر پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ بہشتی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ سر پر تاج اور پاؤں  
میں سونے کی نعلین ہے لیکن ایک ہاتھ مثل ہے، میں نے آپ سے اس ہاتھ  
کے مثل ہونے کا سبب پوچھا تو آپ نے بتایا کہ میں نے تمہیں دھکا دے کر  
اسی ہاتھ سے پانی میں گرایا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بیکار کر دیا ہے  
اب خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میں نے کہا میں دل سے آپ کو معاف  
کرتا ہوں۔ پھر شیخ نے کہا۔ اب خدا سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ درست کر دے  
میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو پانچ سو اولیاء اللہ نے میری دعا پر آمین  
کہا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ شیخ حماد کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ پھر  
انہوں نے اسی ہاتھ سے مجھ سے مصافحہ کیا اور میں زحمت ہوا۔ اسی لئے مجھے  
اُن کی قبر پر زیادہ دیر مٹھنا پڑا اور اب میں بہت خوش ہوں۔

۱۰۔ ابو الفضل احمد بن قاسم قرظی فرماتے ہیں کہ سید می شیخ عبدالستار جیلانی  
رضی اللہ عنہ بہت قیمتی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے  
ایک خادم نے مجھ سے کہا میں ایک ایسا کپڑا خریدنا چاہتا ہوں جس کی قیمت  
ایک دینار ہو نہ کم نہ زیادہ۔ چنانچہ میں نے اُس کو ویسا ہی کپڑا دے کر پوچھا کہ تم  
نے اتنا منگنا کپڑا کس لئے خریدا ہے؟ اُس نے کہا ”اپنے شیخ کے لئے“ اُس وقت  
مجھے خیال آیا کہ جب حضرت شیخ اتنا قیمتی لباس پہنیں گے تو پھر خلیفہ کون سا کپڑا  
خریدے گا۔ یہ خیال آنا ہی تھا کہ میرے پیر میں اتنے زور کی ایک کیل چھی۔ کہ  
مجھے اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے ملازم کیل نکالنے جمع ہو گئے۔ لیکن  
جب وہ کیل کسی سے نہ نکلی تو میں نے کہا کہ مجھے حضرت شیخ کی خدمت میں لے  
چلو۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو ابھی میرے متعلق آپ سے کسی نے  
کوئی بات بھی نہ کی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا:

”ابو الفضل یہ کپڑا موت کا کفن ہے اور ایک ہزار موتوں کے بعد موت  
کا کفن بہت زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے۔“



یہ کہہ کر آپ نے اپنا دست مبارک میرے پیر پر لگایا، ہاتھ لگتے ہی کیل  
میرے پاؤں سے نکل گئی اور غائب ہو گئی۔ ساتھ ہی میرا درد بھی بالکل ہی ختم  
ہو گیا۔ لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ کیل کہاں سے آئی تھی اور کہاں غائب ہو گئی۔ میں  
نے آپ سے اپنے برے خیال کی معافی چاہی اور واپسی کے لئے اٹھا تو آپ  
نے فرمایا:

”ہم پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والے کو ایسی ہی کیلوں سے واسطہ

پڑتا ہے“

۱۱۔ خضر الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ۵۶ھ میں ایک دن مجھ سے  
شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا

”متموصل چلے جاؤ وہاں اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد عطا فرمائے گا، پہلے لڑکا  
ہوگا اُس کا نام محمد رکھنا، اس لڑکے کو ایک عجیبیابنا حافظ قرآن کی تعلیم  
دے گا۔ جس کا نام علی ہوگا اور تیرا بچہ سات برس کی عمر میں صرف سات مہینے  
کے اندر قرآن شریف حفظ کر لے گا۔ اور تیری عمر چورانوزے سال، چھ مہینے  
اور سات دن ہوگی اور تمہاری موت صحت و تندرستی کی حالت میں بابل کے  
مقام پر ہوگی“

خضر الحسینی کے صاحبزادے ابو عبد اللہ محمد نے بیان کیا کہ میری پیدائش  
۵۶ھ میں موصل میں ہوئی، میرے والد نے مجھے قرآن کریم پڑھانے کے لئے  
ایک نابینا حافظ کو مقرر کیا۔ جن کا نام علی اور وطن بغداد تھا۔ اُس وقت میرے  
والد کو حضرت شیخ کا ارشاد یاد آیا، میرے والد کی وفات بھی حضرت شیخ کی بیان  
کردہ عمر کے مطابق ۶۲۵ھ کو بابل کے مقام پر ہوئی اُس وقت آپ  
بالکل تندرست اور باہوش و عاقل تھے۔

بہر حال مقام ولایت انسانیت کا عظیم مرتبہ ہے جو خدا کے قرب، اُس کی  
محبت، دنیا کی عزت و عظمت اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ مرتبہ ہر اُس  
مسلمان کو نصیب ہو سکتا ہے جو شریعت کا پابند، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم



کا پیر و کار ہو، عاشقِ رسول ہو، اولیاءِ کرام کے دامن سے وابستہ ہو، اُن کی صحبت  
 اُن کی عزت و عظمت کو اپنے لئے باعثِ رحمت و برکت جانتا ہو، اللہ ہر مسلمان  
 کو اس مقام کے حصول کی توفیق و بہمت عطا فرمائے آمین۔

اولیاءِ راہست قدرت از الہ

بیرحبتہ بازگرداند ز را ہ









تو مرزائیوں کا ایک گروہ مرزا کو صرف مجدد مانتا ہے جب کہ دوسرا گروہ مسیح اور نبی مانتا ہے اور مندرجہ ذیل عبارتوں کی وجہ سے ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مرزا نے مسیحیت اور نبوت ہی کا دعویٰ کیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ میں کوئی نیانی نہیں مجھ سے پہلے سینکڑوں نبی اچکے ہیں۔

(الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء)

۲۔ میں اُس خدا کی قسم کہہ کہ کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۴۸)

۳۔ خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اُس کے رسول کی تخت گاہ

ہے۔ (دافع البلاء ص ۱)

۴۔ سچا رسول وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

(دافع البلاء ص ۱)

۵۔ دوسرے وہ نبی اور مامور من اللہ جو سلسلے کے آخر میں آتے

ہیں۔ جیسے کہ سلسلہ موسویہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سلسلہ

محمدیہ میں یہ عاجز (مرزا غلام احمد) (تذکرۃ الشہادۃ ص ۴۸)

۶۔ سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت

سے کابل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے

برگزیدوں کو دی گئی تھی (یعنی نبوت) (حقیقۃ الوحی ص ۴۲)

یہ چند حوالہ جات سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ مرزا نے نبوت کا دعویٰ

کیا یا نہیں ہاں مرزا جی کی کچھ عبارتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ اس نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن اپنے اس دعوے کی تردید

مرزا نے خود ہی کر دی۔



”اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو عیسیٰ ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقررین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کی جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح کہ ایک پہلو سے نبی اور اور ایک پہلو سے امتی“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۹-۱۵۰)

اس عبارت سے مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ مرزا جی نے ایک دم نبوت کا دعویٰ نہیں کیا بالفاظ دیگر وہ ایک دم پاگل نہیں ہوئے تھے بلکہ بیماری تدریج شروع ہوئی اور تقریباً ۱۹۰۱ء میں اپنے کمال کو پہنچ گئی جس کا اندازہ اس عبارت سے ہوتا ہے۔

”مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی“ (اعجاز احمدی ص ۱۰۰)

میری اس بات کی تائید مرزائیوں کے امام میاں محمود احمد صاحب کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

”۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا صاحب) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے“ (حقیقۃ النبوة از میاں محمود احمد ص ۱۲۱)

غرضیکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت ثابت ہے مرزائیوں کا ایک گروہ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے حقیقت حال پر پردہ ڈالتے ہوئے مرزا کو نبی نہیں بلکہ صرف مجدد، راستباز اور مصلح مانتا ہے لیکن میں اس گروہ کے خیال کی تردید خود نہیں کرتا بلکہ انہیں کی برادری،



کے مولوی ابو العطار صاحب جالندھری کی ایک عبادت پیش کرتا،  
ہوں۔

”تمام الہامات سے آپ (مرزا) کا نبی اور رسول ہونا نہایت واضح ہے اب حضرت اقدس (مرزا) کی نبوت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے کلام کو اس کے مسیح کے کلمات کو جھٹلایا جائے اور میں یقین کرتا ہوں کہ کوسپا احمدی اس کی جرأت نہیں کر سکتا“

(مباحثہ راولپنڈی ص ۱۴۱)

ذرا مرزاہوں کے امام اور غلام احمد کے صاحبزادے میں محمود احمد صاحب کی بھی سنیے۔

۱۔ ہم مرزا غلام احمد صاحب کو وہ امام مہدی اور مسیح مانتے ہیں جس کی خبر تمام انبیاء سابقین نے اور بالآخر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین نے دی ہم بغیر کسی فرق کے بلحاظ نبوت کے انہیں ایسا ہی رسول مانتے ہیں جیسے کہ پہلے رسول مبعوث ہوتے رہے۔ (انبار الفضل قادیان جلد ۵ نمبر ۲۱ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۱۴ء)

۲۔ ایک دفعہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور سوال کیا قرآن کریم سے مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت پیش کریں ایسے لوگ اکثر آتے رہتے ہیں میں نے کہا کہ سارا قرآن ہی آپ کی صداقت

کا ثبوت ہے۔ (انبار الفضل قادیان جلد ۲۶ نمبر ۲۱ مورخہ ۵ فروری ۱۹۲۳ء)  
جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت کا تھا اور اس کے متبعین اس کو نبی ہی جانتے ہیں تو اب وہ تمام مسلمان جو مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں یا اس کی نبوت کا انکار کرتے ہیں یا نہ کافر کہتے ہیں اور نہ اس کو نبی مانتے ہیں تینوں قسم کے مسلمان مرزا جی اور اس کے گروہ کے نزدیک کافر ہوں گے کیونکہ مرزا جی نے تو نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کا منکر کافر ہی ہوتا ہے اسی لئے میرا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا غلام احمد اور اس



کے متبعین کے نزدیک ”تمام مسلمان کافر ہیں“ میں اپنے اس دعوے کو مرزا اور اس کے گروہ کی تحریروں سے مزید ثابت کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

۱۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کو نہ مانتے والے کافر ہیں یا نہیں

حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا مولویوں سے جا کر

پوچھو کہ ان کے نزدیک جو مسیح اور مہدی آنے والا ہے اس کو

جو نہ مانے گا اس کا کیا حال ہے بس میں وہی مسیح اور مہدی ہوں

جو آنے والا تھا۔ (بدھ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

عبادت کا مفہوم واضح ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے نزول کا منکر کافر ہے اسی طرح مرزا جی کو جو نہ مانے وہ بھی کافر ہے

کیونکہ مرزا جی کے خیال کے مطابق وہی تو خود حضرت مسیح ہیں اس سے بھی

زیادہ واضح عبارت ملاحظہ ہو۔

۲۔ بروہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے

قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۳)

اس عبارت نے معاملہ بالکل ہی صاف کر دکھایا عبارت میں دعوت

اور قبول کے الفاظ بہت قابل غور ہیں یعنی اگر کسی نے مرزا جی کو صرف مجدد یا مصلح

مانا تو وہ بھی کافر ہی ہوگا کیونکہ مجدد نہ تو اپنے مانتے کی دعوت دیتا ہے اور

نہی اس کو قبول نہ کرنے والا کافر ہوتا ہے ”مانو تو نبی مانو ورنہ کافر“

صرف مجدد یا مصلح مانتے سے نجات نہیں ہو سکتی۔

۳۔ فان اذالك المظہر الموعود والنور المعہود فامن ولا تکن من الکفرین

ترجمہ: میں مظہر موعود اور نور معہود ہوں تو مجھ پر ایمان لا اور انکار نہ کرے۔

کافروں میں سے نہ بن۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۶۸)

یہ مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی جس پر مرزا صاحب کے خدا نے فیصلہ

سنا دیا کہ جو کوئی مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے اب غور کیجئے

یہ تو خدا فی فیصلہ ہے اب جو مرزائی غیر مرزائی کو مسلمان کہتا ہے وہ یا تو اپنے



نبی اور خدادونوں کا باغی ہے اور یا مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہے مزید فتویٰ ملاحظہ ہو۔

۴۔ جیسا کہ مؤمن کے لئے دوسرے احکام الہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعثت ہیں۔ (تحفہ گوڑویہ ص ۱۵۴)

یہ دو بعثت والی بات بھی بڑی عجیب ہے اور اس سے زائد عجیب یہ کہ مولوی ابو العطا صاحب جالندھری مناظر جماعت احمدیہ فرماتے ہیں ۱۔ کہ حضرت مسیح موعود کی آمد درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے۔ (مباحثہ راز پلنڈی ص ۲۲۱)

مطلب واضح ہے کہ جس طرح نبی کریم علیہ السلام کا منکر کافر ہے اسی طرح ان کی بعثت ثانیہ (مرزا صاحب) کا منکر بھی کافر ہے یہ بات علیحدہ قابل غور ہے کہ مرزا جی حضور علیہ السلام کی بعثت ثانیہ کیسے بنے جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے غلاموں نے اپنی جان کی بازی لگا کر اسلام کی حفاظت کی اور مرزا جی نے چند پیسوں کی خاطر اسلام کو مٹانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اچھا ابھی دیکھیے یہ کفر کی مستین کتنی تیز ہے۔

۵۔ مجھے کافر کہنے والا بہر حال منکر بھی ہوگا اور جو شخص اس دعوے (نبوت) سے منکر ہے وہ بہر حال کافر ٹھہرے گا۔ (براہین پنجم ص ۱۰ طبع دوم)

۴۔ بہر حال کسی کے کفر اور اس پر اتمام حجت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے ہاں چونکہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے اس لئے ہم منکر کو مؤمن نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مؤاخذہ سے بری ہے اور کافر کو منکر ہی کہتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۹)

ان دونوں عباراتوں سے واضح ہو گیا کہ کوئی شخص مرزا صاحب کو کافر



کہتا ہو یا ان کی نبوت کو نہ مانتا ہو کافر ہے مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔  
 ۷۔ یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام  
 اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور کذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو  
 بلکہ چاہیے کہ تمہارا امام ذہبی ہو جو تم میں سے ہو اسی کی طرف ،  
 صحیح بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ ” اما لکم منکمہ “  
 یعنی جب مسیح نازل ہوگا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوائے  
 اسلام کرتے ہیں۔ ترک کرنا پڑے گا اور تمہارا امام تم میں سے  
 ہوگا پس تم ایسا ہی کرو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا الزام تمہارے  
 سر پر ہو اور تمہارے عمل ضبط ہو جائیں اور تمہیں کچھ خبر

نہ ہو۔ (اربعین ۲ ص ۲۸)

کیسی سفاکی سے ظالم نے تمام مسلمانوں کو کافر کہا اور اپنی بوالہوسی کو  
 خدائی فیصلہ قرار دیا اور پھر حضور علیہ السلام کی حدیث کو اپنا مقصد حاصل کرنے  
 کے لیے استعمال کیا اور واضح الفاظ میں اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں  
 سے بالکل انقطاع کر لیں ان کے پیچھے نماز تک نہ پڑھیں اس فتوے کی وضاحت  
 کے لیے مزید عبارت ملاحظہ ہو۔ (بدر بخوالہ فتاویٰ مسیح موجود ص ۲۵)

۸۔ جہاں ایسی صورت ہو کہ لوگ ہم سے اجنبی اور ناواقف ہوں  
 تو ان کے سامنے اپنے سلسلے کو پیش کر کے دیکھ لیا کرو اگر تصدیق  
 کریں تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو ورنہ ہرگز نہیں اکیلے پڑھ  
 لیا کرو۔ پھر لکھا ہے :

۹۔ مؤرخ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء کو سید عبداللہ عرب نے سوال کیا کہ میں  
 ملک عرب کو جاتا ہوں وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں  
 یا نہ پڑھوں فرمایا کہ مصدقیں کے ماسوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو  
 عرب صاحب نے عرض کیا کہ وہ لوگ حضور کے حالات سے ،  
 واقف نہیں ہیں اور ان کو تبلیغ نہیں ہوئی ، فرمایا ان کو پہلے تبلیغ کرو



دینا پھر یا وہ مصدق ہو جائیں گے اور یا مکذب (الحکم ۲۱ ستمبر ۱۹۰۱ء)  
ان دونوں عبارتوں نے یہ مسئلہ تو واضح کر ہی دیا کہ مرزائی غیر مرزائی  
کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن آخری عبارت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کفر  
کا پھرا صرف ہندوستان میں ہی نہیں چلا ہے بلکہ ساری دنیا حتیٰ کہ عرب  
کے مسلمانوں کا بھی صفایا ہو گیا اس طرح مرزائیوں کے نزدیک دنیا میں کوئی  
حکومت اسلامی نہیں بلکہ کعبہ مقدس اور مسجد نبوی پر بھی قابض ہیں (العباد باللہ)  
یہاں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ اختلاف عقیدہ نہیں بلکہ اختلاف امت  
ہے کہ پہلے ان کو تبلیغ کروا کر وہ مصدق ہوں تو امتی ہیں تم میں سے ہیں تم ان  
کو اپنا امام بنا لو لیکن اگر مکذب ہیں تو غیر امتی ہیں کافر ہیں پھر تم ان کے پیچھے کیسے  
نماز پڑھ سکتے ہو۔

۱۰۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ الحمد سے لے کر والناس تک سارا  
قرآن چھوڑنا پڑے گا پھر سوچو کیا میری تکذیب کوئی آسان امر  
ہے یہ میں خود نہیں کہتا خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو  
مجھے چھوڑے گا وہ میری تکذیب کرے گا وہ زبان سے نہ کرے  
مگر اس نے اپنے عمل سے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور  
خدا کو چھوڑ دیا۔ (الحکم ۱۱ مارچ ۱۹۰۲ء)

اس عبارت میں مرزا جی نے یہ بتا دیا کہ خدا سے تعلق قائم کرنے اور عبادتوں  
کے قبول ہونے کے لیے ہر مسلمان کو مرزا جی پر ایمان لانا ضروری ہے۔  
جس نے مرزا جی کا دامن چھوڑ دیا اب وہ کچھ بھی کرے نہ اس کو خدا علیٰ گاہ اور  
اس کی نجات ہوگی اب ظاہر ہے کہ جب مرزائیوں کے علاوہ تمام مسلمان  
کافر ہیں تو ان کو کیسے امام بنایا جاسکتا ہے یہی نہیں حکم یہ فتویٰ بھی دے دیا گیا  
کہ غیر مرزائی کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے۔

۱۱۔ سوال ہوا کہ جو آدمی سلسلہ (مرزائی) میں داخل نہیں اس کا جنازہ  
پڑھایا جائے یا نہیں؟ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ اگر اس سلسلہ



کا مخالف تھا اور ہمیں برا کہتا تھا اور سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ  
 پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ  
 پڑھ لینا جائز ہے بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو،  
 ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ (ڈاڑی حضرت مسیح موعود ص ۱۲۶)

دنیا کے تمام مسلمان اس قدر اچھوت ہیں کہ اگر وہ مرزا صاحب کی نبوت  
 کا اقرار نہ کرتے ہوں تو ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاسکتی اور مرزا صاحب  
 اس معاملے میں خود اتنے سخت تھے کہ انہوں نے اپنے اس فتوے  
 پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

۱۲۔ آپ کا اپنا بیٹا فوت ہو گیا آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا حالانکہ  
 وہ حضرت مسیح موعود کو کبھی بُرا نہ کہتا تھا لیکن چونکہ بیعت نہ کی  
 تھی آپ نے جنازہ بھی نہ پڑھا حالانکہ آپ پر اپنے بیٹے کا جنازہ  
 فرض تھا مگر پھر بھی باوجود کہا جانے کے انکار کر دیا۔

(منقول از مباحثہ ص ۲۴۷)

اگرچہ یہ تکفیر کی عبارتیں مرزا صاحب کی کتابوں میں بہت ہیں لیکن میں  
 نے ان چند عبارتوں کو نقل کر دیا جن سے اس بات کا یقین کر لینا بہت آسان  
 ہے کہ مرزا غلام احمد نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر کہا اور اس وجہ سے  
 کسی مسلمان کو امام بنانے یا اس کی نماز جنازہ پڑھنے یا کسی مسلمان امام کے  
 پیچھے نماز جنازہ تک پڑھنے کی ممانعت کر دی کفر کا یہ فتویٰ اور اس میں سختی  
 صرف مرزا غلام احمد کے زمانے ہی میں تھی بلکہ ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے  
 اور اسی بنیاد پر آج کل کے مرزائی بھی اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے اسی  
 لیے وہ غیر مسلموں کے دوست بن جاتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں لیکن  
 مسلمانوں سے کوئی ہمدردی کا برتاؤ کرنا گوارا نہیں کرتے اب ذرا مرزا  
 صاحب کے خلفاء کے فتوے بھی ملاحظہ ہوں بیان کیا ہے دیکھیں۔  
 حکیم فضل الدین مرزا صاحب کے اولین صحابی تھے ان سے سوال ہوا۔



پھر کیا وجہ ہے کہ احمدی کے پیچھے خواہ وہ کیسا ہی نماز پڑھ لینی چاہیے اور غیر احمدی کے پیچھے اگرچہ وہ پابند صوم و صلوة ہوں باز منع ہے۔ اقول وباللہ التوفیق اصول اسلام کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے حدیث شریف میں آیا ہے صلوا خلف کل سر و فاجر اس واسطے احمدی کے پیچھے جائز ہے صلوا خلف کل کافر نہیں آیا اس لئے غیر احمدی کے پیچھے جائز نہیں (بدرد ۱۶ اپریل ۱۹۰۸ء)

کتنا صاف فتویٰ ہے کہ مرزا جی کو ماننے والا چاہے فاسق و فاجر ہو حدیث نبوی کے مطابق امام بن سکتا ہے کیونکہ وہ بہر حال مرزا جی کا امتی ہونے کی وجہ سے مسلمان ہے لیکن حضور علیہ السلام کا امتی کتنا ہی متقی پر ہیزگار ہو اس کو امام کیسے بنایا جاسکتا ہے وہ تو ایک دوسری امت کافر ہے لہذا کافر ہے اور کافر کیسے امام ہو سکتا ہے۔ اب محمد علی صاحب جو مرزا جی کے خلیفہ تھے ان کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو۔

غیر احمدیوں کے پیچھے ایسی جگہ جہاں احمدیوں پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتا۔ (پیغام صلح ۲۴ مارچ ۱۹۱۳ء)

دنیاکا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہ دیا گیا ہو لہذا کہیں بھی کسی امام کے پیچھے مرزائی نماز ادا نہیں کر سکتے اس فتوے کی مزید وضاحت مرزا جی کے خلیفہ اول فرماتے ہیں:-

میں اس سوال سے تعجب کرتا ہوں کہ تم اس میت کے ساتھ کھڑے ہو کر یہ دعا کہو گے کہ اللہ تیرا ایک روزہ ہمارے زمانہ میں آیا اس نے تیرا پیغام سب لوگوں کو پہنچایا اس نے اس پیغام کی پروانہ کی اس کو لغو قرار دیا، یا اس کا انکار کیا اور اس طرح تیرے رسول (مرزا) کو مغتری قرار دیا اس واسطے تو اس کو بہشت نصیب کر یہ ایک بہت ہی ہودہ بات ہے



ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ احمدی کس طرح غیر احمدی کا جنازہ  
پڑھ سکتا ہے۔ (بدر ۲۲، اگست ۱۹۱۲ء)

عبارت کا مفہوم واضح ہے کہ نماز جنازہ میت کے لئے دعا ہے  
اور جو مردہ مرزا جی پر ایمان نہیں رکھتا ہے اس کے لئے کس طرح دعا  
کی جاسکتی ہے وہ تو ضرور دوزخی ہوگی اس کے لئے بہشت کی دعا سے کیا،  
فائدہ۔ مولوی نور الدین خلیفہ اول قادیان کی بھی سنئے۔

ایمان بالرسول اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہو  
سکتا اور اس ایمان بالرسول میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے خواہ وہ  
بن پہلے آئے یا بعد میں آئے ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک  
میں کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے ہمارے مخالف ،  
حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں اب بتاؤ یہ  
اختلاف فروعی کیوں کہ ہوا قرآن مجید میں تو لکھا ہے لا نفرقا  
بین احد من رسلہ لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار میں تو تفرقہ  
ہوتا ہے (الحکم ۲۱، ۲۸ فروری ۱۹۱۱ء)

خلیفہ صاحب پھر فرماتے ہیں ۱۔

اگر خدا کا کلام بیچ ہے تو مرزا صاحب کے ماننے کے بغیر نجات  
نہیں ہو سکتی۔ (اخبار بدر قادیان ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء)

خلیفہ اول کے فتوے کے بعد مرزا صاحب کے صاحبزادے اور قادیان  
کے خلیفہ میاں محمود احمد صاحب کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو ۱۔

ہر ایک شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا وہ نہ صرف  
کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(مکتبہ الفضل ریویو آف دینیہ جرنل)

مزید فرمایا ۱۔ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں  
ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو



کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت ص ۲۵)  
 پھر فرمایا۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر سمجھیں (تقریر انوارِ خلافت)  
 پھر مزید فرمایا۔ نہ صرف اس کو جو آپ کو کافر تو نہیں کہتا مگر آپ  
 کے دعوے کو نہیں مانتا کافر قرار دیا گیا ہے بلکہ وہ بھی جو آپ کو  
 دل سے سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن  
 ابھی بیعت میں کچھ توقف ہے اُسے کافر قرار دیا گیا ہے۔

منقول از مباحثہ ۲۵۲

ان عبادتوں پر خود کرنے کے بعد اندازہ کیجئے کہ کون دائرہ اسلام میں  
 رہا گو یا مرزائی اسلام کے ایسے ٹھیکدار ہیں کہ ان کے نبی کی نبوت کا اقرار کیے  
 بغیر کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا بہر حال یہ بات واضح ہوئی کہ تمام مسلمان  
 کافر ہیں (العباد باللہ) تو اب ان کے ساتھ سلوک بھی تو کافروں جیسا  
 ہی ہوگا اس کا اندازہ لگانے کے لئے ذرا مندرجہ ذیل فتووں کو خود سے  
 پڑھیے۔

۱۔ سوال کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہو یہ کہنا  
 جائز ہے کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے۔ (ردشن علی محمد سردر قادیان)  
 جواب ۱۔ غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کے لئے  
 دعائے مغفرت جائز نہیں۔ (اخبار الفضل ۸-۵۶-۷ فروری ۱۹۲۱ء)  
 ۲۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ خواجہ بیچے کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے  
 وہ تو معصوم ہوتا ہے اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ بچہ جوان ہو کہ احمدی ہوتا  
 فرمایا جس طرح عیسائی بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا اگرچہ وہ معصوم ہی  
 ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا جنازہ بھی نہیں  
 پڑھا جاسکتا

۱۹۲۲

(میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی ڈائری، اخبار الفضل قادیان ۱۰-۳۲-۲۲، اکتوبر)

۳۔ بہ اطلاع لفظ آگما، امثالہ کا حاتم سے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح



غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں آئندہ احتیاط کی جایا کرے۔

(ناظر امور عامہ قادیان اخبار الفضل قادیان ۳۰-۳۱-۳۲ فروری ۱۹۲۳ء)  
۳- حضرت مسیح موعود کا حکم اور نہ بدست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو  
اپنی لڑکی نہ دے اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے  
(برکات خلافت ص ۷۵)

۵- اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیے۔ اگر ملے تو بیشک لے لو لینے  
میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔ (مرزا غلام احمد الحکم ۳۱ اپریل ۱۹۰۸ء)  
۴- جو شخص اپنا رشتہ (لڑکی) غیر احمدی لڑکے کو دیتا ہے میرے نزدیک  
وہ احمدی نہیں کوئی شخص کسی کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے اپنی لڑکی اس کے  
نکاح میں نہیں دے سکتا۔

سوال جو نکاح خواں ایسا نکاح پڑھا دے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔  
جواب ایسے نکاح خواں کے متعلق ہم وہی فتویٰ دیں گے جو اس شخص  
کی نسبت دیا جاسکتا ہے جس نے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح ایک عیسائی  
یا ہندو لڑکے سے پڑھا دیا ہو۔

سوال کیا ایسا شخص جس نے غیر احمدیوں سے اپنی لڑکی کا رشتہ کیا  
ہے دوسرے احمدیوں کو شادی میں مدعو کر سکتا ہے؟  
جواب ایسی شادی میں شریک ہونا بھی جائز نہیں۔

(ڈاڑھی میاں محمود احمد صاحب اخبار الفضل ۸۸-۸۹-۹۰ مئی ۱۹۲۱ء)  
۷- چونکہ مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی اپنی لڑکیوں کے رشتے غیر احمدیوں کو  
دینے میں اس لئے ان کو حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ  
اللہ بنصرہ کی منظوری سے جماعت سے خارج کیا جاتا ہے اور وہاں  
کی جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان سے قطع تعلق رکھیں۔

(ناظر امور عامہ قادیان اخبار الفضل ۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸ دسمبر ۱۹۲۳ء)  
۸- ایک دوست نے دریافت کیا کہ تیمم اور بیواؤں کے لئے لوگ پختہ مانگتے



ہیں اس امر میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ (میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے)  
فرمایا دوسرے لوگوں (مسلمانوں) کے ساتھ مل کر چندہ دینے کی  
ضرورت نہیں ہے۔ یہ چندہ نہیں۔

(اخبار الفضل قادیان - ۱ - ۲۵ - ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء)

دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے مرزا غلام احمد اور اس  
کے پیلوں نے جو کچھ لکھا ہے میں نے یہاں اس کا ایک چھوٹا حصہ نقل کیا ہے  
جس کو غور سے سننے کے بعد آپ نے سمجھ لیا کہ مرزا غلام احمد، اس کے  
صحابی ادل، خلیفہ ادل اور خلیفہ ثانی سب ہی مسلمانوں کو کافر کہتے اور  
سمجھتے ہیں اور اس معاملے میں اتنے سخت ہیں کہ ان کے نزدیک کسی مسلمان  
امام کی اقتدار، کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہونا، کسی مسلمان  
کو اپنی لڑکی دینا جائز نہیں بلکہ مسلمان بچے کا جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں ہے  
اور کسی ایسے شخص کے یہاں شادی میں شریک بھی نہیں ہو سکتے جو کسی غیر  
احمدی سے اپنا رشتہ کرے۔ اب غور کیجئے کہ ہم مرزا صاحب ان کے  
صحابی اور خلفاء کی بات مانیں یا مرزائیت کے اس گروہ کے دعوے میں آئیں  
جو مسلمانوں کو اپنے فریب میں مبتلا رکھنا چاہتا اور مرزائیت سے پورا پورا  
فائدہ اٹھاتا ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ۔

”مرزائیت لاہور کی ہو یا قادیان کی دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔  
ہمارے لئے دونوں برابر ہیں“

بلکن آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عام طور پر مرزائی  
ہمیں مسلمان ہی کہتے ہیں حالانکہ جب ان کی کتابوں میں کثرت سے ہمیں کافر  
لکھا گیا ہے تو وہ ہمیں مسلمان کیوں کہتے ہیں تو اس کا جواب بھی میں مرزائیوں  
ہی کی ایک کتاب سے کیئے دیتا ہوں۔

اس جگہ دائرہ اسلام کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دائرہ  
اسلام حقیقی ہے اور ایک دائرہ اسلام محض رسمی پس حضرت



مسیح موعود کے منکر حقیقی دائرہ اسلام سے خارج ہوں گے  
نہ کہ رسمی دائرہ اسلام سے اسی لیے ہم ان کو مسلمان کے نام  
سے یاد کرتے ہیں اور کہیں گے کیونکہ وہ خود اسلام کے

دعوے دار ہیں۔ (مباحثہ ۲۲۹)

اس عبارت سے آپ کو جواب مل گیا کہ مرزائی ہمیں مسلمان بھی  
دھوکا دینے کے لیے برائے نام کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں ان کا یہی ایمان  
ہے کہ سب غیر مرزائی کافر ہیں۔

اپنا مضمون ختم کرنے سے پہلے میں ان لوگوں سے سوال کرنا چاہتا ہوں جو مجھ  
پر اور دیگر علماء اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے مرزائیوں سے تعلقات  
منقطع کرنے کا اعلان کر کے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیا ایسے لوگوں کے  
پاس کچھ عقل ہے تو میرے اس مضمون پر غور کریں تو انہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس  
تفرقے کا ذمہ دار میں یا دیگر علمائے اہل سنت نہیں بلکہ اس کی دو وجہ ہیں۔  
پہلی اور سب سے اہم وجہ تو یہ کہ قرآن و حدیث ہمیں یہ فرق پیدا کرنے پر  
مجبور کرتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث اور امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ  
نبی کریم علیہ السلام کے بعد مردعی نبوت کذاب ہے وہ اور اس کے ساتھی اسلامی  
حکومت میں واجب القتل ہیں اسی لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں  
کذاب کو قتل کوایا اور ان کے بعد اسلامی دور حکومت میں جب اور جہاں ایسے  
کذاب پیدا ہوئے ان کو واصل جہنم کیا گیا۔

اور اس فرق کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مرزائیت کے بانی اور اس کے  
لیڈروں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مسلمانوں سے علیحدہ ہی رکھا اور تمام مسلمانوں  
کو کافر ہی جاتا جیسا کہ مضمون سے واضح ہو گیا اب اس صورت میں جس بے غیرت  
کا دل چاہے وہ مرزائیوں سے تعلق قائم کرے کیا تمہاری غیرت اس بات کی اجازت  
دیتی ہے کہ مرزائی تمہیں مطلقاً کافر کہیں تمہارے جناتوں میں شریک نہ ہوں،  
تم سے رشتے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور تم ان کو مسلمان یا زائد سے زائد



مسلمانوں کا ایک گروہ سمجھو۔ (العیاذ باللہ)

اس دور کے مرزائی اور خاص طور پر اس ملک (برصغیر) کے مرزائی اپنے آباؤ اجداد سے بھی زائد مکار ہیں یہ مسلمانوں کے بھیس میں مسلمانوں کے اندر گھستے ہیں حالانکہ جب وہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور ہم قرآن و حدیث کے مطابق یقیناً ان کو کافر مرتد ہی کہتے ہیں تو پھر وہ کیوں ہمارے جنازوں کے جلوس میں گھس جاتے ہیں۔ کیوں ہمارے جلسوں میں آجاتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ اس طرح ہم سے تعلقات پیدا کر کے ہمارے مذہب کو ٹوٹنا چاہتے ہیں وہ ہمارے یہاں رشتہ داری کرنے کے ہماری نسلوں کو برباد کرتے ہیں اسی لیے میں بار بار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ مذہب کے ان ڈاکوؤں سے بالکل دور رہو قرآن کریم کا بھلی می حکم ہے۔ فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (نصیحت کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو)

جب تمہیں پتہ چل چکا کہ مرزائی بدترین ظالم قوم ہے تو ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش بھی حرام ہے جب بیٹھنے تک کی مخالفت کر دی گئی تو ایسی قوم سے کوئی مذہبی تعلق، جماعتی تعلق، یا رشتہ داری کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

ان باتوں کے سن لینے پر بھی کسی کو مرزائیوں سے محبت ہو تو وہ اپنے دل کی تسکین کے لیے مرزا غلام احمد کا مزید ارشاد سن لے مرزا جی کو الہام ہوا۔ یقبلنی ویصدق دعوتی الانس و البغایا الذین ختم اللہ علی قلوبہم

یعنی کج رویوں کے بچوں کے علاوہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے باقی سب میری نبوت پر ایمان لائچکے ہیں۔

بات بالکل صاف ہے جو مرزا جی کو نبی نہ مانے وہ کج روی کی اولاد (کرامی) ہے اب مجھے سوچ کر بتائیے کہ کیا اب بھی آپ کا مرزائیوں سے ملنے اور ان سے رشتہ داریاں قائم کرنے کو دل چاہتا ہے اگر کچھ محبت باقی ہے تو پھر



اس عبارت پر بھی غور فرمائیے۔  
دشمن ہمارے بیاتوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کیتوں سے بڑھ

گیں۔ (نجم الہدی ص ۱)

اب جس کا دل چاہے وہ کافر، ولد الحرام اور خنزیر بن کر مرزائیوں سے  
ملے جس سمجھتا ہوں کہ کوئی سمجھدار انسان ایسے گمراہ سے تعلق نہیں رکھ سکتا جس  
کا دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے یہ خیال ہو حقیقت یہ ہے کہ مرزائی ایک علیحدہ  
قوم ہیں جن کا نبی علیحدہ، مذہب علیحدہ اور شریعت علیحدہ لیکن اسلام  
اور مسلمانوں کے لئے عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور تمام اسلام دشمن  
اقوام سے زائد خطرناک ہیں۔ جس کے تبوت کے لئے بے شمار واقعات  
پیش کر سکتا ہوں لیکن آپ ملک (سرینام) کا تازہ واقعہ ہی لیجئے  
کہ ہم نے جب عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منایا اور اس عید کے  
بیتے عام تعطیل کا مطالبہ کیا تو کسی قوم نے اعتراض نہ کیا یہ صرف مرزائی  
ہیں جنہوں نے سخت مخالفت کر کے ہمارے اس مطالبے کی تکمیل میں رکاوٹ  
ڈال دی۔ بسک خدا کا شکر ہے کہ عام چھٹی نہ ہونے کے باوجود عید میلاد النبی  
پوری شان کے ساتھ منایا گیا اور منایا جائے گا اللہ کے آخری سچے رسول  
کا چہرہ چاہر جگہ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مرزا غلام احمد کا نام مٹ رہا  
ہے اور بہت جلد مٹ جائے گا دنیا کی کوئی قوت مجھے یہ بات کہنے سے  
نہیں روک سکتی کہ

مرزائی قزاقوں اور ڈاکوؤں کا ایک ٹولہ ہیں جن کی کوشش  
ناموس رسالت کو لوٹنے کی ہے لیکن نبی آخر الزماں علیہ السلام  
کی ناموس کے محافظ علماء و عوام اہل سنت ہیں جن کا خدا حامی  
و ناصر ہے۔



# ملاقات کا طریقہ

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ لوگ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کچھ ایسے الفاظ بولتے ہیں جن سے ایک دوسرے کا دل خوش ہوتا اور محبت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

اسلام نے بھی مسلمانوں کے لئے ملاقات کا طریقہ مقرر کیا ہے اور اس کو اختیار کرنے کا حکم دینا پھر کے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ یعنی مسلمان چاہے کسی ملک کے ہوں یا کوئی بھی زبان بولتے ہوں لیکن انہیں ملاقات کے وقت عزنی کے وہی خاص الفاظ بولنے کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے لئے مقرر ہیں اور وہ یہ ہیں:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ان الفاظ کو سننے والا جواب میں کہے:

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

”سلام کرنا“ اسی کو کہا جاتا ہے جس کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (پ ۵: انسداد آیت: ۸۶)

وَ إِذَا حُيِّمُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا  
بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا  
كَلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا

جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ میں جواب دو یا وہی کہو۔ ورنہ بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔



اس آیت میں سلام کا بہترین جواب دینے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ اگر مسلمانوں نے سلام کے طریقے کو چھوڑ دیا یا کسی نے کسی کے سلام کا جواب نہ دیا تو خدا کے یہاں اس کا بھی جواب دینا ہوگا۔ قرآن

کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا: (پ ۱۸، النور آیت: ۲۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا

بُيُوتَنَا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ

تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ

أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

اے ایمان والو اپنے گھروں کے  
سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب  
تک اجازت نہ لے لو اور ان  
میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو  
یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم  
دھیان کرو۔

یہاں مسلمانوں کو گھروں میں داخل ہونے کے وقت خاص طور پر سلام کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی اشارہ کر دیا گیا کہ سلام کرنے میں مسلمانوں کی بھلائی اور فائدہ ہے اگر وہ اس طریقے کو چھوڑیں تو اس کے فائدے سے محروم ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں سلام کا ذکر

اس طرح کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (پ ۱۸- النور: ۶۱)

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا

عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ

عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً

والی، پاکیزہ اچھی دعا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب کسی بھی گھر میں پہنچے (چاہے وہ گھر رہنے کا ہو، کاروبار کا ہو، عبادت کا ہو، کسی قسم کا بھی گھر ہو) تو اس کو چاہیے کہ وہاں جو لوگ نہ سب کے اعتبار سے اپنے ہوں ان کو ضرور سلام کرے۔ کیونکہ سلام کا طریقہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور یہ ایک برکت والی دلوں کو دشمنی سے پاک کر دینے والی دعا ہے۔



قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے بھی ملاقات کے وقت سلام ہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْكَ فَقَالُوا  
سَلَامًا. قَالَ سَلَامًا

جب وہ اس کے پاس آئے تو  
انہوں نے سلام کیا اور اُس نے

ان کے سلام کا جواب دیا۔

اس آیت میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان کی بیوی حضرت سارہ کے پیٹ سے بچہ پیدا ہونے کی خوشخبری سنانے کے لئے اس وقت آئے تھے جب حضرت سارہ کی عمر نوے سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ یہ دس یا بارہ فرشتے تھے۔ جب یہ انسانوں کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا طریقہ فرشتوں میں بھی ہے اور پچھلے نبیوں کا بھی یہی طریقہ تھا۔

بہر حال قرآن کریم سے یہ حقیقت واضح ہے کہ سلام کا طریقہ نہایت ہی پاکیزہ اور برکت والا ہے جس کی پابندی یقیناً مسلمانوں کے لئے بھلائی کا ذریعہ ہے اسی لئے نبی کریم علیہ السلام نے بھی اس کی تاکید کی اور اس کی اہمیت کو بیان فرمایا جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے فرمایا:

إِذْ هَبْنَا قُلُوبَنَا عَلَىٰ أُولَئِكَ  
وَنفَخْنَا فِيهِم مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوسًا  
فَاسْتَمِعُوا مَا يُحْيِيوُنَكَ فَاٰنْهٰا  
تَحِيَّاتُكَ وَنَحِيَّتُكَ ذُرِّيَّتِكَ  
فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا

جاؤ فرشتوں کی اُس جماعت  
کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب  
دیتے ہیں وہ جو جواب دیں وہی  
تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب  
ہوگا تو حضرت آدم علیہ السلام



السلام عليك ورحمة الله،  
فزادوه " ورحمة الله"

نے فرشتوں سے کہا "السلام علیکم  
تو فرشتوں نے جواب دیا  
السلام علیک ورحمة اللہ، تو انہوں  
نے ورحمة اللہ کا لفظ زیادہ کر دیا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ سلام کا طریقہ نبی کریم علیہ السلام کے زمانے  
کی بات نہیں بلکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا۔  
اور جب ہی سے جا رہی ہے نبی کریم علیہ السلام نے اسی طریقے پر عمل کرنے کی  
تائید فرمائی۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ  
مَنْ بَدَأَ هُمْ بِالسَّلَامِ

بیشک اللہ کے نزدیک بہتر  
شخص وہ ہے جو لوگوں کو پہلے  
سلام کرے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی  
کریم علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اسلام میں سب سے اچھا کام کیا  
ہے تو آپ نے فرمایا:

تَطْعِمَ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأَ  
السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ  
مَنْ لَمْ تَعْرِفْ

تم بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور ہر  
مسلمان کو سلام کرو چاہے اُسے  
پہچانو یا نہ پہچانو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى  
تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا  
حَتَّى تَحَابُّوا. أَوْ لَا أَدُلُّكُمْ  
عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمْوه

جب تک تم مومن نہ ہو جنت  
میں نہیں جا سکتے اور جب تک  
تم آپس میں محبت نہ کرو پورے  
مومن نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ



تَحَابُّبُكُمْ أَفْتُوا السَّلَامَ  
 بَيْنَكُمْ  
 تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس  
 کے کرنے سے تمہارے درمیان  
 محبت پیدا ہو جائے۔ تو وہ  
 کام یہ ہے کہ تم آپس میں سلام  
 کیا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام  
 نے فرمایا:

إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى  
 الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا  
 آسَأَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ  
 فَلَيْسَتْ الْأُولَى بِأَحَقَّ  
 مِنَ الْآخِرَةِ  
 جب تم میں سے کوئی کسی مجلس  
 میں آئے تو اسے سلام کرنا چاہیے  
 پھر جب مجلس سے اٹھنے کا  
 ارادہ کرے تو بھی سلام کرے  
 کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے  
 زیادہ بہتر نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام  
 نے فرمایا:

إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ  
 فَلْيَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ  
 عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ  
 جب تم اپنے گھر والے کے  
 پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے  
 اور گھر والوں کے لئے برکت  
 کا ذریعہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث پر غور کیجئے۔ پتہ چلتا ہے کہ  
 اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا آپس میں سلام کرنا  
 بہت ہی پسند ہے اور اس طریقے پر عمل کرنے اور اس کو جاری کرنے  
 کے بہت فائدے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ السلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو اور علیکم السلام ورحمة اللہ



دبرکاتہ کے معنی ہیں اور تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو۔  
یعنی حقیقت میں سلام ایک دعا ہے۔ جب مسلمان ہر وقت ایک دوسرے  
کے لئے یہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول فرما کر ان پر سلامتی  
نازل فرماتا ہے۔ یعنی ان پر اپنا فضل فرماتا اور بیماری، غزبت اور ہر  
قسم کی مصیبتوں سے ان کو بچا لیتا ہے گویا سلام مصیبتوں سے نجات کا  
ذریعہ ہے۔

۲۔ جب گھروالے ایک دوسرے کو گھراتے وقت، گھر سے جاتے وقت  
رات کو سوتے وقت، صبح اٹھتے ہی غرضیکہ ہر وقت سلام کرتے اور  
ہر وقت سب کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس گھر سے  
شیطان و بلیات کے اثر کو دور کر دیتا اور رحمت والے فرشتوں کو اس گھر  
والوں کی حفاظت کے لئے مقرر فرما دیتا ہے۔ گویا سلام مسلمانوں کے  
گھروں سے شیطان اور بلاؤں کے دور ہونے کا ذریعہ ہے۔

۳۔ جب مسلمانوں میں سلام کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے  
مسلمان بھی قریبی دوست بن جاتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کو پہچانتے بھی  
نہتے۔ اس طرح سلام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کا بھی  
ذریعہ ہے۔

۴۔ سلام کرنے سے مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے قریب ہونے  
پہن۔ دلوں میں چھپی ہوئی دشمنی اور کینہ ختم ہو جاتا ہے اور آپس میں ایک  
دوسرے کا حال معلوم کرنے اور ان کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا  
ہے اس طرح مسلمان اپنی بہت سی مصیبتوں اور تکلیفوں کو خور ہی مل کر  
دور کر سکتے ہیں۔

۵۔ سلام ہی سے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی وہ دولت نصیب ہو جاتی  
ہے جس کے بغیر مسلمانوں کے لئے اپنے مذہب کی حفاظت کرنا اور چین  
کی زندگی گزارنا ممکن نہیں۔



۶۔ سلام کرنے والے اور اس کا جواب دینے والوں کو فرشتوں، نبیوں، صحابہ اور تمام نیک بندوں اور بزرگوں کے طریقے پر عمل کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جس سے یقیناً بہت سے گناہ مٹتے اور بے شمار نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

ان عظیم فائدوں کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو سلام کرنے کی عادت پیدا کرنی چاہیے۔ اپنے بچوں کو سلام کرنے کا طریقہ سکھانا چاہیے اگر گھر میں ماں باپ خود گھر سے نکلتے وقت، گھر میں داخل ہوتے ہوئے، سونے سے پہلے اور صبح اٹھ کر بچوں کو سلام کریں تو بچوں کو خود بخود اس کی عادت ہو جاتی ہے۔

سلام کے متعلق کچھ ضروری مسئلے بھی جان لینا چاہئیں؛ سلام صرف جان پہچان والوں ہی کو نہیں بلکہ ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔ سلام کرنا سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب، سلام کا جواب سنتے ہی دینا چاہیے۔ بغیر کسی مجبوری کے جواب میں دیر کرنا سنت گناہ ہے۔ سلام کرتے اور اس کا جواب دیتے وقت چہرے سے خوشی ظاہر کرنا چاہیے۔ اگر کسی آدمی مل کر کسی کے پاس جائیں تو سب کو سلام کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ان میں سے ایک نے بھی سلام کر لیا اور باقی نے نہ کیا تو سب کو سلام کرنے کا ثواب ملے گا۔ اگر ایک شخص مجلس میں آئے تو اس کو ایک مرتبہ سلام کرنا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے سلام کا جواب مجلس کے سب لوگ دیں۔ لیکن اگر ایک آدمی نے ہی جواب دیا تو سب کی طرف سے کافی ہے اور اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اگر کوئی شخص کسی کے ذریعہ اپنے عزیز یا دوست کو سلام بھیجے اور وہ سلام پہنچانے کا وعدہ کرے تو اس کے لئے سلام پہنچا دینا واجب ہے اور جب کسی کے ذریعہ سلام ملے تو سلام بھیجنے اور سلام پہنچانے والے دونوں کو جواب دینا چاہیے جس کے



لئے یہ الفاظ ہیں۔ ”وَعَيْنِكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ“۔ اگر خط میں کوئی سلام لکھے تو اس کا جواب اسی وقت منہ سے بھی دینا چاہیے اور جوابی خط میں بھی لکھنا چاہیے۔ قبرستان میں وائل ہرتے ہوئے مردوں کو بھی سلام کرنا سنت ہے جس کے لئے الفاظ یہ ہیں: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ إِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ۔ مدینہ شریف جانے والوں کے ذریعہ نبی کریم علیہ السلام کو بھی بھیجا چاہیے۔ یہ بزرگوں کا طریقہ اور حضور علیہ السلام سے سچی محبت کی نشانی ہے اور حاضری دینے والوں کے لئے سلام پیش کر دینا واجب ہے۔ سلام اتنی آواز سے کرنا چاہیے کہ جس کو کیا جائے وہ سن لے اور اتنی ہی آواز سے جواب بھی دینا چاہیے۔ صرف ہاتھ کے اشارے یا انگلیوں کے اشارے سے سلام کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر دور سے سلام کرنے والا منہ سے سلام کرے اور اپنا سلام پہنچانے کی غرض سے اشارہ کر دے تو جائز ہے۔ اس وقت جواب دینے والے کو بھی منہ سے جواب دینا اور اس کو پہنچانے کے لئے اشارہ کرنا چاہیے۔ چھوٹے بڑے مرد اور عورت سب کے لئے جواب کے الفاظ ایک ہی ہیں۔

کھانا کھانے والے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، تسبیح و تہجد پڑھنے والے، مسجد میں نماز کا انتظار کرنے والے، دینی باتیں کرنے اور سننے والوں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح وضو کرتے وقت یا غسل وغیرہ کرتے وقت بھی سلام نہیں کرنا چاہیے۔ اذان ہو رہی ہو یا غلبہ ہو رہا ہو تو اس وقت بھی سلام کرنا جائز نہیں۔ جو لوگ شراب پی رہے ہوں، تماشہ کھیل رہے ہوں یا کسی اور بے کام میں مصروف ہوں تو اس وقت ان کو بھی سلام کرنا جائز نہیں۔ خاص طور پر مرزا ایٹون کو جو مرتد کافروں سے زیادہ بدتر ہیں قطعاً سلام کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اسلام نے جن مجرموں کو قتل کر دینا واجب قرار دیا ہے ان کے لئے مسلمان



سلامتی کی دعا کیسے کر سکتے ہیں۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا بھی سنت ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام خود بھی مصافحہ کرتے تھے اور ہمیں بھی آپ نے اس کی تاکید فرمائی۔ حضرت ایوب ابن بشر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم علیہ السلام جب تم لوگوں سے ملاقات کرتے تھے تو کیا مصافحہ بھی کیا کرتے تھے تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا لَقَيْتُ قَطُّ إِلَّا صَافِحَتِي  
کہ میں جب بھی حضور علیہ السلام سے ملا تو آپ نے مجھ سے مصافحہ

فرمایا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کیا صحابہ کرام میں مصافحہ کا رواج تھا تو انہوں نے جواب دیا ہاں

أَكَا نَتِ الْمَصَافِحَةِ فِي  
أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ نَعَمْ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا:

کہ مریض کی عیادت کا پورا طریقہ یہ ہے کہ اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھو اور سلام کا پورا طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے بعد مصافحہ کرو۔

تَمَامٌ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ  
تَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَى  
جَبْهَتِهِ أَوْ عَلَى يَدِهِ  
فَسَأَلَهُ كَيْفَ هُوَ  
تَمَامٌ مَحِيَّا تَكْمُ بَيْنَكُمُ الْمَصَافِحَةُ



حضرت براء ابن عاذب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم

علیہ السلام نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ  
فِي تَصَافُحٍ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا  
قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا  
اللہ ان دونوں کے عیحدہ ہونے  
سے پہلے ان کے (چھوٹے چھوٹے)

گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام

نے فرمایا۔

تَصَافُحُوا يَذْهَبُ الْغِلُّ  
وَتَهَادُوا وَاتَّخَابُوا وَ  
تَذْهَبُ الشِّجَاءُ  
مصافحہ کیا کرو کیونکہ اس سے  
کینہ دور ہو جاتا ہے۔ آپس میں  
تخفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی

اور دشمنی دور ہو جاتی ہے۔

ان چند حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مصافحہ (ہاتھ ملانا) ایک ایسی سنت  
ہے جس پر عمل کرنے سے مسلمانوں میں محبت و الفت بھی پیدا ہوتی ہے  
اور ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مصافحہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب دو مسلمان ملیں تو سلام کے بعد  
اس طرح دونوں ہاتھ ملائیں کہ دونوں کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلیاں  
پوری مل جائیں اور الٹا ہاتھ ایک دوسرے کے سیدھے ہاتھ پر آ  
جائے۔ ملائے وقت دونوں ہاتھوں کو دبانے اور کچھ ہلانے میں بھی  
کوئی حرج نہیں۔ صرف ہاتھوں کی انگلیاں ملانا یا ایک ہاتھ سے  
مصافحہ کرنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کا کوئی ثواب نہیں، عورتیں  
آپس میں ہاتھ ملا سکتی ہیں۔ مرد اپنی ماں، بیوی، بیٹی، بہن اور دوسری  
محرم (جن سے نکاح جائز نہ ہو) ہاتھ ملا سکتا ہے لیکن غیر عورتوں سے



ہاتھ ملانا سخت گناہ اور حرام ہے۔ غیر عورت کی طرف جب نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے تو ان سے ہاتھ ملانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے یہ طریقہ جو مسلمان اختیار کرتے ہیں وہ یا تو شریعت کو جانتے ہی نہیں اور یا جانتے ہوئے اس بد عملی میں مبتلا ہیں۔ اب انہیں یہ طریقہ چھوڑ کر توبہ کر لینا چاہیے۔ ملاقات کے وقت عورتوں کا ایک دوسرے کے منہ کو چومنا بھی جائز نہیں اسی طرح مصافحہ کر لینے کے بعد خود ہی اپنے ہاتھوں کو چومنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں مصافحہ کرتے وقت اپنے باپ، استاد، پیر، عالم دین یا کسی بھی بزرگ کے ہاتھ چومنا یا پیر چومنا جائز ہے یہ مسئلہ فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں موجود ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت زراع رضی اللہ عنہ جو عبد القیس کے وفد میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے اور نبی کریم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تو حضور علیہ السلام کو دیکھ کر۔

فَجَعَلْنَا نَبَا رِمْزٍ وَاجِلْنَا  
فَنَقَبَلُ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَرَجُلَهُ

تو ہم اپنی سوار یوں پر سے  
جلدی جلدی اترے اور  
ہم نے حضور علیہ السلام کے  
ہاتھ اور پیر کو چوما

عمر یا مرتبے کے اعتبار سے ہر چھوٹا اپنے بڑے کے ہاتھ یا پیر کو چوم سکتا ہے جس کا مقصد ادب اور احترام کو ظاہر کرنا ہو اور ہر بڑا محبت و شفقت ظاہر کرنے کے لئے چھوٹے کی پیشانی پر بوسہ دے سکتا ہے جیسا کہ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملے۔

قَالَتْزَمَهُ وَقَبَّلَ بَيْتَ  
عَيْنَيْهِ

تو ان کو گلے لگا لیا اور ان کی  
دونوں آنکھوں کے درمیان

بوسہ دیا۔



حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

فَدَنُونَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَنَا  
يَدَهُ  
ہم حضور علیہ السلام کے قریب  
ہو گئے اور ہم نے آپ کے  
ہاتھ کو چوما۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر  
رضی اللہ عنہ ایک سفر سے واپس مدینہ تشریف لائے تو میں ان کے ساتھ  
ان کے گھر گیا تو ابو بکر نے دیکھا کہ ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
بیٹی ہوئی ہیں اور بخاری میں بتلا ہیں۔

فَاتَاَهَا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ  
كَيْفَ أَنْتِ يَا بِنْتِ وَقَبَّلَ  
حَدَّهَا  
تو ابو بکر ان کے پاس آئے اور  
پوچھا ”میری بیٹی کیا حال ہے“  
اور ان کے منہ پر بوسہ دیا۔

ملاقات کے وقت سلام اور مصافحہ کے علاوہ معانقہ کرنا یعنی  
گلے ملنا بھی سنت ہے جو نبی کریم علیہ السلام سے ثابت ہے جب کہ  
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب  
زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریم علیہ السلام سے  
ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور علیہ السلام میرے ہی مکان  
پر تشریف رکھتے تھے۔ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا  
تو حضور علیہ السلام صرف تہ بند باندھے اپنی چادر کو زمین پر لٹکائے دروازے  
پر تشریف لے گئے۔

فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ  
اور زید بن حارثہ کو گلے لگایا

اور بوسہ دیا

حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم  
حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچے تو



فتلقانی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم  
فَاعْتَنَّفَنِي  
حضور علیہ السلام مجھے ملے اور  
آپ نے مجھے گلے لایا

بہر حال معانقہ (گلے ملنا) بھی ملاقات کی خوشی کو ظاہر کرنے اور  
آپس میں محبت بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن معانقہ اس خلوص اور  
محبت کے ساتھ کرنا چاہیے کہ جب دو مسلمانوں کے گلے اور سینے ایک  
دوسرے سے ملیں تو ان کے دل بھی مل جائیں یعنی دونوں میں کسی قسم کا  
کینہ اور دشمنی باقی نہ رہے۔

مصافحہ اور معانقہ کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب بھی دو  
مسلمان بھائی ملیں سلام کریں، مصافحہ کریں، دل چاہے تو گلے ملیں۔ خاص  
طور پر نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ تو بہت ہی اچھا ہے کہ خدا  
کی عبادت کے بعد خدا کے بندے آپس میں محبت کو ظاہر کریں تو ان پر  
خدا کی رحمت ضرور نازل ہوگی۔ اسی طرح معانقہ چاہے عید کے روز نماز  
کے بعد کیا جائے، بہت دن کے بعد ملاقات کے وقت کیا جائے۔ سفر  
کے لئے جاتے وقت کیا جائے یا سفر سے آتے وقت یا ہر ملاقات کے  
وقت کیا جائے ہر وقت جائز ہے۔ یہ کام محبت زیادہ ہونے کا ذریعہ ہے  
لہذا جتنا ان کاموں کو کیا جائے گا اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی اور مسلمانوں کو  
اتحاد و اتفاق کی دولت نصیب ہوگی۔

مرتبے یا عمر میں جو شخص بڑا ہو اس سے ملاقات کے لئے بیٹھے ہوئے  
لوگوں کا کھڑے ہو جانا اور اس کی عزت و احترام کو ظاہر کرنا بھی سنت  
ہے اسی طرح کسی چھوٹے کے لئے اپنی جگہ سے ہلنا اور اس کو بیٹھنے کے  
لئے کہنا سنت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام مسجد  
میں بیٹھ کر ہمیں دین کی باتیں سکھایا کرتے تھے تو:



فَاِذَا قَامَ فَمِنْكُمْ قِيَامًا  
حَتَّى تَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ  
بُيُوتِ اٰنَا وَاٰجِرٍ  
تو جب حضور علیہ السلام جانے  
کے لئے کھڑے ہوتے تھے  
تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے  
اور ہم اس وقت تک کھڑے  
ہی رہتے تھے جب تک آپ  
اپنی بیویوں میں سے کسی کے گھر  
تشریف لے جاتے تھے۔

یعنی جب تک نبی کریم علیہ السلام گھر کے اندر نہیں چلے جاتے تھے اور  
صحابہ کی نظروں سے نہ چھپ جاتے تھے، صحابہ اس وقت تک آپ کے احترام  
کے لئے کھڑے ہی رہتے تھے۔ اسی طریقہ کے مطابق مجلس میں کسی بزرگ کے  
آتے یا جاتے وقت اس کی عزت و احترام کے لئے کھڑا ہو جانا ایک اچھا طریقہ  
ہے جو ثواب کا ذریعہ ہے۔

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم  
علیہ السلام مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آیا تو آپ اُس کے لئے  
اپنی جگہ سے کچھ ہٹ گئے اُس نے کہا یا رسول اللہ جگہ کافی ہے۔ آپ تشریف  
رکھیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلْمَسْلَمِ لِحَقًّا اِذَا رَاَهُ  
اِخْوَةً اِنْ يَتَزَحَّزَحَ لَهٗ  
ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب  
وہ کسی کو اپنی مجلس میں آتا  
دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ  
سے کچھ ہٹ جائے

بہر حال اسلام مسلمانوں کو ملاقات کے بہترین طریقے سکھاتا ہے۔ ان سب  
کا مقصد مسلمانوں میں محبت و الفت کو زیادہ کرنا، بڑوں کی عزت و احترام کا  
خیال رکھنا اور چھوٹوں سے شفقت و محبت کو ظاہر کرنا ہے مسلمانوں کو یہ طریقے  
جاری کرنا اور ان کی عادت پیدا کرنا چاہیے تاکہ ان کے فائدے اور برکتیں نصیب  
ہوں۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔



# تعمیر مسجد

انہا یعمرمساجدا للہ  
من امن باللہ والیوم  
الآخر و اقام الصلوٰۃ  
والی الزکوٰۃ ولم یحش  
الا للہ۔ فصنی اولئک  
ان یكونوا من  
المہتدین

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں  
جو اللہ اور قیامت پر ایمان  
لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور  
زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا  
کسی سے نہیں ڈرتے۔ تو قریب  
ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں  
ہوں۔

پ ۱۰۔ التوبہ۔ آیت: ۱۸)

مسجد کے معنی ہیں سجدہ کرنے کی جگہ۔ اس معنی کے اعتبار سے مسلمان کے  
لئے ساری زمین مسجد ہے۔ کیونکہ مسلمان زمین پر ہر جگہ سجدہ کر سکتا اور نماز  
ادا کر سکتا ہے۔ لیکن شرعی اصطلاح میں مسجد خاص طور پر اس جگہ کو کہا جاتا  
ہے جو پانچ وقت کی نماز کے لئے مقرر کر دی گئی ہو اور کوئی ایک شخص اس کا  
مالک نہ ہو بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے وہ جگہ وقف ہو۔ ہر مسلمان کو اس میں  
نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کی پوری آزادی ہو۔ ایسی ہی جگہ کو "بیت اللہ"  
یعنی اللہ کا گھر بھی کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس جگہ (مسجد) کو دیکھتے ہی خدا  
یا داتا ہے اور اس کی عبادت کا خیال آتا ہے اس لئے یہ "شعائر اللہ"  
اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اللہ منہ مانتا ہے:

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب



یعنی خدا کی نشانیوں کی عزت کرنا، اُن کا احترام کرنا متقی (کامل مومن) ہونے کی نشانی ہے کیونکہ جو شخص بھی اللہ کو ماننے ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کی ہر نشانی کی ضرورت کرے گا۔ اس ارشاد کے مطابق مسجد کی عزت کرنا اور اُس کا احترام کرنا بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کی نشانی ہے اسی لئے سورہ توبہ کی ان آیات میں جو اوپر لکھی جا چکی ہیں اللہ نے یہ واضح طور پر بیان کیا کہ مسجدوں کو غیر مسلم یا فاسق و فاجر لوگ آباد نہیں کریں گے بلکہ وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی اس طرح انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ قیامت کے دن خدا ہم سے مسجدوں کے متعلق بھی سوال کرے گا تو اگر ہم نے مسجدوں کو آباد نہ کیا تو خدا کے یہاں ہم کیا جواب دیں گے اور مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کیونکہ بے نمازی اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو مسجد سے کس طرح محبت اور تعلق ہو سکتا ہے اور ان لوگوں کی ایک بڑھی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے بھی نہیں کیونکہ آبادی مساجد میں کبھی لوگ طعنے بھی دیتے ہیں، کبھی ستاتے اور پریشان بھی کرتے ہیں تو جو شخص لوگوں سے ڈرتا ہو وہ مسجد کو آباد نہیں کر سکتا۔

تعمیر مساجد یعنی مسجدوں کے آباد کرنے کے طریقے یہ ہیں:-  
مسجد بنانا، مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آنا، مسجد کی عزت اور اس کا احترام کرنا،

مسجد بنانا نیک اور متقی لوگوں کا طریقہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے دنیا کا سب سے پہلا گھر خانہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام نے

اے اگر مومن پڑھ کر سنا جائے تو آیات کو دوبارہ پڑھا جائے اور ان کا ترجمہ بھی کیا جائے۔



اور ان کے بعد حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بنایا۔ مسجد اقصیٰ  
حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی اور مسلمانوں کا عظیم سرگز مسجد نبوی خود  
حضور نبی کریم علیہ السلام نے بنائی اور تمام صحابہ نے مل کر اس کا کہا۔  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد کے لئے زمین کی قیمت ادا کی۔  
حضور علیہ السلام مسجد بنانے کے لئے خود اینٹ پھرتا اٹھاتے تھے  
اور فرماتے تھے:

اللهم لا عيش الا عيش  
الاخذة فاغفر الانصار  
والمهاجرة  
لے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی  
ہے تو انصار اور مہاجرین کی  
مغفرت فرما۔

آپ نے اپنے اس ارشاد سے یہ ظاہر کیا کہ جو لوگ اپنے مکان بناتے  
ہیں وہ صرف دنیا کی زندگی کا انتظام کرتے ہیں اور جو مسجد بناتے ہیں وہ  
آخرت کی زندگی کا انتظام کرتے ہیں اور حقیقت میں زندگی تو آخرت ہی  
کی ہے۔ آپ نے تعمیر مساجد میں حصہ لینے والے انصار و مہاجرین کے لئے  
اس موقع پر دعا کر کے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ جس طرح میں ان لوگوں سے  
خوش ہوں اسی طرح قیامت تک جو بھی مسلمان مسجد بنائے گا۔ میں اس  
سے خوش رہوں گا۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:  
من بنى لله مسجداً بنى  
الله له بيتاً فى الجنة۔  
جس نے اللہ کے لئے مسجد  
بنائی اللہ نے اس کے لئے  
جنت میں گھر بنا دیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں تمام صحابہ نے حصہ لیا اور اس یقین کے ساتھ  
انہوں نے مسجد کو بنایا کہ اس کے بدلہ میں اللہ جنت میں ان کے لئے گھر  
بنارہا ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پھرتا اٹھاتے  
جاتے اور پڑھتے جاتے تھے:



افلح من يعالج المساجد جو مسجدیں بناتا ہے وہ کامیاب ہو گیا۔

حضور علیہ السلام کے بعد بھی صحابہ کرام نے ضرورت کے مطابق مسجدوں کے بنانے کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تقریباً چار ہزار مسجدیں آباد ہوئیں۔

بہر حال تعمیر مساجد کا ایک طریقہ مسجدوں کو بنانا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور نیک و متقی لوگوں کی سنت ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم اپنے بزرگوں کو بھی خوش کر سکتے ہیں۔ اللہ کے یہاں اس کا ثواب بھی پائیں گے اور حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق یقتینا اللہ ہمارے لئے جنت میں گھر بنائے گا

مسجد بنانے میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ زمانہ کے اعتبار سے مسجد دوسری قوموں کے عبادت خانوں میں سب سے زیادہ عمدہ اور خوبصورت ہو کیونکہ ہر قوم کا عبادت خانہ اس کی مذہبی شان اور مذہب سے محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ جس طرح ایک عمدہ مکان اور اس کا قیمتی سامان مکان والے کے صاحب دولت اور باذوق ہونے کو ظاہر کرتا ہے بالکل ایسے ہی مذہبی عمارت کی عمدگی اور اس کے بہترین سامان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس عمارت کے بنانے والوں کو اپنے مذہب سے محبت ہے اور انہیں مذہبی کام کا شوق بھی ہے۔ اور یہ اپنے مذہب کے لئے ہر قربانی دے سکتے ہیں۔

مسلمان ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اسلام سے محبت ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے لہذا مسلمان کو اپنی مسجدیں بہترین اور خوبصورت بنا کر اسلام سے اپنی محبت کا ثبوت ہر زمانہ میں دینا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد نبوی حضور علیہ السلام کے



زمانہ میں جیسی بنی تھی اب ویسی نہیں۔ اُس زمانے کے حالات کے اعتبار سے اس کو بہت اچھا بنایا گیا تھا لیکن پھر اس کو ہر زمانہ میں خوبصورت کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ آج دنیا کے تمام عبادت خانوں میں بہترین عمارت ہے اور خوبصورت و قیمتی سامان سے آراستہ اور مزین ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو بڑھا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی دیواروں اور ستونوں کو پتھر کا بنوایا، چھت ساگون کی ڈلوائی اور فرش پر عقیقہ کی کٹھکریاں پھیلوائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوری مسجد کو دوبارہ سنگ مرمر کا بنوایا اور عمارت بنانے کے لئے شام، مصر، روم اور قبط سے اسی (۸۰) انجینئر بلوائے۔ موجودہ عمارت سلطان عبدالمجید خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

غرضیکہ اسی طرح ہر دور کے مسلمان مسجد نبوی ہی نہیں بلکہ دوسری تمام مسجدوں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے رہے خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی مسلمانوں کو مسجدیں خوبصورت کرنے اور ان کو قیمتی سامان سے مزین کرنے کا شوق ہے۔ مسلمانوں کو اپنا یہ شوق اور زائد کرنا چاہیے۔ اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ :

جو اللہ کے گھر کو خوبصورت اور عمدہ بنائے گا۔ اللہ اس کو دنیا اور

جنت میں بہترین اور خوبصورت گھر ضرور عطا فرمائے گا۔

یہ بات بھی بتا دینا ضروری ہے کہ مسجدوں کی تعمیر میں مسلمانوں کو صرف حلال ذرائع سے کمایا ہوا پیسہ لگانا چاہیے۔ نہ تو اس مقدس کام میں سود وغیرہ کی دولت استعمال ہو سکتی ہے اور نہ اس کے لئے غیر مسلموں سے بد مانگی جاسکتی ہے۔ زکوٰۃ کا پیسہ بھی مسجد پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مال میل کچیل ہوتا ہے جو اس پاکیزہ عمارت پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کی رقم کا کسی کو مالک بنانا ضروری ہے اور مسجد یا مسجد کے سامان کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ مسجد کی ہر چیز وقف



ہوتی ہے۔ مسجد سے مسجد میں آنے والے مسلمان ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی لئے مسجد کی کسی چیز کو ذاتی مصرف میں نہیں لایا جاسکتا۔ جیسے مسجد کی سیڑھی وغیرہ کوئی اپنے گھر کا کام کرنے کے لئے نہیں لے جا سکتا۔ یا مسجد کا کوئی پانی گھر نہیں لے جا سکتا۔ اسی طرح مسجد کے اور دوسرے سامان کا حال ہے۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے منتظمین مسجد کے سامان سے ذاتی فائدہ حاصل کرتے اور اس کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ بالکل ناجائز ہے۔ اس گناہ سے بچنا چاہیے۔ مسجد کے سامان کو مسجد سے باہر کسی دوسرے مذہبی کام کے لئے بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً مسجد کا لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر لے جا کر اس سے تبلیغ وغیرہ کرنا بھی جائز نہیں۔ جب مسجد کا سامان مسجد کے باہر دینی کام کے لئے بھی نہیں کیا جاسکتا تو ذاتی استعمال میں لانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

مسجد میں مسلمانوں کا نماز کے لئے آنا بھی مسجد کو آباد کرنے کا ایک طریقہ ہے کیونکہ اگر کسی مکان کو بنا کر استعمال نہ کیا جائے، اس میں ہر قسم کا سامان موجود ہو مگر استعمال کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس گھر کو آباد نہیں کہا جاسکتا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ اس مکان پر دولت بالکل بے کار خرچ کر دی گئی۔ اسی طرح مسجد کی بہترین عمارت اور اس میں عمدہ قیمتی سامان اسی وقت کارآمد ہو سکتا ہے جب کہ مسلمان اس میں نماز پڑھنے کے لئے اور دینے سیکھنے کے لئے جمع ہوتے رہیں۔ کیونکہ مسجد بناٹی ہی اس مقصد کے لئے جاتی ہے، مسجد بنانے کا مقصد صرف لوگوں کو ایک خوبصورت عمارت بنا کر دکھا دینا ہرگز نہیں اسی لئے مسجد میں آنے بلکہ مسجد کو دیکھنے تک کا ثواب رکھا گیا۔ حالانکہ مسلمان نماز تو ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جو لوگ اندھیروں میں مسجدوں کی

بشر المشائین فی الظلم



الی المساجد بالنور  
التام  
طرف جاتے ہیں انہیں قیامت  
کے دن کامل نور کی خوشخبری  
سنادو۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جو مرد مسجد پہنچ کر جماعت سے نماز ادا کرے اس کو گھر کی نماز سے  
پچیس گنازائد ثواب ملتا ہے اور یہ اس لئے کہ وہ جب اچھی طرح وضو کر کے  
گھر سے نکلتا ہے تو جو قدم چلتا ہے اس سے درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹتا  
ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو فرشتے برابر اس کی بخشش کی دعا کرتے رہتے  
ہیں۔ دوسری جگہ آپ نے ارشاد فرمایا

جب مسلمان اچھی طرح وضو کر کے مسجد جاتا ہے تو ہر قدم کے بدلے  
دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور واپس گھر پہنچنے تک نماز پڑھنے ہی کا ثواب  
ملتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ زمینیں  
خالی ہوئیں تو خاندان بنو سلمہ نے چاہا کہ ان زمینوں پر اپنے مکان بنا  
لیں تاکہ مسجد کے قریب ہو جائیں۔

یہ خبر نبی کریم علیہ السلام کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اے بنو سلمہ میں نے  
سنا ہے کہ تم مسجد کے قریب آنا چاہتے ہو۔ بنو سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ  
ارادہ تو ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اپنے گھروں میں ہی رہو۔ کیونکہ  
تمہارے قدموں کے بدلے ثواب لکھا جاتا ہے۔ اگر تم مسجد کے قریب آگے  
تو قدم کم ہو جائیں گے اور اس طرح ثواب بھی کم ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من عند الی المسجد او  
راح اعد الله له نزلة  
جو مسلمان صبح یا شام مسجد جائے  
اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی

یہ حدیث کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔



من الجنة كلما غدا  
نعمتوں کو تیار کرتا ہے چاہے

وہ کتنی ہی بار جائے۔

اور لاح

مطلب یہ ہے کہ جو شخص دن میں کسی ایک وقت بھی مسجد جائے۔ تو اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتیں اس کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو جتنا زائد مسجد میں آئے گا اسی کی اتنی ہی زیادہ نعمتیں ہوں گی تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ مسجد حاضر ہو کر نماز ادا کریں اور اگر پانچ وقت کی نمازوں میں نہ حاضر ہو سکیں تو کم از کم صبح شام یا کسی ایک وقت تو حاضر ہو جائیں تاکہ جنت کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں۔

یہاں صرف چند احادیث نقل کی گئیں جو یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مسلمانوں کو مسجدیں بنا کر ان میں تالے نہ ہیں ڈال دینا چاہئیں بلکہ پانچ وقت ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے جمع ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر شاندار و خوبصورت مسجد بنا کر مسلمان اس میں جمع نہ ہوں تو ان کے ایسا کرنے سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کو صرف دکھانے کے لئے مسجد بنانے کا شوق تو ہے لیکن درحقیقت ان کو اپنے مذہب ہی سے نہ تو محبت ہے اور نہ ہی اپنے خدا کا ڈر۔ کیونکہ اگر ان میں یہ دونوں باتیں ہوتیں تو یہ اس مقصد کو ضرور کرتے جس کے لئے مسجد بنائی جاتی ہے، جس طرح انہوں نے اپنے روپے خرچ کر کے ایک شاندار عمارت بنا دی اسی طرح اپنا وقت صرف کر کے اس عمارت میں عبادت کرنے کے لئے یہ جمع بھی ہو جاتے۔ آپ خیال کریں کہ مسلمانوں کا مسجد میں نہ آنا ایک تو اس ثواب سے محرومی کا ذریعہ ہے جس کا ذکر اوپر کی حدیثوں میں موجود ہے اور دوسرے ان کے اس طریقے سے ان کی کتنی بڑی بدنامی ہے۔ ایسا مسلمان جو مسجد میں نہ آنے کی وجہ سے بدنام ہو چکا۔ اب وہ مذہب یا اسلام سے محبت کا کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو کیسے مسلمان ثابت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں منافقوں کو



بھی مسجد آکر نماز میں شریک ہونا پڑتا تھا تا کہ لوگ ان کو مسلمان سمجھیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسجد میں حاضر نہ ہونے والے کو مسلمان یقین کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو سکتا۔

یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ نماز گھر میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دن کی پانچ نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے لئے بھی مسجد آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مسجد آنے کا ثواب بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اور نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ علاوہ انہیں اگر غور کیا جائے تو نماز کے بیشمار فائدوں میں سے اکثر فائدے مسجد آکر ہی نماز ادا کرنے کی صورت میں نصیب ہوتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے درمیان محبت و الفت پیدا ہونا ایک دوسرے کا حال جاننا، صفوں میں کھڑے ہو کر ایک خاص نظم کی عادت پیدا کرنا، عزیز و امیر، کالے اور گورے کامل کر عبادت کرنا، یہ سب نماز کے فائدوں میں سے اہم فائدے ہیں جو یقیناً تنہا گھر پر نماز ادا کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ مسجد کی اصل تعمیر ہی ہے کہ

مسلمان جمع ہو کر اس میں عبادت کریں اور اس کے بیشمار فائدے ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دینی اور دنیاوی فوائد کو حاصل کرنے کی عزت سے زیادہ سے زیادہ مسجد میں ہو کر نماز ادا کرنے کی کوشش کیا کریں۔ صرف عید بھر عید یا جمعہ کی نماز کے لئے جمع ہونا ہی مسجد کی آبادی نہیں بلکہ دن میں پانچ مرتبہ جمع ہونا بہترین آبادی ہے۔ ہاں اگر کاروباری اوقات میں مسجد حاضری ممکن نہ ہو تو کم از کم صبح و شام تو حاضر ہونا چاہیے۔

تعمیر مسجد کا ایک طرہ لائقہ اس کی عزت کرنا اور اس کی احترام کرنا بھی ہے کیونکہ جس جگہ کو شاندار اور خوبصورت اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس میں خدا کی عبادت کی جائے اگر اس کی عزت نہ کی گئی اور اس کے احترام کا خیال نہ رکھا گیا اور اس کو ایک عام مکان کی طرح استعمال کیا گیا تو یہ



حقیقت میں اُس معبود کی عزت نہ ہوگی جس کی عبادت اس گھر میں کی جا رہی ہے۔

اگر کسی کے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو وہ اپنے گھر کو صاف ستھرا کرتا ہے اور خوبصورت سامان سے اس کو آراستہ کرتا ہے اور یہ انتظام حقیقت میں مہمان کی عزت ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مسجد کی صفائی اور اس کو خوبصورت بنانا حقیقت میں معبود حقیقی ہی کا احترام ہے کیونکہ جس جگہ مسجد بنا دی گئی اس جگہ پر خدا کی خاص رحمتیں نازل ہونے لگتی ہیں اسی لئے اس کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

احترام مسجد کے کئی طریقے ہیں (۱) مسجد کی عزت کرنا اور اس سے

سے محبت کرنا۔

مسجد کی عزت کرنا تو یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر دل میں خدا کا خوف پیدا ہو اور اس کی عبادت کا جذبہ پیدا ہو۔ حضور نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

اذ امرتم بربا ض الجنة۔ جب تم جنت کے باغیچوں کے

فارس تعوا۔ قیل یا رسول۔ سامنے سے گزر دو تو کچھ چر لو۔

اللہ و ما رباض الجنة۔ رکھا لو، عرض کیا گیا جنت کے

قال المساجد۔ باغیچے کیا ہیں فرمایا مسجدیں۔

قیل وما الرتع بارسول۔ عرض کیا گیا ان سے چرنے

اللہ۔ قال سبحان اللہ۔ (کھانے) کا کیا مطلب ہے

والحمد لله ولا اله۔ فرمایا کہو۔ اللہ پاک ہے اور

الا للہ واللہ اکبر۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے

میں اور اللہ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں اور اللہ

بڑا ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد قابل غور ہے۔ آپ نے مسجدوں کی



عزت کرانے کے لئے مسجد کو جنت کا ٹکڑا قرار دیا۔ اس لئے کہ جو مسلمان اس میں پانچ وقت پابندی سے آتا ہے یا کسی وقت بھی آکر عبادت کرتا اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے وہ یقیناً جنتی ہو گیا اور جس مسلمان نے اس کو بنانے میں حصہ لیا اس کے لئے بھی جنت میں مکان بن گیا جیسا کہ اوپر حدیث میں بیان ہو چکا، لہذا ہر مسلمان کو مسجد کی عزت اس لیتین کے ساتھ کرنا چاہیے کہ مسجد درحقیقت جنت کا ایک حصہ ہے جو مسلمانوں کو نصیب ہو گیا۔ پھر جب مسلمان جنت کے حصے کو دیکھے تو اس سے ضرور کچھ فائدہ اٹھانا چاہیے بالکل اس طرح جیسے ایک جانور اگر کسی سبز گھاس والی جگہ سے گزرتا ہے تو ضرور منہ مار کر کچھ نہ کچھ چر لیتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان مسجد کے سامنے سے گزریں تو بغیر فائدہ حاصل کئے ہوئے نہیں گزرنا چاہیے اور مسجد سے فائدہ یہ حاصل کیا جائے کہ خدا کی پاکی بیان کرنے کے لئے یہ پڑھے:

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر

یہ پیاری تسبیح جب مسلمان مسجد کو دیکھ پڑھے گا تو ثابت ہو گا کہ یہ مسجد کی عزت کرتا ہے اور اس کو تسبیح پڑھنے کا ثواب بھی ملے گا۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

احب البلاد الى الله

خدا کے نزدیک شہروں کی سب

ساحدھاوا بغض

سے محبوب جگہ مسجدیں ہیں اور

البلاد الى الله اسواقها

خدا کے نزدیک شہروں کی سب

سے بری جگہ بازار ہیں۔

حضور علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد میں مسلمانوں کے دلوں میں مسجدوں

کی محبت پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ شہر میں خوبصورت بازار طرح طرح کی

عمارتیں اور مسجدیں سب ہی چیزیں ہوتی ہیں لیکن خدا کو سب سے زیادہ

محبت مسجدوں سے ہوتی ہے اور سب سے زیادہ بری جگہ خدا کے نزدیک



بازار ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کے بندوں کو بھی اسی چیز سے محبت ہونا چاہیے جس سے خدا کو محبت ہے اور جس جگہ کو خدا پسند نہیں کرتا اس جگہ کو بندوں کو بھی پسند نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا مسلمانوں کو صرف ضرورت پوری کرنے کے لئے بازار جانا چاہیے۔ کیونکہ بازار خدا کے نزدیک کوئی اچھی جگہ نہیں ایسی جگہ نہیں جہاں تفریح کرنے یا دل بہلانے کے لئے جا یا جائے وہ تو صرف ضرورت پوری کرنے یا کاروبار کرنے، ضرورت کا سامان خریدنے کی جگہ ہے۔ اپنے خالی اوقات میں دل بہلانے اور سکون حاصل کرنے کے لئے مسلمان کو مسجد میں آنا چاہیے۔ کیونکہ سکون تو اسی جگہ ملتا ہے جس جگہ سے محبت ہو اسی لئے نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

ان ترهب امتی میری امت کے لئے دنیا سے

المجلوس فی المساجد علیحدہ ہونے کا سکون حاصل

انتظار الصلوٰۃ کرنے کا ذریعہ نماز کا انتظار

کرنے کے لئے مسجد میں

بیٹھا ہے۔

یعنی مسلمان مسجد میں آکر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کے لئے بیٹھے تو اس کو دنیا کی الجھنوں اور فکروں سے سکون حاصل ہوتا ہے اور اس کا پریشان دل مطمئن ہو جاتا ہے کیونکہ جب مسلمان اللہ کے گھر میں آکر نماز پڑھنے اور اللہ کا ذکر کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس کو اپنی الجھنوں کا خیال بھی نہیں رہتا بالکل اسی طرح جیسے ایک بیابان کے کوماں کی گود میں آکر سکون نصیب ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

إلا بذكر الله تطمئن اللہ کے ذکر سے دلوں کو الہینان

القلوب ہوتا ہے۔

جو مسلمان مسجد کا عزت کرتا ہے اسے ان چند سکونوں کی پابندی ضرور

کرنا چاہیے۔



مسجد کی چھت پر بغیر ضرورت نہیں چڑھنا چاہیے۔ مسجد کو راستہ بنانا یعنی اپنی ضرورت کے لئے ایک دروازے سے دوسری طرف نکل کر جانا جائز نہیں۔ جوتے پہن کر جانا یا ایسا کپڑا پہن کر جانا جس کو عام طور پر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔ یہ بھی مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ مسجد میں بھیک مانگنا، اپنی کھوٹی ہوئی چیز تلاش کرنا، کھانا، پینا، سونا، دنیاگی باتیں کرنا، ہنسی مذاق کرنا، بدبو والی چیز کھا کر مسجد میں جانا، کسی چیز کا بیچنا یا خریدنا، اونچی آواز سے باتیں کرنا، مسجد یا اس کی کسی چیز سے اپنا ذاتی دنیاوی فائدہ حاصل کرنا۔ یہ تمام کام مسجد میں کرنا منع ہیں۔ کیونکہ مسجد کی عزت ان کاموں کے کرنے سے باقی نہیں رہ سکتی۔

۲۔ احترام مسجد کا دوسرا طریقہ مسجد کی صفائی کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے جو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس میں مسلمان اللہ کی عبادت کریں جب مسلمان اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھنا پسند کرتے ہیں تو ان کو ضرور اپنے گھروں سے زیادہ اللہ کے گھر (مسجد) کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں صفائی بھی ایک عبادت ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ صفائی رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

ان الله يحب المتطهرين بے شک اللہ پاک رہنے والوں

کو پسند کرتا ہے

جب مکانوں، کپڑوں اور اپنے جسموں کی صفائی کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے تو جو مسلمان اللہ کے گھر کی صفائی کریں گے ان کو اللہ اور بھی زائد پسند کرے گا۔

بنی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

میری امت کی نیکیوں کے بدلے

عرضت علی اجور

میرے سامنے پیش کئے گئے

اہتی حتی القذات



يُخْرِجُهَا الرَّجُلَ مِنْ  
المسجد  
یہاں تک کہ مسجد سے کوڑا نکال  
کر پھینکنے کا بدلہ بھی پیش کیا گیا۔  
دوسری جگہ آپ نے فرمایا:

اذا راى ایتام الرجل  
یتعاهد المسجد  
فاشهدوا له بالایمان  
جب تم کسی کو مسجد کی خدمت  
کرتے دیکھو تو اس کے مومن  
ہونے پر گواہ بن جاؤ۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے مسجد میں مٹوک پڑا دیکھا تو آپ  
کے چہرے سے غصہ ظاہر ہونے لگا۔ آپ نے اس کو خود صاف کیا اور  
سرمایا کیا تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ کوئی تمہارے سامنے مٹوکے۔ یعنی  
کسی کے سامنے کھڑے ہو کر مٹوکنا بد تمیزی ہے۔ اسی طرح مسجد جہاں  
اللہ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور رحمت کے فرشتے آتے رہتے ہیں۔  
اس میں مٹوکنا بھی سخت برا ہے۔

حضور علیہ السلام کے ان ارشادات کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ مسجد  
کی صفائی ایک نیکی ہے جس کا اجر اللہ کے ہاں ضرور ملے گا اور ایمان کی  
علامت ہے لہذا کسی مسلمان کو اس سے شرم نہیں کرنا چاہیے مسجد  
میں گندگی کرنا بد تمیزی ہے لہذا ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے اور اگر  
کوئی مسجد میں کوڑا یا گندگی دیکھے تو اس کو فوراً صاف کر دینا چاہیے کہ یہ  
حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔

مسجدوں کو صاف رکھنے کے لئے ان کاموں کا کرنا سخت منع ہے۔  
مسجد کے اندر گندی پیر لے کر جانا، گندے یا میلے کپڑے پہن کر  
جانا، ناپاکی کی حالت میں مسجد کے اندر داخل ہونا، مسجد کی چھت پر  
گندگی ڈالنا، کوئی ناپاک تیل وغیرہ مسجد میں بلانا یا مسجد بنانے کے لئے  
کوئی ناپاک سامان استعمال کرنا، اتنے چھوٹے بچے کو مسجد میں لے جانا جو  
پیشاب وغیرہ کو نہ کہتا ہو، مسجد کے اندر جنازہ رکھنا۔ رکیز مکہ صریح کے



پیٹ وغیرہ سے گندگی نکلنے کا امکان ہوتا ہے) مسجد کے اندر وضو کے پانی کو جھاڑنا۔ مسجد کے اندر پیٹر لگانا یا پردے وغیرہ لگانا۔ (کیونکہ پیٹر سے کوزا اور گندگی ہوتی رہتی ہے اور پردوں کے اندر کھاد وغیرہ ہوتا ہے) مسجد میں سونا کھانا کھانا۔

ان تمام کاموں کے کرنے سے مسجد میں روکا گیا ہے تاکہ اللہ کا گھر زیادہ سے زیادہ صاف رہے۔

مہر حال تکرین و حدیث اور شریعت کے احکام سے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ مسجدوں کی تعمیر اور ان کی صفائی، احترام اور ان میں حاضر ہو کر عبادت کرنا مسلمان کے ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس نشان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اس موقع پر یہ بات بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ تعمیر مسجد اگرچہ اللہ کی عبادت کے لئے ہے لیکن اسلام کی تبلیغ، دین کی تعلیم، آپس میں محبت و الفت کو بڑھانا بھی عبادت ہی ہے لہذا مسجدوں میں ایسا انتظام کرنا تعمیر مسجد کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے جس سے مسجد میں آنے والے لوگ دین سیکھ سکیں اور اسلام کی تبلیغ ہو سکے اسی طرح جب مسلمان مسجد میں جمع ہوں تو وہ اپنی ذاتی دشمنی کا خیال تک نہ رکھیں بلکہ اللہ کے گھر میں آکر صرف اللہ کے بندے نظر آئیں دوست اپنے دوست سے محبت کے ساتھ ملے اور دشمن اپنے دشمن سے محبت کے ساتھ ملے۔

اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ وہ اللہ کے گھر میں صرف اللہ کے بندے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے اسلامی رشتہ کی بنیاد پر صرف اللہ کے لئے ملنا ہے تو مسجد کے اندر پیدا ہونے والی یہ حالت مسلمانوں کی زندگی پر سرور اثر ڈالے گی اور ان کو ایک دوسرے سے ملادے گی، ان میں اتحاد پیدا ہوگا، اتفاق پیدا ہوگا، جو مسلمانوں کی ترقی اور قوت کی اصل ہے۔ مسلمان جس قدر زیادہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اتنی ہی ان کو اتحاد کی دولت



نصیب ہوتی ہے اور جتنے وہ مسجد سے دور ہوتے ہیں اتنے ہی وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں۔ اس کو اس مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص جس کی بہت دولت ہے جب وہ اپنی اولاد کی شادی وغیرہ کر دیتا ہے اور سب اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں تو ایک دوسرے سے دور ہو کر بھی وہ سب اگر اپنے باپ کے گھر آ کر جمع ہوتے رہتے ہیں تو ان کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور ان کا اتحاد زیادہ ہوتا ہے لیکن جب وہ شخص جس کی یہ اولاد ہے خود مر جاتا ہے تو پورا خاندان منتشر ہو جاتا ہے کہ جو مرکز ختم ہو گیا تو مرکز بیت بھی فنا ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح مسلمان اگر اپنے مرکز (مسجد) میں جمع ہوتا رہتا ہے تو مرکز بیت باقی رہتی ہے اور اتحاد و اتفاق بڑھتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مسجد میں بنانے اور ان میں جمع ہونے کا مزید جذبہ اور شوق عطا فرمائے۔





# اتحاد و اتفاق

وَ عْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو سب مل کر اور آپس میں علیحدہ علیحدہ

مت ہو۔ (پ ۴۔ آل عمران آیت: ۱۰۳)

ایک باپ اپنی اولاد کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور آپس میں لڑتا ہو ا پسند نہیں کرتا۔ اُس کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اُس کے سب لڑکے، لڑکیاں مل جل کر اور محبت و اتفاق سے رہیں۔ اسی طرح انسانوں کا حقیقی خدا انسانوں کا اختلاف، لڑائی جھگڑے اور آپس میں ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ تمان انسان اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گزاریں۔ دنیا کی اس زندگی میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ لہذا اللہ نے تمام انسانوں کو ایک چیز کو پکڑ کر جمع ہونے کا حکم دیا اور آپس کے اختلاف سے منع کیا۔ اللہ فرماتا ہے۔

وَ عْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا  
اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ  
لو سب مل کر۔

”حبل اللہ“ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانیں اور اسلام کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل کریں۔ اللہ کے اس حکم کو ماننا تمام انسانوں میں اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے



جب تمام انسان اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے، تو ان کا سر صرف ایک خدا کے سامنے جھکے گا، ان کی عبادت کے طریقے ایک ہوں گے، ان کے پیدا ہونے سے مرنے تک زندگی گزارنے کا ہر طریقہ ایک ہو جائے گا۔ اور تمام انسان شکل و صورت، رنگ و بولی اور ملکوں کے اختلاف کے باوجود ایک ہو جائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَفْرُقُوا  
اور ایک دوسرے سے علیحدہ

مت ہو۔

یعنی جو انسان اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں پھر وہ شکل و صورت، رنگ و بولی، دولت و غربت یا ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں۔ بلکہ اب اگر کسی معاملے میں اختلاف بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ  
المُؤْمِنِينَ اِقْتَلُوا فَأَصْلِحُوا  
بَيْنَهُمَا  
اور اگر مسلمانوں کے دو گروہوں  
آپس میں لڑیں تو ان میں صلح  
کرا دو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ  
فَأَصْلِحُوا بَيْنَ إِخْوَتِكُمْ  
(پ ۲۶۔ الحجرات۔ آیت: ۹)  
مسلمان بھائی ہیں تو اپنے دو  
بھائیوں میں صلح کراؤ۔

(پ ۲۶۔ الحجرات آیت: ۱۰)

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ رائے میں یا معاملات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف جھگڑے اور دشمنی کا سبب نہیں بننا چاہیے اور اگر کبھی مسلمانوں میں کوئی جھگڑا ہو بھی جائے تو دوسرے مسلمانوں کو یہ جھگڑا ختم کرانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کو اول تولدنا ہی نہیں چاہیے اور اگر دو بھائی کبھی لڑ پڑیں تو تو دوسرے بھائیوں کو لڑانی ختم کر کے آپس میں صلح کرا دینے کی کوشش



کرنا چاہیے۔

اتحاد و اتفاق کا یہ سبق تو قرآن کریم نے دیا اس کی اور زیادہ تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بھی غور کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

المؤمن للمؤمنين  
كالبنیان یسند بعضہ  
بعضاً و شبک بئین  
اصابعہ  
مسلمان دوسرے مسلمان کے  
لئے بنیاد کی اینٹوں کی طرح  
ہے کہ ایک سے دوسرے کو  
قوت ملتی ہے۔ پھر آپ نے  
ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے  
ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی مکان کی بنیاد میں ملا ہوا کہ اینٹیں لگائی جاتی ہیں تو وہ اس قدر منبسط ہو جاتی ہے کہ پورے مکان کا بوجھ اپنے اوپر اٹھا لیتی ہے اسی طرح مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مل کر محبت کے ساتھ بالکل اس طرح رہنا چاہیے جیسے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالی جاتی ہیں تو وہ بالکل مل جاتی ہیں۔ اگر مسلمان آپس میں اتنی محبت پیدا کر لیں اور اتنے مل جل کر رہا کریں تو کوئی بوجھ کوئی مصیبت انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون  
من لسانہ و یدہ  
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور  
ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔

یعنی مسلمانوں کے درمیان اتنی محبت ہونا چاہیے کہ کوئی مسلمان اپنے دوسرے بھائی کے لئے اپنی زبان سے ایسا لفظ نہ لگالے جس سے بھائی کا دل دکھے اور نہ اپنے مسلمان بھائی کو اپنے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچائے کیونکہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے اتحاد باقی نہیں رہ سکتا۔



حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ  
حَتَّىٰ يُحِبُّ لِأَخِيهِ مِمَّا  
يُحِبُّ لِنَفْسِهِ  
تم میں سے کوئی پورا مومن  
نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ  
اپنے مسلمان بھائی کے لئے  
وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے  
لئے پسند کرتا ہے۔

یعنی مسلمانوں میں ایسی محبت ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان بھائی اگر  
اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کو گالی دے تو اسے یہ بھی پسند  
نہیں کرنا چاہیے کہ وہ خود کسی مسلمان بھائی کو گالی دے۔ ہر مسلمان کو اپنے  
بھائی کی عزت اسی طرح کرنا چاہیے جیسے وہ دوسروں سے اپنی عزت  
کرنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی ایک مسلمان جو چیز خود کھانا یا پہننا پسند نہیں کرتا  
اس کو اپنے دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند نہیں کرنا چاہیے۔ کسی چیز  
سے مسلمانوں کو خود تکلیف ہو اسے یہی سمجھنا چاہیے کہ اس سے میرے  
مسلمان بھائی کو بھی تکلیف ہوگی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَيْسَ رَحِيمًا  
جو دوسروں پر رحم نہیں کرنا  
اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں محبت پیدا کرنے کے لئے  
ایک دوسرے پر رحم کرنا ضروری ہے، دولت مند غریبوں پر رحم کریں،  
صحت مند بیماروں پر رحم کریں، بڑے چھوٹوں پر رحم کریں۔ اسی طرح ہر  
طاقت ور اپنے کمزور پر رحم کریں۔

اس حکم کی پابندی کرانے کے لئے فرمایا گیا۔ اگر مسلمان آپس میں رحم  
نہیں کریں گے تو دنیا اور آخرت میں اللہ بھی ان پر رحم نہیں فرمائے گا۔  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيقَلْ  
خَيْرًا وَأَوْلِيصَمْتِ  
جو اللہ اور آخرت کے دن پر  
ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے  
کہ وہ بات کہے تو اچھی کہے  
ورنہ خاموش رہے۔

یعنی زبان سے جب مسلمان کوئی بات نکالے تو پہلے سوچ لے کہ  
اچھی ہے یا نہیں۔ اگر اچھی ہو تو کہے ورنہ خاموش رہنا بہتر ہے کیونکہ اکثر  
مسلمانوں کے درمیان اختلاف صرف بیکار اور بیوقوفوں کی وجہ سے  
ہو جاتا ہے لہذا ایسی بات ہی نہ کی جائے جس سے اختلاف کا خطرہ ہو۔  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ حَتَّى  
تَوَمَّنُوا وَلَنْ تَوَمَّنُوا  
حَتَّى تَحَابُّوا  
جنت میں وہی جائے گا جو  
مومن ہو گا اور مومن وہی ہو  
سکتا ہے جس کے دل میں

مسلمانوں کی محبت ہو۔

یعنی جنت تو مسلمانوں کے ہی داخل ہونے کی جگہ ہے لیکن کلمہ طیبہ  
پڑھنے کے بعد بغیر کسی سزا کے جنت میں داخل ہونے کے لئے ہر مومن کو  
اپنے اندر کچھ خوبیاں پیدا کرنا پڑیں گی اور انہی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی  
ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کے دل میں اپنے مسلمان بھائی کی محبت ہو اور  
اتنی محبت ہو کہ مسلمان بھائی کا رنگ چاہے سفید ہو یا کالا وہ کوئی بھی  
زبان بولتا ہو اور کسی جگہ بھی رہتا ہو لیکن اگر اس کو کوئی تکلیف ہو تو دوسرے  
مسلمان چاہے اس سے کتنی ہی دور ہوں بے چین ہو جائیں اور ان کو اس  
ومت تک چین نہ ملے جب تک ان کے مسلمان بھائی کی مصیبت دور نہ ہو  
جائے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
سِيَابُ الْمُسْلِمِ نَسْوَةٌ  
مسلمان کو گالی دینا برا ہے اور



قَاتِلُ كُفْرًا

اس سے جھگڑا کرنا کفر ہے۔

یعنی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو اتنی ہی قیمتی اور پیاری ہی ہونا چاہیے جتنی کسی کو اپنی عزت و آبرو پیاری ہوتی ہے لہذا کوئی مسلمان نہ کسی کو گالی دے سکتا ہے اور نہ ہی اس سے جھگڑا کر سکتا یا مار سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو گالی دی تو سخت گناہ کا کام کیا اور اگر کسی نے اس سے بھی بڑھ کر مسلمان بھائی سے لڑائی کی یا اس کو قتل کر ڈالا تو اس نے کافر جیسا کام کیا۔

قرآن کریم کی آیتوں اور حضور علیہ السلام کے ارشادات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ان مسلمان بھائیوں کو مل جل کر رہنا چاہیے ہر قسم کے اختلاف سے بچ کر اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اندر اس خوبی کو پیدا کرنے کی غرض سے بہت سے ایسے کام حرام کر دیئے گئے کہ جن کی وجہ سے آپس میں ضرور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے مسلمانوں کے لئے جو اکھینا حرام کر دیا گیا کیونکہ جو اکھینے والے اکثر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور کبھی تو ان کا جھگڑا اتنا بڑھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جان تک کے دشمن ہو جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑا صرف جو اکھینے والوں ہی کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ جواری کے گھروالے، رشتہ دار سب ہی اس سے لڑتے اور نفرت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو جو اکھینے کی اجازت ہوتی تو پھر اتحاد و اتفاق کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے "سود" لینا حرام کر دیا گیا کیونکہ اگر ایک مسلمان اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر کسی سے قرض لیتا ہے اور اس کو قرض ادا کرنے کے ساتھ کچھ روپیہ اور زائد دینا پڑتا ہے تو اس قرض لینے والے کے دل میں ایسے قرض دینے والے کی کبھی محبت نہیں ہو سکتی جو اس سے



سور و پیر کی بجائے ایک سو دس لے رہا ہے۔ اگر تمام مسلمانوں کو سو دس کے ساتھ لین دین اور کاروبار کی اجازت ہوتی تو ان میں آپس میں محبت کے بجائے نفرت بڑھتی رہتی اور اس طرح کبھی ان کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

کم تولنا، دھوکہ دے کر خراب مال پینا، جھوٹ بولنا، چیزوں میں ملاوٹ کرنا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کی طرف سے برا خیال کرنا، کسی کے عیب کو ظاہر کرنا، بغیر تحقیق کے کسی پر الزام لگانا، زنا کرنا، کسی کا مال چھین لینا۔

اسلام نے ان تمام بری عادتوں کو مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا کیونکہ جن لوگوں میں بھی یہ عادتیں ہوں گی ان میں آپس میں اتحاد و اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ ان بری عادتوں والے ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے، ایک دوسرے کو ماتے پٹتے رہتے ہیں۔

ایسی چیزوں کو تو مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا جن سے اتحاد و اتفاق کو نقصان ہو سکتا ہے اور ان تمام کاموں کو ضروری کر دیا گیا یا ان کے کرنے کی اجازت دی گئی جن سے اتحاد و اتفاق بڑھنا اور محبت و الفت کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔

جیسے:

اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمہ طیبہ کا پڑھنا ضروری کیا گیا۔  
دنیا بھر کے مسلمانوں پر نماز فرض کی گئی اور نماز ادا کرنے کے لئے کعبہ کی طرف منہ کرنا لازمی کر دیا گیا  
دنیا بھر کے مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا اور روزے کے لئے ایک مہینہ مقرر کیا گیا۔

دنیا بھر کے مسلمانوں پر زکوٰۃ اور راہ ہونے کی صورت میں حج فرض کیا گیا اور سب کے لئے حج کی خاص جگہ مکہ مقرر کر دی گئی۔

دنیا بھر کے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی گئی لیکن سب کے لئے زکوٰۃ



ادا کرنے کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی گئی۔

اللہ نے اپنی عبادت کے طریقوں میں یہ پابندیاں اس لئے رکھیں کہ مسلمانوں کو یہ خیال رہنا چاہیے کہ وہ ایک کلمہ پڑھنے والے ہیں، ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں ایک زمانہ میں روزہ رکھتے ہیں۔

ایک جگہ حج کرتے ہیں۔ ایک خاص مقدار سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر وہ رنگ، بولی یا جگہ کے فرق کی وجہ سے کس طرح ایک دوسرے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ ان کا رنگ علیحدہ ہو سکتا ہے ان کی بولی میں فرق ہو سکتا ہے وہ ایک دوسرے سے رہنے کی جگہ کے اعتبار سے دور ہو سکتے ہیں لیکن ان میں اتحاد و اتفاق کا اتنا کمال ہونا چاہیے کہ ان کے دل ملے رہیں کوئی ظاہری فرق ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتا وہ ان سب فرقوں کے باوجود بھی جانتے ہیں کہ

انما المؤمنون اخوة

کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اس اتحاد و اتفاق ہی کو خبط کر کے لئے مسجد میں آکر جماعت سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا امیروں کو غریبوں کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا، صحت مندوں کو بیماروں کی عیادت اور خدمت کرنے کا حکم دیا گیا۔ مردہ مسلمان بھائی کی نماز جنازہ ادا کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حکم دیا گیا۔ ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہر پے اور تحفے دینے کا حکم دیا گیا۔ مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کا حکم دیا گیا۔ متعاقب کرنے اور گلے ملنے کا حکم دیا گیا۔

غرضیکہ اسلام کے یہ تمام حکم اسی لئے ہیں کہ مسلمانوں میں آپس میں محبت اور اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ اس نے اپنی تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا کہ نہ امیر و غریب کا فرق باقی رہا نہ کالے، گورے کا اور



نہ ہی ان کو بولسیوں کا اختلاف دور کر سکتا ہے اور نہ وہ علیحدہ علیحدہ وطن ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ یہ اسلام کی کتنی بڑی خوبی ہے کہ جو مقام عربی بولنے والے کو حاصل ہے وہی دوسری زبان بولنے والے کو بھی ملتا ہے جو مرتبہ حضرت ابو بکر حضرت حمزہ اور دوسرے صحابہ کا ہے وہی کالے رنگ والے حبشی غلام حضرت بلال کا بھی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اعلان فرمایا:

عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت	لا فضل للعربی علی
نہیں اور نہ ہی غیر عربی کو عربی پر	العجمی ولا فضل للعجمی
تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد	عل العربی کلکم من
ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔	آدم و آدم من ترابہ
بیشک تم سب اللہ کے نزدیک	ان اکرمکم عند اللہ
بزرگی والا وہ ہے جو اللہ سے	انقلکم
سب سے زیادہ ڈرتا ہو۔	

یعنی جس طرح باپ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ اس اولاد سے محبت کرتا ہے جو اس کی بات مانے اور کہنے پر چلے، اسی طرح مالکِ حقینی بھی انسانوں میں سے صرف ان انسانوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق دنیا میں زندگی گزاریں جو جتنا زیادہ ان طریقوں پر عمل کرے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانے گا اتنا ہی اللہ کے دربار میں اس کا مرتبہ اونچا ہوگا۔

دنیا میں بہت سے مذہب ہیں اور بہت سی قومیں آباد ہیں لیکن ان میں اتحاد و اتفاق اور محبت پیدا کرنے کی تعلیم سب سے زیادہ اسلام دیتا ہے۔ اس طرح اسلام کی یہ خوبی ایک ایسی خوبی ہے کہ مسلمانوں کو



اس پر فخر کرنا چاہیے اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنے اختلافات کو دور کر کے اور ظاہری تفریق کو مٹا کر ایک خدا کا بندہ بن کر میل جول اور محبت سے زندگی گزارنا چاہیے۔ کوئی امیر اپنے آپ کو دولت کی وجہ سے اونچا نہ سمجھے، کوئی عزیز دولت نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو کمزور اور ذلیل خیال نہ کرے۔ رنگ اور بولی کے فرقوں کو ختم کر دیا جائے ہندوستانی، ملائی، جاپانی، ترکی، یورپی ہونے کا خیال بھی ذہن میں نہیں آنا چاہیے۔ صرف اور صرف ہر ایک اپنے آپ کو ایک خدا کا بندہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی سمجھے اور ہر ایک دین کی پابندی کر کے خدا کے یہاں اپنا مقام بلند کرنے کی کوشش کرے، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور مصیبت میں کام آنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

مسلمانوں کی پچھلی تاریخ اتنی پیار سی تاریخ ہے کہ اگر مسلمان اس کو اپنے سامنے رکھیں تو ان میں اتحاد و اتفاق بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ بھی۔ اس سلسلے میں ان چند واقعات پر

غور کیجئے

جنگ اُحد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ شہید ہو گئے جن سے حضور کو بہت محبت تھی اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ جب ان کے شہید ہونے کی خبر ان کی بہن سفیہ کو ہوئی تو وہ اپنے بھائی کے کفن کے لئے دو چادریں لے کر آئیں۔ جب ان چادروں میں حضرت حمزہ کو کفن دیا جانے لگا تو پتہ چلا کہ ایک دوسرے صحابی حمزہ سے لے کر بھی شہید ہوئے ہیں لیکن ان کو کفن دینے کے لئے کوئی کپڑا نہیں۔ حضرت حمزہ کی بہن اور ان کے عزیزوں نے فوراً بڑی چادر اپنے مسلمان بھائی کے لئے دے دی اور حضرت حمزہ کو ایک چادر میں دفن کیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ جب حضرت حمزہ کے پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سہ کھل جاتا تھا اور جب سر ڈھکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔



ایک اور واقعہ جنگ یرموک کا ہے کہ ایک مسلمان سپاہی زخموں سے بے چین ہیں، جان نکلنے کے قریب ہے۔ اس حال میں ایک مسلمان بھائی پانی دیتا ہے لیکن یہ تڑپتا ہوا مسلمان اشارے سے کہتا ہے کہ پہلے میرے دوسرے مسلمان بھائی کو پانی پلاؤ۔ جب اس کے پاس پانی پہنچا تو اس نے تیسرے کی طرف اشارہ کیا اور اسی طرح پانی والے کو سات تڑپتے ہوئے زخمی مسلمانوں کے پاس جانا پڑا۔ اور پھر ساتویں نے پانی والے سے کہا کہ جب تک مجھ سے پہلے بھائی پانی نہیں پییں گے میں کیسے پی سکتا ہوں۔ لیکن پانی والا جب دوبارہ تڑپتے ہوئے پیلے سے بھائیوں کے پاس پہنچا تو سب جان دے چکے تھے۔

جب نبی کریم علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور آپ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینے کے مسلمانوں کا بھائی بنایا تو وہ ایک دوسرے سے اتنی محبت کرنے لگے کہ مدینے کے مسلمانوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیا اپنی زمینیں تقسیم کر دیں اپنے مکان دے دیئے اور ہر طرح ان کی مدد کی اور مہاجر اپنے انصار بھائیوں سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اپنی کمائی ہموئی دولت تک ان کے سپرد کر دیتے تھے۔

بہر حال اسلام کی تاریخ کا ہر واقعہ اتحاد و اتفاق کی مثال پیش کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس اتحاد و اتفاق ہی کی برکت سے عرب کے گندے ماحول میں اسلام پھیلا اور مسلمانوں نے عزت حاصل کی اور بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوئے۔

اتحاد سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جب درخت کے بہت سے تنکوں کو ایک جگہ باندھ کر جھاڑو بنا دیا جاتا ہے تو وہ جھاڑو پورے مکان کو کوڑے وغیرہ سے صاف کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ان تنکوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے مکان صاف کرنے



کی کوشش کی جائے تو مکان کبھی صاف نہیں ہو سکتا بلکہ ایک ایک تنکا ٹوٹ کر  
یا ہوا میں اڑ کر ختم ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح مسلمان اتحاد و اتفاق کے ساتھ آپس میں ایک ہو کر  
بڑی قوت بن جاتے ہیں اور اپنے عظیم مکان اسلام کو دشمنوں سے بچا لیتے  
ہیں لیکن اگر ان میں اختلاف پیدا ہو جائے اور وہ ایک دوسرے سے  
علیحدہ اور دور ہو جائیں تو خود ختم ہو جاتے اور دشمن کی نذر ہو جاتے  
ہیں لہذا مسلمانوں کو اسلام کی حفاظت اور اپنی عزت و آبرو کے لئے  
اپنے ہر اختلاف کو دور کر کے اپنے اندر اتحاد و اتفاق اور محبت پیدا کرنے  
کی کوشش کرنا چاہیے۔

اسلام نے اتحاد و اتفاق سے رہنے کا حکم صرف مسلمانوں ہی کے  
ساتھ نہیں دیا بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ بھی اسلام مل  
جیل کر رہنے کی تعلیم دیتا ہے، اسلام میں دوسری قوموں کو تانے بان کو  
ذیل سمجھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

جس طرح خدا اپنے ماننے والوں کو دنیا کی تمام نعمتیں دیتا ہے اسی  
طرح وہ یہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے ماننے والے کسی کو پریشان نہ کریں  
بلکہ ہر ایک کو امن و سکون اور آرام سے زندگی گزارنے دیں۔ کسی باغ کا  
مالک ہرگز یہ نہیں پسند کرتا کہ کوئی اس کے لگائے ہوئے درختوں، پھولوں  
یا پھلوں کو خراب کرے۔ یہ ساری دنیا خدا کا لگایا ہوا باغ ہے اس باغ  
کا مالک حقیقی یہ بات پسند نہیں فرماتا کہ اس میں رہنے والے آپس میں لڑیں،  
جھگڑا کریں، ایک دوسرے کو قتل کریں یا ایک دوسرے کے مال پر قبضہ  
کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کلوا و اشربوا من

من رزق اللہ ولا تعسوا

فہ الارض مفسدین

اللہ کا دیا ہوا کھاؤ اور پیو

اور نہ زمین میں لڑائی جھگڑا مت

کرتے پھرو۔ اپ آیت: ۶۱



غیر قوموں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی تعلیم دینے ہی کے لئے حضور  
علیہ السلام اور صحابہ کرام کو یہ حکم دیا گیا کہ مکہ کے کافروں نے تمہیں بتایا  
اور تمہیں پریشان کیا۔ یہاں تک کہ تمہیں کعبہ میں عبادت بھی نہ کرنے دی۔  
لیکن تم ان کی اس دشمنی کی وجہ سے ان پر کوئی زیادتی اور ظلم مت کرنا۔ اللہ  
تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا یجرمنکم شان  
قوم ان صدوکم  
عن المسجد الحرام ان  
تعتدوا  
اُس قوم کی نفرت جس نے تمہیں  
کعبہ سے روکا تھا تمہیں ان پر  
زیادتی کرنے پر مجبور نہ کر دے۔  
(مائدہ)

غیر قوموں کے ساتھ اتحاد و کار شتہ قائم کرنے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ  
نے حضور علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ آپ یہودیوں اور عیسائیوں سے کہئے کہ  
وہ مسلمانوں سے اس بات پر صلح کر لیں کہ۔ ۱۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت  
نہ کریں۔ ۲۔ اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں۔ ۳۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب  
نہ سمجھیں۔ ہاں اگر یہ لوگ اتنی بات بھی ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان سے  
کہہ دو کہ ہم تو ان حکموں کو مانتے ہیں اور مسلمان ہیں۔

(خلاصہ آیت سورہ آل عمران)

کیوں کہ یہ باتیں تو ایسی تھیں کہ جن کی تعلیم صرف قرآن کریم نے ہی نہیں  
بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل  
میں بھی یہی تعلیم لے کر آئے تھے۔

غیر قوموں کے ساتھ اس اتحاد ہی کو باقی رکھنے کے لئے بتوں کی  
پوجا کرنے والوں (کافروں) سے بھی یہی کہا گیا یا تو تم ہمارے دین کو قبول  
کر لو اور اگر نہیں کرنا چاہتے تو

لکم دینکم ولی دین

تمہارے لئے تمہارا دین ہے

اور میرے لئے میرا دین۔



یعنی تمہاری مرضی ہے۔ ہم رٹ کر یا جھگڑا کر کے کسی کو اپنا دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، دین کے معاملے میں کوئی دباؤ اور مجبوری ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ نے فرمایا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ

دین میں کوئی دباؤ نہیں ہے

بیت الرشید من الغیٰ اور گمراہی کو ظاہر کر دیا گیا۔

یعنی جس طرح رات ہو جانے کے بعد کسی عقل مند کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ رات سونے کے لئے ہوتی ہے اور دن نکل آنے کے بعد کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دن کاروبار کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہدایت اور گمراہی، اچھائی اور برائی قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ظاہر کر دیئے گئے۔ اب اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی کسی پر دباؤ ڈالے اور آپس میں فساد اور جھگڑا پیدا کرے بلکہ ہر ایک کو اپنے دین کی صداقت کے لئے دینی باتیں جان کرنا چاہئیں اور ہر انسان کو اپنی عقل سے کام لے کر اچھے دین اور سیدھے راستے کو قبول کر لینا چاہیے۔

تاریخ اسلام سے بھی یہ بات بالکل روشن ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ غیر قوموں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور ان کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود غیر قوموں سے اتحاد کیا۔ اتحاد کے لئے جو جملے استعمال کئے گئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ انہم امة واحدة یہ سب لوگ ایک ہی قوم

سمجھے جائیں گے۔

۲۔ وان یہود بنی عوف بنی عوف کے یہودی مسلمانوں

امۃ مع المؤمنین کے ساتھ ایک قوم ہیں



۳ وان النصر للمظلوم مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

(چاہے وہ کسی مذہب کا ہو)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب دو بارہ مکہ میں داخل ہوئے اور مکہ کی حکومت آپ کو دے دی گئی تو آپ نے اپنے مکہ کے ان کافروں دشمنوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ اس موقع پر کسی مسلمان کو اپنے دشمن سے بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صرف اس لئے کہ اسلام تو سب کے ساتھ اتحاد، امن اور سکون سے بننے کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ یہودی صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں، عیسائی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں لیکن اسلام جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی عزت کرنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر بھی ایمان لانے اور ان کی عزت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہندو مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے ہیں ان کے ہاتھ کا پانی تک نہیں پی سکتے لیکن مسلمان ان کو اچھوت نہیں سمجھتے، مسلمانوں کی شریعت کے مطابق ان کے ہاتھ کا پانی پینا اور ان کی پکائی ہوئی چیزیں کھانا جائز ہیں۔

ہاں اسلام نے صرف اتنی پابندی لگائی ہے کہ مذہبی معاملات میں کسی سے نہ دوستی باقی رہتی ہے اور نہ رشتہ داری۔

فد آن کہیم میں ہے۔

کہ مسلمان کافروں کو اپنا دوست

لا یخذ المؤمنون

نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا۔

الکافرین اولیاء

رپ ۳۔ آل عمران۔ آیت: ۲۸

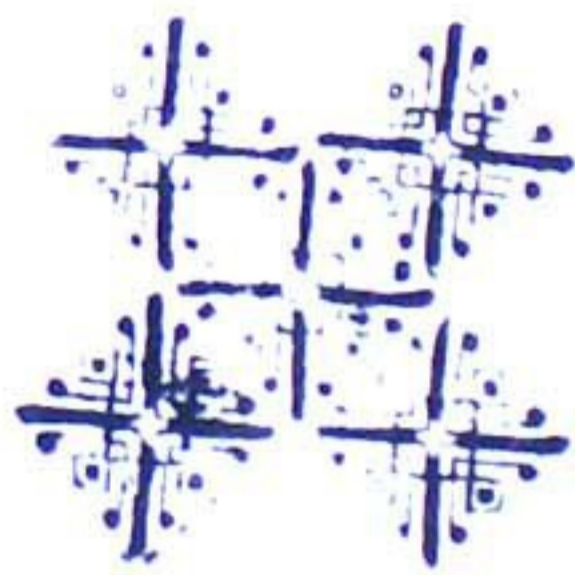
من دون المؤمنین



اس دوستی کا مطلب مذہبی معاملات میں دوستی ہے۔ یعنی اگر کسی دوسرے مذہب کا ماننے والا مسلمان کو نماز سے روکے تو دوستی کا خیال کر کے نماز نہیں چھوڑی جاسکتی کوئی مسلمان سے شراب پینے، جو ا کھینے، زنا کرنے کو کہے تو دوستی کا خیال کر کے ان کاموں کو نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی مسلمان کو کلمہ پڑھنے، قرآن شریف پڑھنے اور اسلام کے دوسرے احکام پر عمل کرنے سے روکے تو پھر دوستی کا کوئی خیال نہیں کیا جاسکتا۔ جب کوئی مسلمانوں کی حکومت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو دوستی کا خیال نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کی تاریخ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنی صورتوں میں جنگ کی اور غیر قوموں کا مقابلہ کیا ہے اور ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے جہاد کا حکم ہے لیکن کسی قوم کو ستانے، پریشان کرنے، کسی کے ملک پر قبضہ کرنے یا کاروباری معاملات میں غیر مسلموں سے علیحدگی، غیر مذہب کے لوگوں کو ذلیل سمجھنے کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی۔

مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی اس اسلامی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے آپس میں زیادہ محبت پیدا کرنے اور غیر مسلموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔





مَنْ يَرْكَبِ اللّٰهَ خَيْرًا يُفِيهِمُ الدِّينَ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (مجھ) عطا فرماتا ہے

سُنَّهٖ سَائِبِي رِيْوَايَةٍ  
(کامل)

جلد اول

(حصہ اول تا پنجم)

خلیل نلت حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد

شارع مفتی خلیل خان نرد ہوم اسٹیڈ ہال



مطابقتہ الاختراعات العصریہ  
لماخبر بہ سید البریہ

کا  
اردو ترجمہ

# اسلام اور عصری ایجادات

تالیف

الامام العلامة الحافظ ابو الفیض  
احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحنفی  
رحمة الله عليه

تلخیص و ترجمہ

ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی مارہروی

تقدیم

ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی

منے کاپتہ

مکتبہ قاسمیہ برکاتبہ حیدرآباد  
شارع مفتی خلیل خان نزد ہوم اسٹڈ ہال



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دِیَسْتَانُ

# مَقَالَاتِی

جلد دوم

از

مبلخ اسلام مولانا سید سعادت علی القادری  
صدر جمعیت اہلسنت پاکستان

ملنے کاپتہ

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد  
شارع منقی خلیل خان نزد ہوم اسٹیڈ ہال







## ہماری دوسری مطبوعات

۲۱. شرح اعتقاد الاحباب	۲۰/۵۰	۱. ہمارا اسلام جلد اول (۵ تا ۵۵)	۲۰/۵۰
۲۲. اسلامی گفتگو اول	۴/۵۰	۲. ہمارا اسلام مکمل (۱ تا ۹۹)	۳۲/۵۰
۲۳. اسلامی گفتگو دوم	۴/۵۰	۳. سنی بہشتی زیور جلد اول (۱ تا ۵۵)	۳۵/۵۰
۲۴. اسلامی اور عصری ایجادات	۹/۵۰	۴. سنی بہشتی زیور جلد دوم (۶ تا ۹۹)	۳۰/۵۰
۲۵. ادب پارے	۴/۵۰	۵. سنی بہشتی زیور مکمل دو جلد (۱ تا ۹۹)	۶۹/۵۰
۲۶. تفہیم القرآن کا جائزہ	۴/۵۰	۶. ہماری نماز مجلد	۳۶/۵۰
۲۷. موت سے کد تک	۱/۵۰	۷. ترجمہ سبع سنابل شریف	۳۹/۵۰
۲۸. تھیٹرف ندرہ	۱/۵۰	۸. الصلوٰۃ (سال بھر کے نوافل)	۲۵/۵۰
۲۹. مقالات قادری جلد دوم	۳۲/۵۰	۹. عقائد الاسلام	۳۰/۵۰
۳۰. مفتی اعظم سندھ	۳/۵۰	۱۰. شرح فیصلہ ہفت مسئلہ	۳۳/۵۰
۳۱. موت کا سفر	زیر طبع	۱۱. نور علی نور (ترجمہ سراج المعارف)	۲۵/۵۰
۳۲. کتاب الحج	"	۱۲. چادر اور چہار دیواری (سورۃ نور)	۲۵/۵۰
۳۳. ملفوظات مشائخ مارہرہ	"	۱۳. خلاصۃ التفاسیر (۱ تا ۶ پارے)	۲۰/۵۰
۳۴. مکتوبات مارہروی	"	۱۴. برکات روحانی (تعویذات عملیات)	۲۶/۵۰
۳۵. امام اعظم کے شاگرد	"	۱۵. حکایات رضویہ	۱۵/۵۰
۳۶. مسائل صیام	"	۱۶. روشنی کی طرف	۹/۵۰
۳۷. دیوان مفتی محمد خلیل علیہ الرحمۃ	"	۱۷. بہار نسواں	۹/۵۰
۳۸. عرفان خلیل	"	۱۸. معراج المومنین	۹/۵۰
۳۹. شادی کے مسائل	"	۱۹. دعائیں	۹/۵۰
۴۰. طب مصطفیٰ	"	۲۰. حقوق الاولاد احکام عقیقہ	۳/۵۰

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد

بیرون دارالعلوم احسن البرکات۔ شانہراہ مفتی محمد خلیل سے خاں



## ہماری دوسری مطبوعات

۲۱. شرح اعتقاد الاحباب	۲۰/۵۰	۱. ہمارا اسلام جلد اول (۵ تا ۵)	۲۰/۵۰
۲۲. اسلامی گفتگو اول	۴/۵۰	۲. ہمارا اسلام مکمل (۱ تا ۹)	۲۲/۵۰
۲۳. اسلامی گفتگو دوم	۴/۵۰	۳. سنی بہشتی زیور جلد اول (۵ تا ۵)	۲۵/۵۰
۲۴. اسلامی اور عصری ایجادات	۹/۵۰	۴. سنی بہشتی زیور جلد دوم (۶ تا ۹)	۳۰/۵۰
۲۵. ادب پارے	۲/۵۰	۵. سنی بہشتی زیور مکمل دو جلد (۹ تا ۹)	۶۹/۵۰
۲۶. تفہیم القرآن کا جائزہ	۲/۵۰	۶. ہماری نماز مجلد	۳۶/۵۰
۲۷. موت سے کد تک	۱/۵۰	۷. ترجمہ سبع سائل شریف	۳۹/۵۰
۲۸. تھیٹرف ندرہ	۱/۵۰	۸. الصلوٰۃ (سال بھر کے نوافل)	۲۵/۵۰
۲۹. مقالات قادری جلد دوم	۲۲/۵۰	۹. عقائد الاسلام	۳۰/۵۰
۳۰. مفتی اعظم سندھ	۲/۵۰	۱۰. شرح فیصلہ ہفت مسئلہ	۳۳/۵۰
۳۱. موت کا سفر	زیر طبع	۱۱. نور علی نور (ترجمہ سراج المعارف)	۲۵/۵۰
۳۲. کتاب الحج	"	۱۲. چادر اور چہار دیواری (سورۃ نور)	۲۵/۵۰
۳۳. ملفوظات مشائخ مارہرہ	"	۱۳. خلاصۃ التفاسیر (۵ تا ۶ پارے)	۲۰/۵۰
۳۴. مکتوبات مارہروی	"	۱۴. برکات روحانی (تعویذات عملیات)	۲۷/۵۰
۳۵. امام اعظم کے شاگرد	"	۱۵. حکایات رضویہ	۱۵/۵۰
۳۶. مسائل صیام	"	۱۶. روشنی کی طرف	۹/۵۰
۳۷. دیوان مفتی محمد خلیل علیہ الرحمۃ	"	۱۷. بہار نسواں	۹/۵۰
۳۸. عرفان خلیل	"	۱۸. معراج المومنین	۹/۵۰
۳۹. شادی کے مسائل	"	۱۹. دعائیں	۹/۵۰
۴۰. طب مصطفیٰ	"	۲۰. حقوق الاولاد احکام عقیقہ	۳/۵۰

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد

بیرون دارالعلوم احسن البرکات۔ شانہراہ مفتی محمد خلیل سے خاں



# مَقَالَاتِ قَادِرِي

جلد اول

140  
س

مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری

باہتمام

ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی

مکتبہ فاطمہ برکاتیہ حیدرآباد

شارع مفتی خلیل خان نزد ہوم اسٹینڈ ہال